مجموعۂ تفاسیر امام سندھیؒ

حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کی دینی فکر کے شارح اعظم
حکیم الاسلام امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیرِ قرآن جس میں حکمت و دعوتِ قرآن،
رموز غلبۂ اسلام اور دین اسلام کے سیاسی و معاشی اصولوں کو قرآن حکیم کی روشنی میں
جامع تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے انقلابی فکر کی شارح دنیائے اسلام کی یکتا تفسیر

مجدد العصر حکیم الاسلام امام انقلاب
حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

حکمتِ قرآن انسٹیٹیوٹ

مجموعہ تفاسیر امام سندھیؒ

مجدد العصر حکیم الاسلام امام انقلاب
حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتبین:
شیخ بشیر احمد لدھیانوی
استاذ العلماء علامہ غلام مصطفی قاسمیؒ
غازی خدا بخش
مولانا عبد اللہ رحیم آبادی

اشاعت اول: 2009ء
کمپیوٹر لے آؤٹ: ندیم احمد سولنگی
طابع: ذکی سنز پرنٹرس کراچی
ناشر: حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ کراچی

ہدیہ: =/300روپے

ایڈریس:
حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ
6سندھی جماعت کوآپریٹو سوسائٹی، جوگی موڑ بس اسٹاپ
نیشنل ہائی وے کراچی۔75030
رابطے کیلئے 021-4213117
0300-2707097

web:www.hikmatequran.org

اجمالی فہرست

تفسیر سورۃ فاتحہ

تفسیر سورۃ الفتح

تفسیر سورۃ المجادلہ

تفسیر سورۃ الحشر

تفسیر سورۃ الجمعہ

تفسیر سورۃ المدثر

عرضِ ناشر

حکیم الاسلام امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں اسلام کی فکری نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے نقیب امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کے شارح اعظم تھے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے دینی فکر میں انسان کے لئے ایمان و عمل کی زندگی کی حسنا کیوں کو اجاگر کیا اس طرح اپنی سماجی فکر میں قومی و طبقاتی اصولوں پر انسانی آزادیوں اور کامرانیوں کا پروگرام آشکار کیا۔ ان دونوں مقاصد کیلئے قرآن حکیم کی تعلیمات اور اصولوں کو انہوں نے اپنار ہنما بنایا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے تو ان کا امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر اور جماعت سے تعارف ہوا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اس وقت جماعت کے امیر تھے اور مولانا سندھی کو ان کی رفاقت اور شرف تلمذ حاصل ہوا۔ جماعت شیخ الہند نے اس وقت پورے برصغیر میں دینی مدارس اور جماعت کے ذریعہ توحید کی دعوت اور علمی و عملی زندگی کو دینی جماعت کی روح بنادیا تھا لیکن ساتھ ہی جماعت کا خیال تھا کہ سیاسی طاقت کے بغیر اسلام کے غلبہ کا مقصد حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ توحید کی فکر ان کے سامنے تمام قسم کے انسانی غلامیوں سے نجات پا کر ایک اللہ تعالیٰ کی عبدیت کے ساتھ زندگی گذارنے کیلئے انسانی آزادیوں اور فلاح و کامرانی کا عظیم سرچشمہ تھی، اس مقصد کے لیے ریاست کو انسانی غلامیوں اور ہر طرح کے شرک و ناانصافی کے کردار کے بجائے آزادی و عدل کی علامت بنا کر انسانوں کے لیے مفید، نفع بخش اور فلاحی بنانا اس جماعت کے مقاصد میں شامل تھا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ انگریزی غلامی کے پر آشوب دور میں جماعت شیخ الہند سے وابستہ ہوئے تھے، اس لیے اپنے استاذ اور جماعت کی طرف سے انہیں آزادیٔ ہند کیلئے بین الاقوامی سطح کی عملی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑا اور انہیں اس سلسلہ میں ۱۹ سالہ طویل جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑی۔ لیکن اس مصروف ترین عملی زندگی میں بھی وہ علمی و فکری مشاغل اور تدریس سے ایک لمحہ کیلئے بھی غافل نہ ہوئے۔ انہیں جہاں بھی ایک دو یا چھ آٹھ طلباء و علماء میسر ہوئے انہیں قرآنی علوم سے بہرہ ور کرنے کی زندگی بھر ذمہ داری سرانجام دیتے رہے۔

حکیم الاسلام مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے مختلف وقتوں میں جو شاگرد قرآن حکیم کی تفسیر سے مستفید ہوئے ان میں مولانا بشیر احمد لدھیانوی اور غازی خدا بخش منتخب سورتوں کو مُدوّن کر کے مختلف دور میں شایع کرتے رہے۔ ان سورتوں کا ایک مجموعہ قرآنی شعور انقلاب کے نام سے بھی شایع ہوا۔ اب ان تمام سورتوں کو اس مجموعہ تفاسیر میں شامل کیا گیا ہے۔ سورۃ سبا جس

کو استاذ العلماء علامہ غلام مصطفی قاسمیؒ نے مرتب کرنے کا کام کیا تھا اور سورۃ کوثر جس کو مولانا عبداللہ رحیم آبادی نے مدون کیا تھا ان کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی کابل کی سات سالہ جلاوطنی کے دوران اپنے رفیقِ خاص مولانا عبداللہ لغاری کو قرآن حکیم کی مکمل تفسیر 'المقام المحمود' کے نام سے املاء کرائی تھی، جس کا سورۃ النساء تک کا حصہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ حکمتِ قرآن انسٹیٹیوٹ کی طرف سے المقام المحمود کی مکمل اشاعت کے کام کا آغاز کیا گیا ہے، جس سے انشاءاللہ العزیز قرآنی علوم و حکمت کے گراں قدر خزانے قارئین کو حاصل ہوں گے۔

ابو الفضل نور احمد
ڈائریکٹر
حکمتِ قرآن انسٹیٹیوٹ
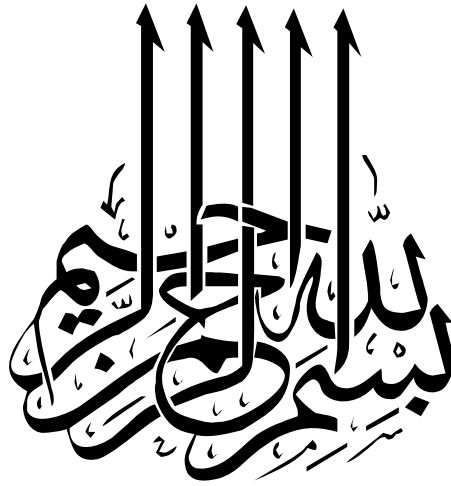
سورۃ الفاتحہ

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

یوں تو اس سورت کے بہت سے نام حدیثوں میں آئے ہیں، لیکن چند ایک بہت مشہور ہیں، مثلاً الفاتحہ، دیباچہ قرآن، اُمُّ الْکِتَاب (بنیادی تعلیم)، الاساس 'تعلیمات قرآنیہ کی بنیاد' سُورۃُ الدُّعاء - قرآن حکیم میں اسے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (۸۷:۱۵) (سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں)، کا نام دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول :

حضرت نبی اکرم ﷺ پر غار حرا میں سب سے پہلے یہ آیتیں نازل ہوئیں :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ (۹۶: ۱-۳)

(اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے، جس نے پیدا کیا انسان کو، خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔)

ان آیات کے نازل ہونے کے چند روز بعد ہی پوری سورہ فاتحہ مع بسم اللہ نازل ہوئی، اور یہ نماز کا ایسا لازم جزو قرار دی گئی کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

مضمون :

یہ سورت قرآن حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان اجتماع (Society) میں رہ کر ہی ترقی کر سکتا ہے، خود اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماع مل کر ایک انسانی برادری بن جائے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ترقی کن برادری ایک ہی فکر رکھنے والے لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اس فطری اصول کے خلاف چلیں وہ نہ صرف اس دنیا میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس ناکامی کی وجہ سے مرنے کے بعد کی زندگی (آخرت) میں بھی نامراد رہیں گے۔

قرآن حکیم انسان کی بلند ترین اجتماعی زندگی (Social Life) کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے سورۂ فاتحہ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانی فطرت کو سمجھنے والے اور اس کے مطابق کام کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے، ایسی جماعت انسانی اجتماع کے مرکز میں رہے گی اور اس اجتماع کی رہنمائی کرے گی۔

انسانی فطرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس فطرت کے سمجھنے کے لئے علم اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق اسی سے حاصل ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو دعاء کی شکل دی گئی ہے۔ جس میں انسانی ارادے اور ہمت کو بھی کچھ دخل حاصل ہے۔ یہ دعا بھی اجتماعی رنگ میں ہے۔

ربط

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دو درجے:

(۱) **قومی درجہ**: جیسے اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے، سب سے پہلے "سورۃ العلق" یا "اقرأ" نازل ہوئی۔ (مکتوبی شکل میں یہ سورۃ ۹۶ نمبر پر تیسویں پارے میں ہے) اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے درجے کا ذکر ہے۔ اسی درجے میں آپ ﷺ کا مقصد قریش اور ان کے ارد گرد بسنے والے عرب قبیلوں کی اصلاح تھا۔[1] یہ گویا آپ ﷺ کی نبوت کا قومی درجہ تھا۔

انسان اپنی قوم کو اپنے طبعی رشتوں یعنی ماں باپ کے ذریعے سے پھیلنے والے سلسلوں سے پہچانتا ہے۔ اگر وہ اپنے حسب و نسب کی کڑیوں کا دور تک تتبع کرے، تو وہ دیکھے گا کہ اس کے خاندان کے افراد ہی کے پھیلنے سے اس کی قوم کا اکثر حصہ بنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی سورت 'العلق' کا آغاز "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾" (۹۶۔۱۔۳)[2] سے کیا ہے، جس میں اس نے اپنے آپ کو انسان کے

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: (ا) اس امام کے لئے جو مختلف قوموں کو ایک فکر پر جمع کرے، چند اصول کار ضروری ہوں گے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا، اور اسی کے اخلاق کو ٹھیک کر کے ان کی حالت کی اصلاح کرے گا، پھر اسے اپنی تحریک کی اشاعت کے لئے آلہ کار بنائے گا، اور اس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کرے گا، وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دے گا، چنانچہ (سورۃ آل عمران کی اس آیت "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (تم امت کا بہترین حصہ ہو، جو تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو) کے یہی معنی ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ج ا ص ۱۱۸)

مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت، قریش اور ان کے ارد گرد کے قبیلوں کی اسلام لانے کا باعث بنی۔ پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے اور قریش اور عراق و شام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے، اور ان کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۷۲) (مرتب)

[2] پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھئے (اور جان لیجئے کہ) آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ (مرتب)

خالق اور پروردگار کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے۔

(۲) **بین الاقوامی درجه**: آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ "مِلّتِ حَنِیْفِیَة ابراهِیْمِیَّه" پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء "الفاتحہ" میں اپنے آپ کو "رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کی حیثیت سے شناخت کروایا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سورۂ بقرہ وغیرہ۔ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لئے بنیادی دستور حیات دیا گیا ہے، جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔

یہ سورت قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے، کہ آپ ﷺ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اور 'سورۃ العلق' کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے، کہ قومی درجہ جس کی طرف سورۃ العلق میں اشارہ ہے، بین الاقوامی عالمی درجے کے لئے بطور تمہید اور وسیلے کے تھا۔ اس لئے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :

اَلْاَنْبِیَآءُ قَبْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوْا یُبْعَثُوْنَ اِلٰی اَقْوَامِھِمْ خَاصَّةً.... وَبُعِثَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی کَافَّةِ النَّاسِ (حجة الله البالغه، ج۱، ص: ۱۲۴)

(یعنی نبی اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیاء گذرے ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔)

نیز فرماتے ہیں کہ :

"وَلَمَّا کَانَ الشَّرُّ السَّارِیْ فِیْ زَمَنِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ نِسْیَانُ التَّوْحِیْدِ نَزَلَ الْحَقُّ بِاِزَآئِہٖ بِاِشَاعَةِ التَّوْحِیْدِ وَتَوْلِیْدِ الْعِبَادَاتِ مِنْ طَھَارَةٍ وَصَلٰوةٍ وَزَکٰوةٍ وَحَجٍّ وَّصَوْمٍ وَذِکْرٍ وَلَمَّا کَانَ الشَّرُّ السَّارِیْ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھو اخْتِلَالُ الْمِلَلِ وَانْقِلَابُ الْاِرْتِفَاقَاتِ خَاصَّةً عَلٰی اَصْحَابِھَا وَکَانَ الْاَمْرُ اَشَدَّ وَاَقْسٰی نَزَلَ الْحَقُّ بِاِزَآئِہٖ بِالْجِھَادِ وَاِشَاعَةِ الْعِبَادَاتِ وَتَوْقِیْتِھَا وَالْقَضَآءِ بِزَوَالِ دَوْلَةِ الرُّوْمِ وَالْعَجَمِ وَانْتِظَامِ اَمْرِ النُّبُوَّةِ کَھَیْئَةِ الْاِرْتِفَاقِ الرَّابِعِ[1] (التفہیمات الاھیة، جلد اول ص: ۸۲-۸۳)

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نسیان توحید کا شر، معاشرۂ انسانی میں پھیل چکا تھا، اس لئے حق اس کے بالمقابل نازل ہوا، یعنی اشاعت توحید اور طہارت، صلوٰۃ، زکوۃ، روزوں اور ذکر الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل

[1] فَفَتَحَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَابًا مِنَ الْخَیْرِ لَمْ یُفْتَحْ قَبْلَہٗ وَانْتَظَمَتْ بِہٖ اُمَّةٌ مِنَ النَّاسِ ھِیَ خَیْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تفہیمات ۸۳-۸۲)

ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اقوام عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا، اور انکی ارتقاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا، اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کرگئی تھی اور یہ خرابیاں اقوام دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کرگئی تھیں، اس لئے اب حق ان ضرورتوں کے لئے نازل ہوا اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے، اور عبادات کی اشاعت کی جائے، ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کردیئے جائیں اور قضا و قدر نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کرکے ان کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لاکر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا، جو اس وقت تک نہ کھلا تھا اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعے سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظّم کی جو نوع انسانی کے لئے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی۔

حنیفیّت عالمی تحریک ہے:

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک عالمی تحریک ہے، صرف عربی تحریک نہیں ہے۔ عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی، اور اس کے ارتقاء کی ایک منزل۔ یہ عالمی تحریک اصل میں حنیفی تحریک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت کے مطابق کمال تک پہنچایا جائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق:

حنیفی تحریک میں ذھنی، عقلی، معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں، اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی، لیکن آج کل بعض لوگ دینی حرکت اور سیاسی حرکت میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دینی حرکت کو خیالی (Idealogical) تحریک کہتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔

سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (Realistic) تحریک قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک حنیفی تحریک کے بارے میں "دینی" اور "سیاسی" کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے، اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وجدانی (Unitary) چیز ہے، اسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اجتماعیت انسانی، کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاء میں تقسیم بھی کرلے، تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں، کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہل دین ایسے

خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کرلیں جو غیر محققانہ (Unscientific) ہوں، یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لے کر بیٹھ جائیں، اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے درپے ہو جاتا ہے، تاکہ ان میں ظلم دور کرکے انصاف و عدل قائم کرے، ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کررہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے، اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتے ہیں اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

دین کو سیاست کی ضرورت :

ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لئے مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے، جو اسے سیکھتے ہیں۔ اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party) بن جاتی ہے، جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو دوسرے لوگ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں، یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصور کرتے ہیں قوت کے ذریعے سے خراب کردیں تو کیا صحیح علم کے مالک کے لئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لئے قوت دفاع (Power of Defense) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لئے سیاست (Politics) اور حکومت (State) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْآرَاءِ الْكُلِّيَّةِ فِیْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَته وِاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّه فَرُ بَّمَالَمْ يُمْكِنْ ذٰلِكَ اِلاَّ بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتَلَاتٍ فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۵۰ طبع منیریہ مصر)

(جو لوگ انسانی معاشرے کی کلی اصلاح حال کے رنگ میں سوچتے ہیں ان پر واجب ہوتا ہے کہ اشاعت حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے کے لئے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لئے پوری پوری (جانی

مالی) کوشش کریں لیکن اکثر یہ کوشش صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہے کہ مخالفین حق کے خلاف نشر و اشاعت کی جائے اور قتال کیا جائے۔ اس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں۔)

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصے کی خدمت کے لئے اٹھے لیکن وہ اپنے آپ کو جامعہ انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ غلط ہوگا کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کلی قرار دے کر دوسری جماعت کے خلاف صف آرا ہو جائے اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی کہ وہ کلی تحریک کا انکار کر دے یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔

الغرض ائمۂ ادیان ہی اصل میں جامعہ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں۔ جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں وہ انبیاء سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہل سیاست اور اہل فلسفہ و حکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان ائمۂ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں وہ طبعی طور پر ان ائمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے[1] اور اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے، اور اہل سیاست و فلسفہ میں سے خدام انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے، وہ ائمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کا امام تسلیم نہیں کر سکتا۔

عام مؤرخین، بین الاقوامی تحریک کی ابتداء سکندر مقدونی (Alexander of Macedonia) سے کرتے ہیں، لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۲: ۱۲۴) "میں تجھے نوع انسانی کا امام بناؤں گا"۔ اور آپ نے دیکھا ان کی اولاد اس عالمی پیشوائی کے لئے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایسے ہی امام ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انہی کی تحریک کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتداء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کی اس لئے اس کی پہلی سورت میں "رَبُّ الۡعَالَمِیۡنَ" کا تصور دیا گیا ہے۔

---

[1] دین کی حقیقت سمجھنے کے لئے "حجۃ اللہ البالغہ" مصنف امام ولی اللہ دہلویؒ باب بیان اصل دین واحد والمناھج مختلفہ (ج ا) اور ابواب ما بعد پڑھنے چاہئیں۔ اور اجتماعیت کے سمجھنے کے لیے اس کتاب کے ابواب ارتفاقات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے، اور اس مطالعے کو "بدور بازغہ" مصنفہ امام صاحب کے مطالعے سے تقویت دینی چاہیے۔ (مرتب)

تفسیر سورۃ الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾

تشریح الفاظ :

حَمْدٌ: جو فعل کسی کے اپنے علم و اختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہو، اس کی حقیقی تعریف کرنا۔ (مدح۔ کسی ایسی چیز یا فعل کی تعریف جو اختیاری نہ ہو جیسے حسن کی تعریف۔ ثناء، بار بار خوبیاں بیان کرنا)۔

ال: یا تو جنس کے لئے ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد ہوگی حقیقی اور اصلی تعریف۔ یا استغراق کے لئے ہے۔ اس حالت میں اس سے مراد ہوگی "ہر قسم کی تعریف" اور "تمام تعریفیں"۔

ل: تخصیص کے لئے یعنی حقیقی حمد و تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

اللہ: اسم ذات ہے یعنی وہ پاک ذات "حَقِيْقَةُ الْحَقَائِقِ وَ وُجُوْدُ اَقْطٰى" جو ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گی۔ وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے، اور ہر ایک شے اسی سے اور اسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے، وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتا ہے، اور ارتقاء (Evolution) کی منزلیں طے کراتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام نہیں بلکہ اسم علم ہے۔ اگرچہ یہ غیر مشتق ہے، لیکن عربی زبان کی عام خوبی کے مطابق اس میں بھی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی اس لفظ میں جذب اور کشش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

چنانچہ عربی میں کہتے ہیں (ا) وَلَهَ الصَّبِيُّ اِلٰى اُمِّهٖ (بچہ گھبرا کر اپنی ماں کی طرف لپکا) وَلَهَتِ الْاُمُّ اِلٰى وَلَدِهَا (ماں کا دل اپنے بچے کی طرف کھنچ گیا) گویا اللہ وہ ذات ہے، جس کی طرف ہر شے بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کھنچتا ہے۔ وہی سب کا محبوب اور سب کی محبت کا مستحق ہے، کیونکہ وہی حسن اور احسان کا مرکز ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ: (مادہ 'رحم'، دل پگھلنا، شفقت) اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی جس کا تعلق تمام عالم (Cosmic Universe) کی تخلیق کے ساتھ ہے۔ بقول امام ولی اللہ دہلوی کائنات کا مادہ اسی تجلی سے وجود میں آیا۔ [1]

---

[1] سطعات۔ سطعہ سوم (مرتب)

الرَّحِيۡمِ : (مادہ 'رحم') اللہ تعالیٰ کی وہ تجلی یا صفت جس کا تعلق بندوں کے اعمال کی، دنیا اور آخرت میں جزا و سزا دینے سے ہے۔

رَبِّ : پرورش کرنے والا، اور تربیت کر کے تکمیل تک پہنچانے والا۔

الۡعٰلَمِيۡنَ : واحد : العالم (۱) جہاں، ساری دنیا (۲) مخلوقات کی تمام انواع (۳) اقوام

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ : (سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بہترین نظام :

یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے، اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، بہترین نظام ہے۔ اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لئے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہئے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمت انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے، لیکن بعض دوسرے حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے اگر وہ نہ بنا سکے تو یہ اس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بلند درجے کے حکماء کا قول ہے کہ اس کائنات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے، اور ایک دور اپنے پہلے دور کا نتیجہ ہوتا ہے، اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے، یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دور ہی کا ہو سکتا ہے، پچھلے اور آنے والے دوروں کا اسے علم نہیں ہو سکتا البتہ عقل سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے کہ چونکہ تعطل صفات الٰہی ناممکن ہے، اس لئے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہئے ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

اب اصل سوال لیجئے کہ کیا جو کچھ ہے اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "ہاں" اور "نہیں"۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے، وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دور سے

دوسرا دور بہتر ہونا ممکن ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا، وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دور میں جو چیز پیدا ہوئی ہے، وہ اس دور کی فطرت کے عین مطابق ہے اور اس دور میں اس سے بہتر ممکن نہیں۔ [1]

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سارے نظام میں موزون ہونے کے لئے اس سے بہتر چیز وجود میں آسکے۔ جو بہترین چیز اس نظامِ عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی وہ وجود میں آچکی۔ اس لئے فطرت انسانی میں، جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے، کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ اس لئے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظّم کیا جارہا ہے بہترین تعلیم ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے لائق حمد و ستائش ہے۔

جب یہ صاف ستھری معرفت اچھی طرح انسان کے دل میں جم جاتی ہے، تو وہ دین اسلام کو دل سے قبول کرلیتا ہے، اور اسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے، اگر یہ معرفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ آیئے اب اس آیت پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالیں۔

اچھی اور بری چیزیں:

دنیا میں دو قسم کی فکر رائج ہے۔

ایک فکر کے مطابق کوئی چیز اچھی ہے یا بری ہے، جو چیز اچھی ہے، وہ بنی ہی اچھی ہے، اور ہر ماحول میں اچھی ہی رہتی ہے، جو بری ہے وہ بنی ہی بری ہے، وہ اچھے ماحول میں بھی بری ہی رہتی ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں کوئی چیز بری نہیں ہے، وہ کسی ماحول میں بُری بن گئی ہے، اگر اس کا ماحول بدل دیا جائے تو وہ بُری نہیں رہے گی۔ [2]

---

[1] اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک کاریگر گھڑی بناتا ہے اس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس کے پرزے اس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ اس کی تخلیق کے مقصد کو بہترین انداز پر پورا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر وابستگی ممکن نہیں۔ اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور گھڑی بنانا ممکن نہیں ہے جو گھڑی اس سے بہتر بنے گی اس کے اپنے پرزوں میں سے ہر ایک پرزہ اس کے لئے بہترین ہوگا کیونکہ وہ اس گھڑی کے مقصد تخلیق کو بہترین طور پر پورا کرے گا۔ (مرتب)

[2] جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کرلیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کرلیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بری ہے ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی برائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لئے بنالیتی ہے کہ وہ اپنے بدلے ہوئے برے ماحول کی وجہ سے اپنے میں کسی برائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کرلیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کرلیتی ہے کہ بلا سے ماحول بگڑ گیا تو کیا ہوا ہم تو اچھے ہی ہیں وہ ان خوبیوں کی جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے قائل نہیں ہونا چاہتی، کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کرلے تو اسے اپنے برے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہیں۔ یہ ایک انقلاب ہے جس سے وہ عادی ہوچکی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ نظریہ انقلاب اس کے اندر نہ آئے اس کی حالت کا تغیر ناممکن ہوتا ہے۔ (مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

صحیح اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں۔ ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی اسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے تو کسی چیز کی اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت۔ اچھی چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کے موافق ہے اور بُری چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کی مخالف ہے۔ یہ ہے وہ اصول جو امام ولی اللہ دہلویؒ پیش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ :

فَكَذٰلِكَ لِلْبِرِّ سُنَنٌ اَلْهَمَهَا اللهُ تَعَالٰى فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤَيَّدِيْنَ بِالنُّوْرِ الْمَلَكِىِّ الْغَالِبِ عَلَيْهِمْ خُلُقُ الْفِطْرَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا اَلْهَمَ فِىْ قُلُوْبِ النَّحْلِ مَا يُصْلِحُ بِه مَعَاشَهَا فَجَرَوْا عَلَيْهَا وَاَخَذُوْا بِهَا وَاُرْشِدُوْا اِلَيْهَا وَحُثُّوْا عَلَيْهَا فَاقْتَدٰى بِهِمُ النَّاسُ وَالتَّفَقَ عَلَيْهَا اَهْلُ الْمِلَلِ جَمِيْعُهَا فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ عَلٰى تَبَاعُدِ بُلْدَانِهِمْ وَاخْتِلَافِ اَدْيَانِهِمْ بِحُكْمِ مُنَاسَبَةٍ فِطْرِيَّةٍ وَاقْتِضَاءٍ نَوْعِىٍّ (حجۃ اللہ البالغہ ج۔ا ص ۵۸)

(ایسے ہی اچھائی کی شکلیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان اشخاص کے دلوں میں بذریعہ الہام ڈالی ہیں جن کی ملکی نور مدد کرتا ہے، ان پر فطرتی خلق غالب ہوتا ہے، اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں وہ طریقے ڈالے گئے جن کے مطابق وہ معاشی زندگی بسر کرتی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے وہ طریقے اختیار کر لئے اور ان پر کام کرتے رہے اور دوسرے لوگوں کی بھی رہنمائی کرتے رہے، اور انہیں ان کے اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہے، پھر لوگوں نے ان کی پیروی شروع کر دی، اور اس طرح سب ملتوں کے لوگ کرۂ زمین کے مختلف خطوں میں بستیوں کے دور دور ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باوجود زندگی بسر کرنے کے لئے ان طریقوں پر متفق ہوگئے، اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان سب گروہوں کے افراد میں ایک فطری مناسبت موجود ہے، اور وہ سب ایک نوعی تقاضے سے متاثر ہوتے ہیں)۔ [1]

اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لئے بُری ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی اور مخلوق کے لئے اچھی ہو۔ [2]

ان دونوں اصولوں کے جمع کر لینے سے معلوم ہوا کہ کائنات میں کوئی شے بُری اور غیر مفید ہے ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک شے کسی نہ کسی لحاظ سے، کسی نہ کسی حالت میں، کسی نہ کسی مخلوق کے لئے مفید ہی ہے کوئی چیز بیکار اور فالتو نہیں۔ جو چیز وجود میں آئی ہے اس کا وجود میں آنا ضرور تھا۔ کائنات کو جو فائدہ اس شے سے حاصل ہوسکتا ہے وہ کسی

[1] اس موضوع کے مزید مطالعے کے لئے ملاحظہ ہو، حجۃ اللہ البالغہ (۱) باب انشقاق التکلیف من التقدیر (ص ۲۰) (۲) باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات (ص ۳۸) (۳) باب حقیقۃ السعادۃ وغیرہ (مرتب)

[2] جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) جو حیوانات کے تنفس کے لئے مضر ہے لیکن نباتات کے لئے مایۂ حیات ہے۔ (مرتب)

اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔[1] اس سے بہر حال ہر شے کو وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا پڑتی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

حمد الٰہی کے چار گوشے : انسان اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے، چار پہلوؤں میں سمجھ سکتا ہے۔

(۱) وہ رب العالمین ہے (۲) وہ الرحمٰن ہے

(۳) وہ الرحیم ہے، اور (۴) وہ مالک یوم الدین ہے۔

"رَبُّ الْعَالَمِیْنَ"

رَبٌّ : اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً نشو و نما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا (راغب)، انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں فنا ہو جائے۔ یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اس کے ذہن میں نہ آئے یہ انفرادی درجہ تکمیل ہے۔

اَلْعَالَمِیْنَ: یہ جمع ہے عالَم کی۔ اس کے تین معنی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں۔

(۲) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالم موالید (Organic World) عالم جمادات (Inorganic World)

(۳) مختلف انسانی اقوام (Groups)

"رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کے معنی : اس میں شک نہیں کہ تمام کمالات الٰہیہ مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں، اور ذات الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس سورت میں تیسری معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیت انسانی (Human Social Order) ہی رہا ہے اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لئے آتے ہیں۔[2]

---

[1] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ : "وَنَحْنُ نَعْلَمُ قَطْعاً اَنَّهٗ لَا یُوْجَدُ شَیْئاً اِلَّا وَهُوَاَحَقُّ اَنْ یُوْجَدَ" (حجۃ اللہ البالغہ ج۔۱ص ۱۷ص ۲۳) یعنی ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں جو شے وجود میں لائی جاتی ہے اس کا وجود میں لایا جانا ہی سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے (ورنہ وہ وجود میں لائی نہ جاتی)۔ (مرتب)

[2] انبیاء کی بعثت کی غرض، امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں : "اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جز بنالیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسان اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم مہمل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ان ارتفاقات کے ترک کردینے کا کبھی حکم نہیں دیا، وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہ اوسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۰۴) (مرتب)

خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لئے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل کریں۔ [1]

جب قرآن کریم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے تو اس سورت میں رب العالمین کے یہ معنی ہی زیادہ موزوں ہیں کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

"رَبُّ الاقوام":

بیشک انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے الٰہ (معبود و محبوب) کی حیثیت سے جانتا ہے اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے لیکن جب وہ عالمی تحریک شروع کرے تو اسے طبعی طور پر اپنے رب کو رب العالمین (رب الاقوام) کی حیثیت سے جاننا اور پہچاننا ہوگا یعنی اسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اپنا رب یا اس کے خاندان یا قبیلے ہی کا رب نہیں ہے بلکہ تمام اقوام عالم کا رب ہے۔ [2] اور تمام اقوام کو ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائے گا جس کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے۔ اس آگے پیچھے کرنے میں بھی حکمت ہے۔

حقیقت میں ہر ایک قوم انسانیت عامہ کا ایک حصہ ہے، لیکن اب ہر ایک نے اپنی زمین (Territory) اور اپنا آسمان (Airspace) الگ الگ کر لیا ہے۔ کسی قوم کو دوسری قوم کے زمین و آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے باوجود ان سب حصوں، قوموں میں بنیادی انسانیت موجود ہے، جس حصے میں انسانیت اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے وہ حصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے پیچھے دوسری اصناف بہ تدریج پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے وہ انسان کے دل و دماغ کو پالتا ہے تاکہ وہ اپنا مقصد حیات حاصل کرنا سیکھے، یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ، "کیا

---

[1] حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی غرض: امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمام ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا، ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بری حد تک پہنچ چکی تھی، اس لئے اب حق اس غرض سے نازل ہوا کہ جہاد (انقلاب) جاری کیا جائے۔ عبادات کی اشاعت کی جائے۔ اور انہیں اوقات معینہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا، اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (امہ) منظّم کی جو تمام انسانوں کے لئے بہترین جماعت تھی (تفہیمات الٰہیہ، ج۔۱، ص: ۸۳۔۸۲) (مرتب)

[2] ہر ایک قوم کی ہدایت کے لئے مختلف درجوں کے رہنمایانِ انسانیت پیدا ہوتے رہے۔ اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام مل کر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہیں (ا) مشرقی بلاک (Eastern Block) مغربی بلاک (Western Block) قرآن حکیم کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے۔ شرق و غرب (ا) کے اس اجتماع کے لئے کتاب عظیم کام دے گی۔ اس لئے یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کا تعارف "رب العلمین" کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ اس اجتماع انسانیت کی تکمیل کے بعد ہی یہ سمجھ میں آئے گا کہ اجتماع کامل کے درجے، قبائلیت، شعوبیت، قومیت، طے کرنے پڑتے ہیں وہ سب ضروری اور لابد تھے اور انسانیت سے یہ سب نہایت قابل تعریف طریقے سے طے کرائے گئے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (عبیداللہ سندھیؒ)

جائے'' انسان وہ اپنی مرضی سے کرنا سیکھے۔

انسان اپنی نوعی ترقی کے دوران میں مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آب و ہوا اور دیگر جغرافیائی حالات کے اختلاف سے انسانی نوع کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ تھلگ ہو گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہر ایک حصے کی بولی (زباں) بھی الگ الگ ہو گئی اور اس طرح مختلف علاقوں میں رہنے والے انسان جغرافیائی اور لسانی اختلافات کی وجہ سے مختلف قومیں بن گئے۔

جب قرآن حکیم آیا، یہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی تھی، اور انسانیت کی تکمیل کا دوسرا دور شروع ہونے والا تھا، جس میں مختلف قوموں کے درمیان میل جول بڑھے گا اور ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی انسانیت میں تین بنیادی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں۔

(۱) رائے کلی، یعنی انسانی اجتماع کی خدمت کا جذبہ، جس کی وجہ سے وہ اپنے اجتماع میں نظام صالح پیدا کرنے، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح کرنے اور حیات مابعد الممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کی تیاری کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنے اجتماع میں اپنی وجاہت قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲) حُبِ جمال، جس کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات میں افادے کے علاوہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۳) عقل و درایت: عقل انسان کو کسی چیز کی اشد ضرورت کا احساس دلاتی ہے، اور درایت اس مشکل کے حل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

انسانیت کے یہ تین خاصے اس کے بنیادی خاصے ہیں۔ یہ تینوں ہر ایک انسانی اجتماع میں پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اجتماع انسانی میں ارتفاقات معاشی اور ارتفاقات عقلی پیدا ہو گئے۔ ارتفاقات معاشیہ سے مراد، ان آلات وغیرہ کی ایجاد ہے جن سے انسان کی مادی زندگی کی مشکلات کم ہو جاتی ہیں، مثلاً گھریلو اشیاء۔ اور ارتفاقات عقلی سے مراد ان فکری مسائل کا حل ہے جو انسان کو اپنی زندگی کے دوران میں پیش آتے ہیں۔ مثلاً مادے کی حقیقت، کائنات کی ساخت، ریاضی کے مسائل، تاریخ کے مسائل وغیرہ۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول کے مطابق انسان کی شہری زندگی، قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی انسان کی اس ارتقائی ترقی کا نتیجہ ہیں۔[1]

"رَبُّ الْعَالَمِيْنَ": یعنی وہ نہ صرف افراد کی تربیت کرتا ہے، بلکہ انسانی اجتماعات (Group Life): خاندان، قبائل، شعوب، اقوام، بین الاقوامی اجتماعات کی بھی تربیت کرتا ہے۔ اس تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کو ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔

---

[1] ''حجۃ اللہ البالغہ'' جلد اول ابواب ارتفاقات اور ''بدور بازغہ'' ابواب ارتفاقات (مرتب)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر ایک انسانی اجتماع میں ایسے اہل عقل و درایت پیدا ہوتے رہے، جو انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تسکین کے لئے علم و حکمت معاشرے میں پھیلاتے رہے۔ یہ انبیاء کرام اور حکماء الٰہی تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ترقی کی نئی راہ کھولی، یعنی انسانی داخلی نفسی کیفیات پر زیادہ اور مستقل توجہ کرنا۔ اب دنیا کی قومیں اس راہ پر تیزی سے چلیں گی۔ اور ان میں یہ بات پیدا ہوتی جائے گی کہ مختلف اجتماعات ایک مرکزی نقطے پر جمع ہو سکیں۔ یہ بین الاقوامیت کا نیا دور ہوگا۔ جو سابق سیاسی بین الاقوامی اجتماعات سے زیادہ پائیدار ثابت ہوگا۔ اس اختراع فائقہ کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے سے کردی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی کا بلند ترین نقطہ ہے، جس پر وہ انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قرآن، ایک حکیم کو اس درجے تک پہچانا چاہتا ہے کہ وہ تمام انسانی کائنات کی حکمت سمجھ کر رب العالمین کو ہر لحاظ سے قابل تعریف سمجھے اور کہے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ -"

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو "رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ" کی حیثیت سے اس لئے بھی پیش کرتا ہے کہ وہ نوع انسان کو ایک بین الاقوامی آئین دینا چاہتا ہے۔ ایسا قانون کوئی ایک شخص یا قبیلہ یا قوم نہیں بنا سکتی۔ ایسا قانون "رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ" ہی بنا سکتا ہے، جو فطرت انسانی کا خالق ہے۔[1] اس بین الاقوامی قانون میں قومی قانون بھی آجائے گا۔ لیکن اسی قدر جس قدر وہ بین الاقوامی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔

نظام ربوبیت:

اللہ تعالیٰ نوع انسانی کا رب ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تربیت کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ جس طرح کائنات میں اس کی ربوبیت کا نظام ہر عیب سے پاک اور ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اسی طرح انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے اس نے جو دستور قرآن حکیم کی شکل میں دیا ہے وہ بھی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔[2]

[1] فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا (30:30) (مرتب)

[2] نوع انسان کی ربوبیت کے دو شعبے، امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نوع انسان کا رب ہے، اس کی ربوبیت کے دو شعبے ہیں۔

(۱) تکوین نوع انسان (۲) تشریع برائے نوع انسان (یعنی انسان کو پیدا کرنا اور اس کی رہنمائی اور زندگی کی تنظیم کے لئے اسے قوانین دینا، امام صاحبؒ ان دونوں باتوں کو درخت کی مثال سے واضح فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ایک درخت کا بیج بوتے ہیں، وہ بیج زمین میں سے پانی میں حل شدہ خوراک لیتا ہے اور کچھ غذا ہوا میں سے لیتا ہے اسی میں درخت کے نوعی تقاضے درجہ بدرجہ تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ درخت کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ درخت کے نوعی تقاضے خود اس بیج میں پوشیدہ تھے، وہی درخت کی صورت میں ظاہر ہوگئے اس کے پتے، پھول پھل، ذائقہ اور لکڑی کی خاصیتیں وغیرہ جن کے سبب سے ایک نوع کا درخت دوسری نوع کے درخت سے مختلف ہوتا ہے وہ سب اس بیج میں پوشیدہ طور پر پہلے سے موجود تھے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانیت کو نہایت اعلیٰ پیانے پر پیدا کیا ہے اسی طرح سے فرد انسانی کو بھی بہت بلند معیار پر تخلیق کیا ہے [1] اگر انسانیت کی تقسیم اقوام میں ہو اور ہر ایک قوم اپنے اندر ایسا نظام پیدا کرلے جس میں افراد کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے اور وہ پوری طرح سے ادا بھی ہوتے رہیں اور افراد اپنے فرائض اس زندہ احساس کے ساتھ ادا کرتے رہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہیں تو کسی کو انسانیت میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئے گی اور اس پروردگار کی تعریف کرنی پڑے گی جس نے انسانی اقوام اور افراد کو ایک نظام کے اندر پیدا کیا اور سب کی رہنمائی کے لئے قرآن حکیم جیسا دستور حیات عطا فرمایا۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانی معاشرہ ایسی طرز پر پیدا کر دیتا کہ اس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا جیسے باقی ساری کائنات ہے لیکن اس کی حکمت نے چاہا کہ انسان اپنی سمجھ اور ہمت سے اچھا نظام قائم کرے اس کے لئے اسے عقل دی اور عقل کی مزید رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیم السلام بھیج کر انسانی جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا۔ اب اس نے قرآن حکیم کی شکل میں بین الاقوامی دستور حیات بھیج دیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو انسانی معاشرے میں قرآن حکیم کے مطابق نظام پیدا کرنے اور چلانے میں اپنی پوری ہمت صرف کردے۔ [2]

ایسے ہی مادہ حیوان کے پیٹ میں جنہیں اس حیوان کے نوعی تقاضوں کے مطابق پرورش پاتا ہے اور نوع کے قویٰ ادراکیہ اور قویٰ عملیہ ظاہر ہوتے ہیں اور حیوان کی حرکات نفس ساعت بہ ساعت قوت سے فعل میں آتی رہتی ہیں۔ انسان کی بالکل یہی کیفیت ہے بلکہ اس کے جنین میں نوع انسانی کے خاص ارتفاقات اور نفی مجازات، سعادت و شقاوت نوعیہ وغیرہ سب ظاہر ہوتی ہیں گویا نوع کے احکام ہی افراد میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ "نوع" ایک قالب ہے وہ موثر بالذات نہیں، یعنی افراد پر اپنے ارادے سے اثر نہیں کرتا اور نہ وہی کسی تاثیر کا موجد حقیقی ہے، بلکہ جو حقیقی موجد تاثیر ہے یعنی خداوند تعالیٰ وہ قالب اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے جس طرح ایک ماہر سنگ تراش ایک خوبصورت مجسمہ گھڑتا ہے، تو وہ مجسمہ اصل میں سنگ تراش کی ذھنی تصویر کی شکل پر ہوتا ہے اسی طرح ہر ایک نوع کے احکام اور تقاضے حضرت واجب جل مجدہ کی ذات کے اقتضاء سے اس کے علم میں پوشیدہ تھے، ذات واجب میں یہ احکام تاثیر کی حیثیت میں تھے اور مخلوق میں یہی احکام تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انواع اور نوعی تقاضے پہلے واجب جل مجدہ کے علم میں آئے اس منزل کو لوح محفوظ کہتے ہیں، اس کے بعد وہاں سے ایک تجلی کے ذریعے سے ملاء اعلیٰ کے اذہان میں آئے جو حامل عرش تکوین ہیں۔ اس کے بعد جب حالات سازگار پیدا ہوگئے تو 'انسان مقدر' انسان خارجی کی شکل میں ظاہر ہوگیا۔ اس مرتبے میں ربوبیت کے دو شعبے ہوگئے شعبہ ان احکام کا ہے جو زمانے کی قیود سے بالاتر ہے۔ ان احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا، مثلاً انسان میں ضحک (ہنسی) نطق، ارتفاقات ضروریہ اور نیکی اور بدی کے اصول جو نوعی تقاضے انسانی افراد کو اسی طرح بذریعہ الہام پہنچاتے ہیں، جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو طبیعی الہام ان کی صورت نوعیہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسری ربوبیت ان احکام کے ذریعے سے ہوتی ہے کہ انسان ہر زمانے میں اپنی نوعی صورت سے مطابقت پیدا کرتا رہے اور نیکی اور بدی کے اصولوں کو ہر زمانے کے مناسب شکلوں میں اختیار کئے رکھے۔ (مرتب)

[1] لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا ہے) (التین 95:4) (مرتب)

[2] یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ رب العالمین صرف اقوام و افراد کی تربیت نہیں کرتا، بلکہ وہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والی تحریکات اور نظام ہائے ثقافت کی بھی تربیت کرتا ہے۔ چنانچہ ہر اذان کے بعد ہمیں جو دعا منگنی سکھائی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّه وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ الخ۔۔۔ اس میں دعوۃ (نماز کے لئے پکار) کی ربوبیت اور "الصلوۃ القائمہ" کی ربوبیت کی دعا مانگی گئی ہے یہ دعاء اس لئے سکھائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک عظیم الشان تحریک کے بانی اور ایک نظام کے قائم کرنے والے ہیں وہ مقام محمود حاصل کریں اس مقام محمود کا وعدہ آپ سے اس آیت میں کیا گیا ہے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (17:79) تیرا (رب عنقریب تجھے مقام محمود پر فائز فرمائے گا) مقام محمود قرآن حکیم کا بین

کائناتوں کا خالق :

اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بھی رب العلمین ہے کہ وہ تمام دنیاؤں کا خالق ہے۔ ❶

اس نے کروڑوں کائناتیں پیدا کر رکھی ہیں، ہر ایک کائنات پورے نظام کے ساتھ ایک جامع قانون کے تحت ترقی وارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ کائنات عظمیٰ کی ایک اہم مخلوق، انسان کو بغیر کسی رہنمائی اور دستور حیات کے چھوڑ دیتا؟ بڑی کائنات میں ایک ایک ذرہ قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ ساری کائنات میں کامل آہنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ ❷ کرۂ زمین پر ہر ایک نوع کی زندگی کے خاص قاعدے ہیں۔ وہی ان کی "شریعت" ہیں اور وہ اس شریعت کے تحت چل رہا ہے۔ یہ شریعت اس نوع حیوان کی فطرت کے تقاضے پوری کرتی ہے۔ انسان کی بھی ایک فطرت ہے اس کی رہنمائی کے لئے بھی ایک دستور حیات ہونا چاہئے۔ وہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطے اور دستور کے ذریعے سے تمام اقوام کو اپنی انسانی فطرت کی تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے۔

الاقوامی غلبہ عظیم ہی ہے۔ جو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو چکا ہے، جب بنی عباس نے بغداد میں بین الاقوامی مرکز قائم کیا اور پھر ہند میں مسلمانوں نے اسی قسم کا مرکز قائم کیا۔ لیکن اس کا ظہور کامل اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء کی قومیں لوائے محمدی کے نیچے آجائیں گی اور قرآن حکیم کے قانون کی فرمانبرداری کرنے لگیں گی۔ (مرتب)

❶ کائنات کی وسعت : کائنات عظمیٰ (سب سے بڑی کائنات جو تمام کائناتوں پر مشتمل ہے) اس میں ہمیں اپنی دوربینوں Telescopes کی مدد سے بیس لاکھ جزیرائی کائناتیں (Island Universes) دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی کائناتیں جو ہماری ناقص دوربینوں کی پہنچ سے باہر ہیں ان کی تعداد کروڑوں ہوگی ہم خود ایک جزیرائی کائنات" میں بستے ہیں جسے کہکشائی کائنات (Galaxtic Universe) کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے جو رات کو ہمیں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔

یہ جزیرائی کائناتیں سحابوں (Nebulac)[۱] کی شکل میں نظر آتی ہیں اور ہماری کہکشائی کائنات سے لاکھوں نوری سال[۲] کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ہمارا نظام شمسی (solar system) اس لمبے کہکشاں کے اندر ستاروں کے ایک جھرمٹ Star Cruster میں واقع ہے جس میں ایک اندازے کے مطابق 47 ہزار ملین (ملین = دس لاکھ) اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ ملین ستارے (سورج) لیں۔ Chapter I & ii Ctowther. J.G. An outline of Universe (مرتب)

❷ کائنات میں ہم آہنگی : قرآن حکیم کی سورت الملک میں آتا ہے کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝ (٦٧: ٣-٤) (یعنی کیا تجھے خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر، کہیں تجھے فتور دکھائی دیتا ہے، پھر لوٹا لوٹا کر دو دفعہ نگاہ دوڑا تیری نگاہ درماندہ ہو کر اور تھک ہار کر واپس آجائے گی اور کائنات میں کہیں کوئی فرق وفتور نہ پائے گی۔ ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب (مشیر سائنس برائے صدر پاکستان) نے کراچی یونیورسٹی میں ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو ایک لیکچر دیا جس کا عنوان مادے کے بنیادی ذرات (Fundamental Particles of Matter) تھا، اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں انتہا درجے کی یکسانیت اور موزونیت پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی فرق یا بے قاعدگی دکھائی نہیں دیتی۔ (مرتب)

(ذیلی حاشیہ) (۱) مادے کے روشن بادل :

(۲) ایک نوری سال (Light Year) سے وہ فاصلہ مراد ہے جو روشنی کی کرن ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے چلتی ہوئی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ پانچ کھرب اٹھاسی ارب میل سے زیادہ ہے۔ علم ہیئت میں ستاروں وغیرہ کے فاصلے اتنے لمبے شمار میں آتے ہیں کہ جلد ہی ہمارے ہند سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان فاصلوں کو میلوں میں ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان بے حد طویل فاصلوں کے ظاہر کرنے کے لئے نوری سال کو اکائی مان کر کہا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ دس نوری سال یا دس ہزار نوری یا دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرتب)

"اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ"

ان دونوں لفظوں کا مادہ 'رحم' ہے، جسے سب جانتے ہیں، یہ اس سلوک سے معلوم ہو سکتا ہے جو ماں باپ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کسی غزوے میں گرفتار ہو کر آئی، اس کا بچہ گم ہو گیا تھا، اس کے دل میں محبت کا جوش تھا کہ بچہ مل جاتا اسے سینے سے لگا لیتی، اور دودھ پلاتی! آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ "یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے؟" لوگوں نے عرض کیا "ہر گز نہیں!" فرمایا: "خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے"۔

ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک پرندہ مع اس کے بچوں کے چادر میں لپٹا ہوا لایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں ایک جھاڑی میں سے یہ بچے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لایا۔ اس کی ماں یہ دیکھ کر میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا کپڑا کھول دیا تو یہ فوراً بچوں پر گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی محبت پر تمہیں تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدرجہازیادہ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ایک سو حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہے، انسان کو انسان سے محبت ہے، حیوان کو حیوان سے محبت ہے۔

دنیا میں انسان کی تربیت ماں باپ کے ذریعے سے ہوتی ہے (دوسرے حیوانوں کی زندگی کا بھی عموماً یہی قاعدہ ہے) پھر ایک وقت آتا ہے کہ ماں باپ کی ضرورت نہیں رہتی، اور خود، کسی انسانی فرد کا ماں یا باپ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اولاد کے لئے ویسی ہی رحمت اور محبت اپنے اندر پاتا ہے جیسی اس کے ماں باپ خود اس کے لئے ظاہر کرتے تھے۔

دنیا میں جتنے "ماں باپ" آج تک ہو چکے ہوں یا قیامت تک ہوں گے (انسان کے ہوں یا حیوانوں کے) ان سب کی مہر پدری اور محبت مادری کو جمع کر کے اسے سوگنا کر لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے رحم کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے۔

رحمٰن اور رحیم:

ذرا غور کیا جائے تو باپ اور ماں کی محبت میں ایک طبعی فرق نظر آتا ہے۔ باپ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کمال

حاصل کرلے خواہ اولاد کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ ماں کی مامتا چاہتی ہے کہ اس کی اولاد کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو پہلو باپ کی محبت سے مشابہ ہے وہ رحمانیہ ہے، اور جو ماں کی محبت کی مانند ہے وہ رحیمیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت چاہتی ہے کہ انسان مشقتیں اٹھا کر بھی کمال کے درجے طے کرتا رہے، چنانچہ سورۃ رحمٰن میں آتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (۵۵: ۱-۲) (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا)

اب قرآن حکیم پڑھنا، پڑھانا اس کے اصول کی اشاعت کرنا، ان پر جماعت تیار کرنا اس کے دستور کو دوسرے دستوروں پر غالب کرنا اور اس کی حفاظت کے لئے لڑنا مرنا یہ سب رحمانیت کا تقاضا ہے۔

اس کی رحیمیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے محبوب بندے اپنے اعمال کے نتائج سے بہترین فائدے حاصل کریں، اور ہر قسم کی تکلیف، غم اور خوف سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ سورۃ الشعراء میں مومنوں اور کافروں کا تقابل کیا گیا ہے۔ کافروں کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہوں گے اور مومن پر رحم کیا جائے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرماتا ہے، یعنی "وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ" (۲۶:۹) (تیرا رب ہی عزیز اور رحیم ہے) گویا العزیز ہے بمقابلہ کفار جنہوں نے خدائے عزیز کی عزت کے خلاف کام کیا۔ یہ لوگ ضرور عذاب میں مبتلا ہونے چاہئیں۔ اور الرحیم ہے مومنوں کے ساتھ اس لئے وہ انہیں جنت میں جگہ دے گا، جہاں انہیں کوئی تکلیف اور زحمت نہ ہو گی۔ پس قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر آئے گا، وہ ان دو معنوں میں سے کسی معنی میں آئے گا اور اس کا مرجع یہ بنیادی آیت کریمہ ہو گی۔

بچہ ماں باپ کے بھروسے ہی پر ترقی کر سکتا ہے، جہاں ماں باپ کی قوتیں جو اب دیتی جائیں اور "اَلرَّحْمٰنَ" اور "اَلرَّحِیْمَ" پر انسان کا بھروسہ بڑھتا جائے وہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی انسانیت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے اور اس طرح انسانی فطرت کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

رحمت کی وسعت:

"اَلرَّحْمٰن" اور "الرَّحِیْمَ" کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے "رَبُّ العٰلمین" کی طاقت کا اندازہ لگاؤ۔

وہ تمام کائناتوں کو ارتقاء کی منزلوں سے گزار رہا ہے۔ وہ انسانی جماعتوں کے لئے ترقی کی راہیں کھولتا ہے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان کرتا ہے، اگر انسان اتنی وسیع طاقت کے مالک "رَبُّ الْعٰلَمِین" پر بھروسہ کرنا سیکھ لے جس کی محبت اور رحمت تمام دنیا کے ماں باپوں کی محبت سے سینکڑوں گنا وسیع ہے اور جس کی طاقت (تجلی) تمام کائناتوں کے گوشے گوشے تک پہنچتی ہے، تو انسان کی ترقی کی راہ میں کون سی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟

تمام کائناتوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہی سے ہوا ہے، ان کائناتوں کے اندر ارتقاء کے جو قوانین جاری ہیں، اور اس کی رحیمیت نے انسان کی راحت کے لئے جو سامان اس زندگی کے لئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے پیدا کر رکھے ہیں، ان کا جتنا علم انسان کو ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اس بات کا قائل ہوتا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم کے تمام کام ہر لحاظ سے قابل تعریف اور لائق ستائش ہیں۔

نوٹ: اس سورت کا 'رب العلمین' سورۃالناس کے 'رب الناس' ہی کا قائم مقام ہے۔

"مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"

نظام عدل کی ضرورت:

جنگل کے درختوں اور پودوں کو ربوبیت الٰہی غذا بہم پہنچاتی ہے، تو وہ نشوونما پاتے ہیں، اور بڑھتے بڑھتے ان کی شاخیں آپس میں پھنس جاتی ہیں، اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی مالی ہو جو انہیں الگ الگ کر دے اور ضرورت ہو تو چھانٹ ڈالے تاکہ وہ اپنے حلقے میں بڑھتے رہیں۔ یہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مختلف استعداد کے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی انفرادی فطرت کی تکمیل کرتی ہے تو طبعی طور پر ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، جب یہ اختلافات بڑھتے ہیں تو معاشرے (Society) میں ایک فرد دوسرے فرد پر ظلم کرنے لگتا ہے، اب جو شخص اس معاشرے کو باہر سے دیکھے گا وہ فرشتوں کی طرح یہی کہے گا "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ" (۲: ۳۰) (کیا تو کرہ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنی چاہتا ہے جو اسے خراب کرے اور خون ریزی کرے) لیکن جو شخص اسے اندر سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے ہر فعل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اسباب مسلسل چلا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے کے اندر سلسلہ ظلم وطغیان بھی سلسلہ اسباب سے خارج نہیں ہے، یہ انارکزم (Anarchism) نہیں ہے۔

انسانی معاشرے میں بعض اسباب کے زیر اثر ظلم وطغیان کا ظہور ہوا تو حکمت الٰہی نے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ انسان کٹ کٹ کر فنا ہو جائیں، بلکہ اس نے نظام عدل پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ انسان اپنی ترقی کے لئے جس

طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے جو اس کی ربوبیت کی تفسیر ہے، اسی طرح عدل حق کا بھی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور ملوکیت کا ترجمان ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ مالکیت اور ملوکیت سب سے زیادہ واضح شکل میں انسانی نظام ہی میں ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اس کی قدرت اور قہرمانی باقی تمام غیر ذی ارادہ اشیاء پر ان کے ارادے کے بغیر ہی قائم ہے، لیکن انسان خود اپنے ارادے اور فیصلے سے اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے! پس اس سورت کا "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" سورہ الناس کا "مَلِكِ النَّاس" ہی ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ معاشرۂ انسانی کے قیام و قوام اور ترقی کے لئے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے، وہ بادشاہت کے ذریعے سے قائم ہو یا عوامیت اور جمہوریت کے ذریعے سے قائم ہو۔ کسی طرح سے بھی ہو۔ [1]

---

[1] امام ولی اللہ اور نظام عدل: امام ولی اللہ دہلویؒ نظام عدل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(ا) ارتفاق ثالث، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اصول مذکورہ کے مطابق انسان کے لئے تمدنی زندگی لازم ہے کیونکہ حقیقت میں شہر سے مراد فصیل، منڈی اور بلند عمارات نہیں ہیں، بلکہ اس سے مختلف انسانی جماعتوں کے مابین ارتباط مراد ہے، اور اصول مذکورہ کی رو سے مختلف جماعتوں میں ارتباط پیدا ہو جانا طبعی طور پر لازم ہے۔ یہ تمام انسانی جماعتیں آپس کے معاونات اور معاملات کی وجہ سے ایک شخصیت پیدا کر لیتی ہیں، لیکن یہ شخصیت معنوی ہوتی ہے اور خارجی یا داخلی اسباب اس کی شخصیت میں صحت اور مرض کی حالت پیدا کرتے رہتے ہیں، لہٰذا شہر کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو حتی الامکان اس کی صحت قائم رکھے اور اگر مرض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کا معالجہ بھی کر سکے۔ امام مع اپنے کارندوں کے تمدن کا طبیب ہوتا ہے۔ (البدور البازغہ: ص: ۵، ص: ۱۸تا۵۱، ص: ۴)

(ب) ایک اور جگہ مدینہ (شہر) کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی شہر میں) البتہ ایک وحدت ہوتی ہے تو اس وحدت کا صحت کے ساتھ قائم رکھنا لازم ہے تاکہ تمدنی زندگی کے منافع کی تکمیل ہو سکے تو وہ تدبیر (نظام) جس سے صحت قائم رہتی ہے اور تکمیل منافع ہوتی رہتی ہے وہی حقیقت میں امام ہے وَلَيْسَ الْاِمَامُ عِنْدَنَا هُوَ شَخْصُ الْوَاحِدِ الْاِنْسَانِيْ (ہمارے نزدیک امام کوئی انسانی فرد نہیں ہوتا) البتہ اگر کوئی انسانی فرد شہر کا حاکم بن جائے اور وہ یہ نظام قائم کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہو گو وہ اپنی ذات سے آمر مطلق ہی کیوں نہ ہو اور شہری زندگی (اس کے عمل سے) پوری صلاحیت سے چلے تو اس لفظ کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے وہ بھی امام کہلا سکے گا۔ (ایضاً ص ۷۱۔۷۲)

(ج) شہری زندگی کی تنظیمی ضروریات پر بحث کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ مدینہ تامہ لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جانے اور ان کی طبیعتوں اور غرضوں کے اختلافات کی وجہ سے آراء کے اختلافات کے باعث کسی نظام کا قیام مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو نظام قائم کر سکے ایسا شخص جو مذکورہ بالا (پانچوں صفات) کا حامل ہو امام برحق ہوتا ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر اوقات جو امر واقع ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک شخص میں پائی گئی اور دوسری کسی میں اور باقی کسی اور میں۔ یہ مدینہ ناقصہ میں ہر ایک ضرورت کے لئے ایک رسم موجود ہوتی ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے یا ایک ایک پیشے کے لوگوں کا چوہدری ہوتا ہے جس کی رائے مانی جاتی ہے یا اِجْتِمَاعٌ مِنْ عُقَلَآءِ الْقَوْمِ وُمُبْرِيهِمْ (قوم کے عقلمندوں اور سربرآوردہ لوگوں کا اجتماع) ہوتا ہے جو نظام قائم رکھتا ہے۔ (ایضاً ص ۷۳۔۷۴) ایک اور جگہ (ایضاً ص ۱۸۱) عقلاء کی جگہ "حکماء" بھی فرماتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا کا رجحان اس طرح ہے چنانچہ پی۔اے سائرو کن ہاورڈ یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ

Three significant trends in the qualifications of the new governments are already observable. The first of these trends manifests itself in the rapidly increasing role of scientists and expert in the planning developing controlling and executing of an ever-increasing part of the important governing activities and policies." (Sorokin P.A. The Basic Trends of our Times. College and University Press. New Haven. Coun U.S.S. P.55.

نئی حکومتوں کے اوصاف میں تین معنی خیز رجحانات نمودار ہوتے صاف دکھائی دینے لگے ہیں، رجحان حکومتوں کی انتظامی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی منصوبہ بندی، تکمیل، نظم و نسق اور تعمیل و نفاذ میں حکماء (سائنسدانوں) اور (ہر شعبہ حیات کے) خصوصی ماہرین کی سرعت سے بڑھتی ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حصہ داری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

"انسانیت" ذمہ داری کا نام ہے :

انسان کی "انسانیت" میں اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ وہ ایک بات سمجھ لے اور پھر اسے عمل میں لائے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ اٹھائے۔ وہ اینٹ پتھر نہیں ہے کہ ہلایا تو ہل گیا ورنہ ساکن پڑا ہے۔

ہم اپنی روزانہ زندگی میں "نوکر" اور "غلام" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نوکر اور غلام خود سوچ کر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام نہیں کر سکتے، اس لئے ان پر "انسان" کا لفظ پوری طرح صادق نہیں آتا۔ اصل میں انسان کا ترجمہ حر (آزاد) ہے، یعنی وہ خود سوچ کر اپنی ذمہ داری سے کام کرتا ہے۔

اس جوہر حریت کو ترقی دینے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ انسان کو یقین دلایا جائے کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے اس کی ترقی کے تمام سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر وہ ان اسباب سے کام لے اور اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی ترقی کے لئے وسیع میدان موجود ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اسے سزا بھگتنی ہوگی، کیونکہ اس کے اعمال کے نتیجے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے "ہر ایک انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں گروی ہے"۔(۷۴:۳۸) اور وہ اس نتیجے سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس نتیجے سے آزاد نہیں کر سکتی۔

انسان میں یہ یقین جتنا زیادہ قوی ہوگا وہ اتنا ہی اعلیٰ درجے کا نظام پیدا کر لے گا اور اسے چلائے گا اور جتنے زیادہ انسانوں کو یہ یقین حاصل ہوگا اتنی ہی انسانیت ترقی کرے گی۔ جتنا یقین کمزور ہوگا اتنی ہی انسان کی انسانیت کمزور ہوگی۔ وہ کام کرے گا لیکن اپنے آپ کو اپنے کاموں کے نتیجوں کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا ایسا شخص انسان نہیں نرا حیوان ہے وہ جتنا ظلم کرے کر سکتا ہے۔

عمل اور اس کا نتیجہ :

امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فعل کی تکمیل سے پہلے اس کا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، جونہی اس کا فعل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، اس کا نتیجہ جزا یا سزا مرتب ہو جاتا ہے، گو کبھی کبھی وہ نتیجہ فی الفور ظاہر نہیں ہوتا۔ پس انسان اپنے تمام اعمال میں "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کا محتاج ہے جو اس کے اعمال کے نتائج مرتب کرے۔

دین کے معنی ہیں جزا۔ ہر ایک حرکت کا نتیجہ نکلنا ایک کائنات گیر قانون ہے، اس کے عمل کو نظام کلی (Universal) کہتے ہیں۔ اس نظام کلی کے تحت انسان کے اعمال کی جزاء (یا سزا) مرتب ہوتی ہے، اسے قانون مجازات بھی کہتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ، کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں بھی جزاءِ اعمال ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ چنانچہ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ (ج:۱) میں "مبحث کیفیۃ المجازاۃ فی الحیاۃ و بعد الممات" کے عنوان سے ایک مستقل بحث لکھی ہے۔

بقول امام صاحب قانون مجازات کی اصل (Basic Application) حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے، چنانچہ اگر حیوان ضرورت سے زیادہ چارہ کھالے تو اسے تخمہ (اپھارہ) ہو جاتا ہے، یا اگر زہریلی بوٹی کھا جائے تو سخت درد شکم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر درخت اپنی طبعی ضرورت سے زیادہ پانی جذب کرلے تو اس کا پھل خراب ہو جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کو نہایت ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے، اس لئے اس کے حق میں مجازات دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے، یعنی: قسم اول، ان افعال کے بارے میں جن کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ ہے جیسے زیادہ کھا جانے سے تخمہ (اپھارے) میں مبتلا ہو جانا، یا زہر کھا کر مر جانا یہ افعال جان بوجھ کر کئے جائیں یا غلطی سے سرزد ہوں، یا کسی کے جبر و اکراہ سے کرنے پڑیں، ان افعال کا اثر ضرور نکلتا ہے۔ ان افعال میں یہ شرط نہیں ہے کہ کرنے والے نے اپنے ارادے سے جان بوجھ کر کئے ہوں۔

قسم دوم، ان افعال کے بارے میں جو انسان کا نفس اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور اس کا نفس ناطقہ ان کا رنگ اپنے اندر لیتا ہے۔

امام صاحب جزاء کے چار موطن (Levels) قرار دیتے ہیں۔

(۱) اس دنیا میں (۲) عالم برزخ میں

(۳) عالم حشر میں اور (۴) مجازات اجتماعی یعنی نوع انسان کی کلی جزاء۔

اس موضوع پر امام صاحبؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں تفصیل سے لکھا ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے (دیکھے تفہیمات الٰہیہ)

یوم الدین کی ضرورت:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال کے نتائج مرتب کرنے اور اس کے کاموں کا بدلہ دینے کے مختلف قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی قاعدے کے مطابق دنیا یا آخرت میں اس کے عمل کا اچھا یا برا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرض کرو کہ بعض خاص حالات میں کسی شخص کو اپنے عمل یا اعمال کا بدلہ نہیں ملا۔ مثلاً سزا سے بچ گیا یا جزا پانے سے محروم رہ گیا، تو ضرورت ہے کہ ایک دن ایسا ہو جب اسے اس کے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا ملے

اسے 'یوم الدین' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس وسیع اور غیر محدود طاقت کے ساتھ تمام کائناتوں کا انتظام کرتا ہے اور تمام دنیا کی قوموں کی ترقی کے سامان بہم پہنچاتا ہے تو اسی وسیع اور لامحدود طاقت کے ساتھ ہر ایک انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس بھی کرے گا اس سے وہ مالک یوم الدین کہلاتا ہے۔ [1]

(۲) کسی انسان کا ایک فعل لمحوں میں تکمیل نہیں پاتا۔اس لئے ممکن ہے کہ اس کے عمل کا نتیجہ دنوں، ہفتوں، یا برسوں میں نکلے، لیکن اگر کوئی بہت بڑا اجتماع کوئی عمل کر رہا ہو تو وہ صدیوں سے پہلے تکمیل نہیں پا سکتا۔ اس کا نتیجہ بھی صدیوں ہی میں مرتب ہو سکتا ہے۔ اجتماعیت عامہ میں جس میں تمام اقوام اور ساری کی ساری انسانیت شریک ہو جو عمل ہو رہا ہے وہ انسانیت کے ساتھ ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور کرۂ زمین سے انسانیت ختم ہو جائے۔ کیا انسانیت عامہ کے نوعی اجتماعی کام کی جانچ (Assessment) کے لئے کوئی وقت نہیں ہونا چاہیۓ؟ جس طرح افراد انسانی اور چھوٹے انسانی اجتماعات کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوتا ہے، اسی طرح نوع انسانی کی اجمالی اور اجتماعی جانچ پڑتال بھی ہو گی یہ کام اللہ تعالیٰ نے "یوم الدین" پر اٹھا رکھا ہے۔ [2]

(۳) معاشرے میں بعض لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دیں لیکن یہ جزا دینے والے بھول چوک سے یا جان بوجھ کر غلطی کر جاتے ہیں، اس غلطی کا تدارک بعض اوقات اس دنیا میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک یوم الدین ہو جس میں حاکموں اور فیصلہ کرنے والوں کے غلط فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے اور لوگوں پر جو ظلم ہوا ہو اس کا تدارک کیا جائے، یہ بھی یوم الدین پر موقوف ہے۔

(۴) خدائے رحمان ورحیم انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اگر انسان ان کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسے ان سب نعمتوں کا حساب دینا ہو گا، تو وہ ہر موقع پر سوچ سمجھ کر کام کرے گا۔ اور کسی نعمت کو ضائع نہیں کرے گا، قرآن حکیم فرماتا ہے کہ : لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (۲: ۲۸۴) یعنی "آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر کرو یا چھپائے رکھو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے اور پھر آگے اس آیت کی تشریح میں تقریریں بناتے ہیں۔

---

[1] تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں یہی بات انسان کو سمجھانے کے لیے آئی ہیں۔ کبھی کسی نبی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے کبھی اس کے قائم مقام کے ذریعے سے جسے حکیم کہتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھی)

[2] سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (ہم عنقریب تم دونوں گروہوں کے لئے فارغ ہو جائیں گے) (الرحمٰن ۳۱: ۵۵) (مرتب)

کیا انہوں نے انسانیت اور اس کی ذمہ داری کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اتنی مخلوق پیدا کر کے انسان کو اپنا خلیفہ (نائب) کے طور پر ان سب پر حاکم بنایا ہے۔ کیا وہ "اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡنَ" کو اپنے نائب کی حیثیت سے حساب دینے سے انکار کرتے ہیں؟ تو گویا وہ انسان نہیں بننا چاہتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں: کہ آیت "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِيۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا" (۲:۲۸۶) آیت محاسبہ کی ناسخ ہے، حالانکہ ایسا نہیں وہ اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ تمام کام کی آیتوں کو بیکار بنا کر رکھ دیں، ہمارا فکر یہ ہے کہ ان لوگوں نے بچوں کو سکھانے کے لئے تفسیریں لکھیں تھیں (بڑی عمر کے لوگ تو زندگی کے تجربوں سے قرآن آسانی سے سیکھ لیتے ہیں) ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا ہے، اب ناسخ و منسوخ کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ سارا قرآن اصل اور قابل عمل ہے۔

حدیث شریف (مسلم) میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ ہر ایک انسان سے الگ الگ سوال و جواب کرے گا، اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ "میں نے تجھے رزق دیا تو نے مجھے روٹی نہ دی!"۔ بندہ کہے گا 'یا اللہ! تو، تو بھوک پیاس سے پاک ہے، تجھے روٹی کیا دیتا؟' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: "یہ عاجز بھوکا انسان تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے روٹی نہ دی، اگر اسے روٹی دے دیتا تو وہ مجھے پہنچ جاتی"۔ پھر جماعت سے سوال ہوگا کہ تم نے اس نبی کی بات کیوں نہ مانی؟ الغرض زندگی کی تمام نعمتوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

(الف) ایک نعمت ایک انسانی فرد کو دی گئی ہے، اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

(ب) ایک نعمت ایک جماعت (قوم) کو دی گئی ہے، اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

(ج) جو نعمتیں انسانیت عامہ کو دی گئی ہیں ان کا حساب ساری انسانیت کو دینا ہوگا۔

اس غرض کے لئے ساری انسانیت کا، میدان حشر میں جمع کیا جانا ضروری ہے، تاکہ سب کا انفرادی اور اجتماعی حساب لیا جائے۔ یہ حساب "يَوۡمُ الدِّيۡن" ہی کو ممکن ہے۔

انسان کو یہ بات کہ 'اسے خدا تعالیٰ کے روبرو جواب دینا ہوگا' اپنی زندگی کے تمام درجوں میں یاد رکھنی چاہئے۔

(د) اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کر کے، انسان کو اس کا حاکم بنا دیا ہے وہ ان سے کام لیتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے کیا "اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡن" اپنے نائب سے اس کی ذمہ داریوں کا حساب نہ لے گا؟ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے۔

مختصر یہ کہ انسانیت کی ترقی کے لئے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے جس کے تحت قانون مکافات پوری طرح

سے عمل کرے، لیکن اسے انسان کو موجودہ زندگی میں ایسے حالات اور قوانین کے تحت کام کرنا پڑتا ہے کہ ان قوانین کے طبعی تقاضوں کی وجہ سے قانون مکافات اپنا پورا عمل نہیں کر سکتا۔ [1]

اس لئے نہ افراد اور اقوام کے ظلموں کی پوری سزا مل سکتی ہے، نہ حاکموں کے ارادی اور غیر ارادی غلط فیصلوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ نیز افراد، اقوام اور انسانیت عامہ کے کام جاری رہتے ہیں، جن کا انجام اس وقت ہو گا جب نوع انسان کا خاتمہ ہو گا۔ ایسے ہی افراد، اقوام اور انسانیت عامہ کو جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کے استعمال کا حساب نوع انسان کے خاتمے ہی پر لیا جاسکتا ہے۔ یہ سب امور نوع انسانی کے اس دور کے خاتمے پر ایک یوم الدین کا تقاضا کرتے ہیں، جب پورا پورا حساب لیا جائے اور مکمل عدل کیا جائے۔ یہ دن ضرور آئے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ حساب لینے اور انصاف کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرے گا۔

یوم الدین پر ایمان کا فائدہ :

جب انسان یوم جزا کی معرفت پر پورا یقین کرلیتا ہے، تو وہ اس بات سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی حق مارا جائے گا یا وہ معاشرے کی خدمت کے لئے جو کام کرے گا جزا سے محروم رہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اگر اس حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق اس کے کسی عمل کی جزاء اسے دنیا میں نہیں مل سکی یا جو ظلم اس پر ہوا اس کی اصلاح نہیں ہو سکی تو "يَوْمُ الدِّين" پر اسے وہ جزا مل جائے گی اور اس روز اس کی پوری داد رسی کی جائے گی۔ اس امر کے کامل یقین ہی سے انسانیت کی تنظیم کی قوت قاہرہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر انسان کو آخری یوم جزا کا یقین نہ ہو یا وہ اسے تسلیم نہ کرتا ہو، تو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور ظلم کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس ذہنیت کے انسان کسی معاشرے میں اوپر آ جائیں تو وہ بے انتہا ظلم کر سکتے ہیں۔

غرض دنیا اور آخرت میں "مُجَازَاۃ" (اعمال کی جزا) کا جو سلسلہ کام کر رہا ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور اس تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اسے اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ، اَلرَّحِیْم اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف بخوبی کرا دیا۔ ان تمام

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ : جب ان اسباب میں جن پر فیصلے کا اجراء موقوف ہے طبعی طور پر تعارض پیدا ہو جائے اور اس فیصلے کے مطابق جو حالات پیدا ہونے چاہئیں ان کا کلی طور پر وجود میں لانا ممکن نہ ہو تو اس وقت حکمت الٰہی ان اشیاء کی رعایت کرتی ہے (یعنی ان اسباب کو کام کرنے دیتی ہے) جو خیر مطلق کے زیادہ قریب ہوں"۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۷، ص ۱۸) (مرتب)

صفتوں کا مرجع ذات واحد ہے جسے اللہ کہا گیا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کے نقطہ نگاہ سے نظر ڈالو اور فرد، خاندان، قوم، بین الاقوامی اجتماع اور انسانیت عامہ میں ان صفات کے ظہور و عمل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل و عمل میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور ان ذات والا صفات کی ہر لحاظ سے تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ان صفات کا تصور انسان میں اخبات کا گہرا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ!"

جب انسانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معین ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کا رب (پروردگار) ہے اور اس کی ربوبیت انسانی معاشرے میں ماں باپ کی ربوبیت جیسی لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور تمام جھگڑوں کو چکانے والا (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن) وہی ہے اور وہی مظلوموں کے حقوق ظالموں سے لے کر دے سکتا ہے، تو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی حکومت درکار ہے؟ اس حالت میں انسانیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت، حاکمیت، ملوکیت اور مالکیت کو قبول کر کے ترقی کر سکتی ہے۔

جب انسانیت اپنے آپ کو اللہ، "ربُّ العٰلمین" اور "ربُّ النَّاس" کے ساتھ باندھ لے، تو وہ کبھی حسرت میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہیں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے۔ گویا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزۃ کے سوا ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں اپنے سارے دل کے ساتھ، اپنی ساری عقل کی معرفت کے ساتھ اور اپنے اعضاء و جوارح کی پوری تابعداری کے ساتھ۔ اب کوئی غیر اللہ ہم سے اس قسم کی پیروی، اطاعت اور فرمانبرداری کی امید نہ رکھے۔

(ا) اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں)

ہم تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ تیری کتاب دستور۔ قرآن حکیم، کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کریں گے!

عبادۃ کیا ہے؟:

جب کوئی شخص قرآن حکیم کو بطور کتاب الٰہی تسلیم کر لے تو اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسے پڑھنے میں اتنی محنت کرے کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہے اب وہ اس کتاب عظیم کے کسی حکم کی تاویل کر کے اسے منسوخ کہہ کر ٹال نہیں سکتا وہ اس کے ہر ایک حکم کی خوشدلانہ تعمیل کرے گا یہی عبادۃ ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے "اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" (۷۵: ۱۷) امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہے کہ "صحابہ کرام نے جس طرح قرآن حکیم جمع کیا وہ گویا خداوند تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے" آگے آتا ہے "وَقُرْاٰنَهٗ" (یعنی ہم پر اس کا پڑھانا بھی واجب ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا جو قرآن کو سمجھ کر آگے لوگوں کو سمجھاتے رہیں گے۔ اگر الفاظ قرآن حکیم کے پڑھے جائیں اور مطلب اپنا، لیا جائے تو یہ قرآن پڑھنا نہیں ہوگا۔ جب ہم قرآن حکیم کے کسی لفظ، کسی حرف یا کسی شوشے کو نہیں بدلتے تو اس کے معنی کو کیوں بدلیں۔

"اِخْبَات اِلَی اللہ":

جب ساری کائنات میں ایک ہی اللہ کا قانون جاری ہے اور ہر ایک انسان اور ساری نوع انسانی اس کے آگے جوابدہ ہے تو کامیاب سوسائٹی وہی ہوگی جس میں اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا جائے، اسی سے محبت کی جائے اسی کے قانون کو تسلیم کیا جائے اور اس کی پابندی کی جائے اسے 'اخبات' کہتے ہیں۔

ہم اپنے ماں باپ، اپنے اساتذہ، روحانی مشائخ اور عادل حکام کی عزت کرتے ہیں، اور ان کے لئے اپنے دلوں میں عزت، محبت اور اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو "رَبٌّ"، "رَحْمٰنَ" "رَحِیْم" اور "مالك یَوْم الدین" تسلیم کر لینے کے بعد اخبات کے وہ تمام جذبات جو ہم ماں باپ، اساتذہ، مشائخ اور حکام کے لئے اپنے دل میں پاتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اب ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اور ان کی جو اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی محبت اور اس کی اطاعت کے نیچے آجاتی ہے۔ ہم ان سے محبت کریں گے۔ اور ان کی اطاعت کریں گے کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور کراتے ہیں۔ اب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف اس لئے ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کو عمل میں لائیں اور اس کے مقابلے میں اپنے نفس کی ہر ایک خواہش، ماں، باپ، عزیز و اقارب، دوست احباب کی ہر ایک خواہش، استاد اور مرشد اور حاکم کے ہر ایک حکم کو ٹھکرا دیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے ٹکرائے، کیونکہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام، اس کے بندے اور اس کے عبد بن چکے ہیں۔

یہ وعدہ کہ میں "تیری ہی بندگی کروں گا" بڑا ذمہ داری کا وعدہ ہے اس کا اقرار و اعلان کر دینے کے بعد انسان اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے اور اس کا بن چکنے کے بعد وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔

ہم خالص محبت کے ساتھ، دل کھول کر اور عقل کے ذریعے پوری معرفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، پوری خوشی و خرمی کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے حکموں کی پیروی میں لگا دیتے ہیں اور غیر

اللہ کو کسی معبودیت کا حقدار نہیں سمجھتے۔

گو عبودیت کے معنی واضح ہیں، لیکن بعض اوقات اس لفظ کے مجازی استعمال سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے معنی معین کر دیئے جائیں، چنانچہ ان معنوں کی تعین اس آیت کے اگلے حصے میں کر دی گئی ہے۔

(ب) "وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ہم نے جو ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنے کے لئے بہت سے سامان کی ضرورت ہو گی وہ ہم تجھ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے تجھ ہی سے مانگیں گے۔ ہمارے پاس کام کرنے والی سوسائٹیوں کی تاریخ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے خدا سے مانگا اور خدا نے انہیں دیا۔[1]

غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے :

جب کوئی جماعت قرآن حکیم کے اصول پر معاشرہ (سوسائٹی) تعمیر کرنے کے لئے اٹھے گی تو جو شخص یا جماعت اس انقلاب کو پسند نہیں کرتی، وہ کبھی اس انقلابی جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دے گی، مدد دینے کا تو کیا ذکر! اس لئے قرآنی انقلابی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

برعظیم ہند میں قرآنی اصول پر انقلاب لانے والی جماعت دو باتیں ہرگز قبول نہیں کرے گی۔

(۱) علمی سرمایہ داری (Brahmansim) اور (۲) معاشی سرمایہ داری (Cpaitalism)

جو لوگ قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھیں، انہیں صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کرنا ہو گا یہ بھروسہ جتنا مضبوط ہو گا اتنی ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جلد اور زیادہ مدد حاصل ہو گی۔

توحید اور حریت :

اگر کوئی شخص ہمیں اس انقلاب میں کچھ مدد دیتا ہے اور اسکی مدد سے وہ اس بات کا حقدار نہیں بن جاتا کہ ہم اللہ

---

[1] چنانچہ امیر المومنین سید احمد (شہید) ۱۸۲۱ء میں حج کو جانے لگے تو آپ کے پاس صرف سو روپے کے قریب رقم تھی روانگی کے وقت آپ نے وہ روپیہ بھی غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خالی ہاتھ گھر سے نکلے، حالانکہ آپ کے ساتھ چار سو سے اوپر لوگ تھے خدا کے بھروسے پر گھر سے نکلے۔ ایسے ہی کلکتے سے روانگی کے وقت آپ سارے بیڑے میں سے کمزور ترین جہاز میں سوار ہوئے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز کر دے گا" اللہ کے فضل سے سارے بیڑے کے ساتھ آپ کا جہاز بھی وقت پر جدہ پہنچا۔ (سیرۃ سید احمد شہیدؒ از سید ابوالحسن علی ندوی جلد اول، ص ۲۷۷ اور ص ۳۲۰)

تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس شخص کے حکم کی اطاعت کریں، تو ہم اس کی مدد کے لئے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور اس کی فیاضی کی تعریف بھی کر سکتے ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس کا کوئی حکم نہیں مان سکتے۔ اس لئے کہ اصل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ انہیں کسی ذریعے یا واسطے سے کسی دوسرے کو پہنچا دینا یہ حق پیدا نہیں کر دیتا کہ پہنچانے والے کی عبادۃ کی جائے۔ اگر وسائط کو ہماری بندگی کا حق حاصل ہو جائے تو انسانی معاشرے میں انارکی (نراج) پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ہر ایک "واسطہ" ہماری اطاعت کا طلبگار بن جائے گا اور ہم کسی کو بھی مطمئن نہیں کر سکیں گے۔ جب انسان یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور وہی اس کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے، تو وہ حاجت روائی کے لئے غیروں کے دروازوں پر سر نہیں جھکاتا۔ توحید کا یہی مطلب ہے اور انسانی حریت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم یوں سوچنے لگیں کہ ہماری کوئی حاجت غیر اللہ بھی پوری کر سکتا ہے، تو ہمیں ہر ایک معطی کا بندہ بن کر رہنا ہوگا اور ہماری فکر و عمل کی آزادی چھن جائے گی۔ گویا "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اصل میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا طبعی نتیجہ اور اس کی تشریح ہے پس کسی ترقی کن معاشرے کی بنیاد صرف اس اصول پر ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی حاجتیں پوری کرنے میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں۔

جب انسان اپنی ذمہ داری پر اپنی سوسائٹی پیدا کرنے کا ارادہ کرلے گا، ایسی سوسائٹی جس میں صرف انسانیت کے طبعی تقاضوں کے مطابق ضابطہ اور دستور جاری کرے گا، تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں مل سکے گی اور نہ اسے کسی اور سے مدد لینی ہی چاہیئے، اس لئے کہ ایسی سوسائٹی چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد قبول کی جائے گی تو لامحالہ وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اپنی غلامی کرائے گا جس سے انقلاب ختم ہو جائے گا، اور رجعت پسندی پیدا ہو جائے گی۔

آیات نمبر ۱ تا نمبر ۴ میں انسان اور اس کے خالق کی نسبت معین ہو گئی، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اقوام کا رب ہے۔ (رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ) اس کی ربوبیت ان میں اسی طرح سے عمل کرتی ہے جس طرح سے باپ اور ماں کی محبت اور شفقت اولاد پر عمل کرتی ہے (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) وہی رب ان کے تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ کرنے والا اور ان کے حقوق دلانے والا ہے (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ)۔ اب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس حاکم یا مالک کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

یہاں سورۂ فاتحہ کا نصف حصہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی آیات میں جامع دعا سکھائی جاتی ہے جو انسانیت عامہ کی سب سے بڑی اور جامع ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔

۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ یہ دعا ہے۔ اِھْدِ: یہ ھدایۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رہنمائی کرنا، یعنی جہاں پہنچنا ہے اس منزل کی راہ بتانا۔

دعاء کی حقیقت:

انسان کے ظاہری اعضاء میں علیحدہ علیحدہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔ ان قوتوں کو استعمال کرنا انسان کے لئے طبعی بات ہے۔ ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے، وہ اس کے لئے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے، مثلاً جس شخص کی آنکھیں صحیح سالم موجود ہیں اس کے لئے روشنی سے بھی فائدہ اٹھانا کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے یہ اس کی شخصیت کا جزء ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہر ایک عضو کی خاص قوت کو سوچ کر اپنے انا کا تصور بناتا ہے، چنانچہ جب انسان 'مَیں' (انا) کہتا ہے تو اس میں چلنے، پکڑنے، سننے، دیکھنے وغیرہ کی سب طاقتیں آجاتی ہیں۔ اسے کوئی تردد نہیں ہوتا کہ انسان سن نہیں سکتا یا پکڑ نہیں سکتا، کیونکہ وہ سب کیفیات اپنے اندر ہر وقت موجود پاتا ہے۔ جس شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے وہ اپنی شخصیت کو اس طاقت کے فوائد سے وابستہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اوروں میں اس طاقت کا ظہور و عمل اس کیلئے موجب حیرت ہوتا ہے۔ دماغی طور پر ترقی یافتہ انسان اپنے دماغی عمل سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ دنیا انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ [1] لیکن ان کے لئے وہ اعمال، فطرت انسانی سے باہر کی چیز نہیں ہوتے وہ انہیں اپنے 'انا' میں مستور پاتے ہیں۔

انسان میں ایک قوت ہے جسے ارادہ کہتے ہیں، اس کے استعمال سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں جو آنکھ یا کان کی قوت سے نہیں ہو سکتے۔ جب بدن کی طاقتیں ارادے سے متاثر ہو کر کام پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو اسے "ہمت" کہتے ہیں، یہ ارادہ اور ہمت [2] جس آدمی میں زیادہ ہوتے ہیں، وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اور جس میں نہیں ہوتے وہ ان کاموں کو انسانیت سے اجنبی چیز سمجھے تو تعجب نہیں۔

---

[1] مثلاً مارکونی اطالوی نے بغیر تار کے پیغامات بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا اور آئن سٹائن نے نظریہ اضافت پیش کیا جسے ابھی تک بہت کم حکماء پوری طرح سمجھ سکے ہیں۔ اس کے باوجود نظریہ اضافت سے مادے کے خواص کے متعلق جو نتائج نکلتے ہیں وہ تجربات سے صحیح نکلتے ہیں جیسے سورج گرہن کے وقت دورے سے آنے والی روشنی کی کرنوں کا سورج کے اثر سے انحراف وغیرہ (مرتب)

[2] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: "وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَعْمَالَ كُلَّهَا اَشْبَاحٌ وَاَرْوَاحُهَا هِمَّةُ الدَّاعِيْ وَالصِّفَةُ وَانْجِذَابُهٗ لِلْمَلٰئِكَةِ" یعنی دعا مانگنے کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ صرف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح دعا مانگنے والے کی ہمت ہے اور یہ صفت کہ وہ ملائکہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۰۰ ص ۴) (مرتب)

دعا کی پہلی اساس :

دعا سے مراد اس ارادے کا اظہار ہے جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کردیں گے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اس وقت ہم اپنے اللہ سے جو "رب"، "رحمٰن"، "رحیم"، اور "مالک و قادر" ہے درخواست کریں گے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستے سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے، یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

انسانی ارادہ کیسے کام کرتا ہے؟ اس کے عمل کا اصل منبع اور خزانہ حظیرۃالقدس ہے، اس سے ہر ایک انسان کا براہ راست تعلق ہے۔ جب انسانی ہمت حظیرۃالقدس تک پہنچ جاتی ہے تو وہ جو خیال بناتا ہے وہ خارج میں ظہور میں آجاتا ہے۔ انسانی ہمت کے حظیرۃالقدس تک پہنچ جانے کو شرعی اصطلاح میں دعاء کہتے ہیں، اور اس کے نتیجے کے نکلنے کا نام "استجابت" ہے۔ اور حظیرۃالقدس کے ساتھ تعلق کو "تعلق باللہ" کہتے ہیں۔

دعا کے لئے دو ضرورتیں :

حظیرۃالقدس سے تعلق رکھنے اور اپنا راستہ زیادہ صاف کرنے کے لئے دو چیزیں کام دیتی ہیں۔

(۱) دماغ میں اس منظر کا ہر وقت اپنے سامنے رکھنا یعنی دماغ کا ہر وقت حظیرۃالقدس کی طرف متوجہ رہنا۔ اس توجہ سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جیسے آسمان کی طرف دیکھنے سے سورج نظر آتا ہے۔ کسی انسان کی جس قدر توجہ زیادہ ہوتی ہے جو دماغ کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے اسی قدر اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے یعنی اس کی توجہ کا نتیجہ جلد نکلتا ہے۔

(۲) انسان کے بدن کا حیوانی نجاستوں سے صاف ہونا اور لباس اور جگہ کا پاک ہونا اور فکر اور ارادے میں کسی چھوٹی چیز کا دیر تک نہ ٹھہرنا۔ مثلاً بھوک لگی، کھانے کی خواہش پیدا ہوئی جو میسر آیا کھالیا۔ اس کے بعد اپنی بھوک کا تصور بھی نہ رہا۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن بڑی ضرورت تھی پوری ہوگئی اور اس کا تصوّر اور خیال جاتا رہا۔ لیکن چند بھوکے انسان ہیں ان کے لئے روٹی کا انتظام نہیں ہے، ان کے لئے ایک دن کا انتظام کردینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ اس کا انتظام سوچنے کے لئے کافی وقت اور توجہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو جب تک پورا نہ ہوجائے سامنے رہنا چاہئے۔

جس شخص کا تعلق حظیرۃالقدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاتا ہے۔ شرعی زبان میں اسے کہتے ہیں "اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے"۔ حظیرۃالقدس کا سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے، عام زبان میں یہ کہہ

دیناکافی ہے کہ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (وہ اللہ پر ایمان لے آیا)۔ جن لوگوں میں یہ طاقت نہیں ہے وہ اس طاقت کے نتائج کو انسانی فطرت سے اجنبی چیز سمجھتے ہیں۔ کبھی اسے کرامت کہہ دیتے ہیں کبھی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فاقد البصیرۃ لوگوں کی اصطلاحیں ہیں۔ ورنہ تمام نتائج جو انسان کی ہمت سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب انسان کی فطرت کا جز ہیں۔ اس سے باہر کی چیز نہیں ہیں۔ [1]

اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے :

اگر ایک آدمی قوت قلب کے ساتھ دعا مانگے اور اس کی کچھ قیمت (تاثیر کی مقدار) مقرر کرلی جائے اور دوسرا شخص اسی ہمت کا شریک دعا ہوجائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تاثیر یا قیمت بڑھتی جائے گی۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے جب ایک جماعت پیدا ہوجاتی ہے تو حظیرۃالقدس اُسے اپنا نمائندہ بنالیتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں کوئی فکر آیا اور 'وہ کام ہوا' ان کی زبان سے دعا نکلی اور 'وہ قبول ہوئی'!

دینی اور لادینی جماعتیں :

دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں، وہ انسانوں کی جماعت کے مل کر کرنے ہی سے ہوئے ہیں۔ ان جماعتوں کی پہلی تقسیم یہ ہوگی :

(۱) حظیرۃالقدس کو ماننے والے، اور

(۲) حظیرۃالقدس سے غافل

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر امور عادیہ ہی ہیں بایں معنی کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جب نفس ناطقہ کسب یا جبلت سے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ غیب کی باتیں اس پر کھل جاتی ہیں اور اس کی دعا قبول ہونے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ ایسے ہی سنت اللہ بھی جاری ہے کہ کوئی شخص جب تریاق کھالے اس پر سے زہر کا اثر جاتا رہتا ہے یا گوشت اور چربی خوب کھالے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے لیکن جو چیز جس طرح ہوتی نظر آتی ہے اس کے خلاف واقع ہوجانا خارق عادت کہلاتا ہے۔

نیز یہ بھی اس فقیر کو اطلاع دی گئی ہے کہ خوارق کی ہر ایک نوع ایک کسب ہے جب کوئی شخص اس کسب سے تمسک کرتا ہے تو وہ خارق اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل غرض.... جب کسی وجہ سے اپنی ہمتوں کو حظیرۃالقدس تک پہنچادیتے ہیں جیسے نماز استقاء کے لئے لوگوں کے اجتماع عظیم سے یا عرفات کے میدان میں رحمت کے نزول کی طلب کے لئے دعا تو یہ نظام عالم میں اثر انداز ہوتا ہے۔

پس جب قوی عزم والا شخص جو جبلت یا کسب کے ذریعے سے (حظیرۃالقدس کی) قوت متفرقہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے تو یہ عزیمت حظیرۃالقدس تک پہنچتی ہے اور وہاں کسی نہ کسی شکل میں تاثیر کرتی ہے جو اس ہمت اور اسباب موجودہ کے بقدر عالم مادی میں اثر کرتی ہے۔ (ہمعات، ہمہ ۲) (مرتب)

ان میں سے پہلی جماعت کی دعوت کتب الٰہیہ دیتی ہیں اور دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جنہیں ہم لادینی کہتے ہیں۔ اس آخر الذکر جماعت کے کام بھی ہوتے تو حظیرۃ القدس ہی کی طاقت سے ہیں، لیکن دماغی کمزوری کے باعث وہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے انہیں غافلین قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے لادینی لوگوں کی بہت سی جماعتوں کو بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔ ان کے عمل کا تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ کچھ غفلت برتتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خدا پرست، مذہبوں کے پابند، حظیرۃ القدس میں فنا حاصل کرنے کے مدعی ظاہر کرتے ہیں ان کی ہمت ان لادینی لوگوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اس لئے خدا پرست لوگ ناکام ہو رہے ہیں اور ان کے مقابلے میں لادینی لوگوں کی ہمت چونکہ ایک صحیح کام پر متوجہ ہو گئی ہے اس لئے وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہمت کی تاثیر کے لئے جو شرطیں ہیں وہ دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب تک ایک انسان اپنے مقصد پر اپنی جان و مال دینا منظور نہ کرے ہمت کا وہ نصاب پورا نہیں ہوتا جو حظیرۃ القدس تک پہنچ کر وہاں کی قوتوں کو حرکت میں لا سکتا ہے۔

دعا کی دوسری اساس:

دعا کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی جائے وہ ضرور ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حکمت الٰہی کے مطابق جس چیز کی جہاں ضرورت ہوتی ہے، وہاں وہ ضرور پیدا کر دی جاتی ہے، لیکن اس امر کا اظہار کہ کس چیز کی ضرورت ہے؟ ہم اپنے فیصلے (دعاء) سے خود کرتے ہیں۔
کبھی کبھی ہمارے فیصلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہماری طلب کردہ چیز پیدا نہیں کی جاتی۔ لیکن ہماری ذمہ شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے وہ چیز اللہ تعالیٰ سے بار بار مانگیں اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ چیز پیدا کرنا مناسب نہیں ہوتا تو آگے چل کر ہمیں بتا دیا جاتا ہے کہ اس چیز کا پیدا کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ اصول بہر کیف اپنی جگہ قائم رہے گا کہ ہم کوئی چیز اپنے ارادے اور فیصلے اظہار (دعاء) کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو وہ ہماری طلب اور ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب:

اس آیت "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے سلسلے میں دعا کی ان دونوں بنیادوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ٹیڑھے اور غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ یہ فیصلہ کر لینا انسان کا

بہت بڑا شرف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں غلطی ہوگی ہم اسے چھوڑتے جائیں گے۔ انسانیت کی ترقی کا یہی راستہ ہے، اس کے ساتھ ہی اس فیصلے کا اثر یہ بھی ہونا چاہئے کہ اپنی فطرت کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ جو چیز اس کے خلاف ہمیں دکھائی دے اس کا انکار کردیں۔

فائدہ: جب ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ "رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" ہماری تائید میں ہے، جو چیز ہم مانگتے ہیں وہ ضرور عطافرمادیتا ہے، تو ہم کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتے، مخالف طاقت کا ڈر دماغ سے نکال دیناہی کامیابی کا گُر ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی تو ہمیں اطمینان ہوگیا کہ ہمارا مخالف کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اس سے ہماری طبیعت میں اول درجے کی ہمت اور شجاعت پیدا ہوتی رہے گی اور جو چیز مانگتے ہیں اس کا عطا کرنا بھی مناسب ہے تو وہ چیز پیدا بھی کردی جائے گی۔

دعاء کا فائدہ:

جب انسان کے دل میں یہ خطرہ موجود ہو کہ مطلوب حاصل کرنے میں موانع ہیں، تو قوت عملی نشاط کھو بیٹھتی ہے، اور قوت ارادہ پورے زور کے ساتھ عمل نہیں کرتی اور نتیجہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا، لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اطمینان حاصل کرلیتے ہیں، تو ان کی قوت ارادہ تمام مظاہر عمل میں ابھرنے لگتی ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرت انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دعاء کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ فطرت سلیمہ ان کا انکار کرتی ہے ہم اپنی حکمت عملی میں دعا کو علت تامہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کسی عمل کے بروئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے۔

صراط مستقیم:

یہ دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے:

(ا) عقل و نظر کی روشنی میں، اور (۲) تاریخ و تجربے کی روشنی میں۔

(۱) صراط مستقیم عقل کی روشنی میں: عقل و نظر کی روشنی میں صراط مستقیم سے مراد ہے 'فطرت انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا۔'

جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے، تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے، گویا اسے ایک بھولی بسری چیز یاد دلائی گئی ہے، اس لئے جو علم انسان کو دیا جائے، جو اخلاق انسان کو سکھائے جائیں، اور سوسائٹی کا جو نظام اسے بتایا جائے وہ ایسا ہونا چاہئے کہ فطرت انسانی پکار اٹھے کہ یہ میری ہی چیز ہے جو مجھے بھولی ہوئی تھی۔

جب انسان کی فطرت سلیم ہو (یعنی بیمار نہ ہو) تو وہ اس تعلیم کی خوبیاں آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اس کی صحت اور بیماری کا اندازہ عام لوگوں کی حالت سے مقابلہ کر کے لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک انسان ایک چیز سے نفرت کرتا ہے لیکن عام لوگوں کو دیکھیں تو وہ اس سے نفرت نہیں کرتے، تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص بیمار ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی اصطلاح میں صراط مستقیم کی ہر چیز کو "معروف" کہا گیا ہے۔ یعنی سب کی جانی پہنچانی ہوئی چیز۔ اس کے برخلاف جس چیز کو انسان کی فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کر دے، قرآن حکیم اسے "منکر" کہتا ہے یعنی "وہ چیز جسے انسانی فطرت نہیں پہچانتی کہ یہ اس کی ہے"۔

جو سوسائٹی انسانی فطرت سلیمہ پر قائم کی جائے گی، وہ لامحالہ معروف کا حکم دے گی اور منکر سے روکے گی۔ اس تعلیم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغاز طفولیت میں اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہمیں سیدھی راہ، فطرت انسانی پر قائم رکھ!)۔[1]

اس دعا کا اجتماعی پہلو:

سیدھے راستے پر چلنا انسانیت کا تقاضا ہے، لیکن "اِهْدِنِیْ" (مجھے چلا) کی جگہ "اِهْدِنَا" (ہمیں چلا) کہنا ظاہر کرتا ہے، کہ ایک فرد انسانی اپنے طبعی تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ یہ تقاضے اعلیٰ درجے کے انسانوں کی سوسائٹی ہی میں پورے ہو سکتے ہیں۔

طلب ہدایت کی ضرورت:

ایک بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے، اس کا طبّی معائنہ ہوتا ہے اور تندرست پایا جاتا ہے، اب یہ کہا جائے گا کہ 'یہ بچہ تعلیمِ مدرسہ کی تکمیل کرنے کے قابل ہے'۔ یہ حالت انسان کے طبعی تقاضوں کی سلامتی کی مانند ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سو لڑکوں میں سے جو تندرستی کی حالت میں پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں کتنے ہوتے ہیں جو

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کی فطری ترقی کو چار منازل میں تقسیم کرتے ہیں: (۱) ارتفاق اول یعنی انسان کی زندگی جب وہ چھوٹے چھوٹے دیہات بسا کر رہتا تھا۔ (۲) ارتفاق دوم جب اس نے قصبے بسا کر رہنا شروع کیا۔ (۳) ارتفاق سوم جب اس نے حکومت کا نظام قائم کر لیا۔ (۴) ارتفاق چہارم جب مختلف قومیں مل کر ایک بین الاقوامی نظام قائم کر لیں۔ یہ ارتفاقات تہذیب نفس، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ اور خلافت کبریٰ (انٹرنیشنل سٹیٹ) پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کی صحیح شکل صراط مستقیم ہے۔ (مرتب)

کالج کی انتہائی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں؟ جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے وہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے ارد گرد جو قوتیں ان کے طبعی تقاضوں کے خلاف کام کر رہی ہیں، ان سے دب کر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں، اور تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ پاتے۔ کائنات میں انسان تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے گرد بہت سی چیزیں اور قوتیں ہیں، مثلاً جمادات، نباتات، حیوانات، جن، فرشتے وغیرہ، انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ اس کی طبیعت اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ [1]

عام مشاہدہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے عقلی تقاضوں ہی سے اثر نہیں لیتا رہتا، کبھی اس پر اس کے حیوانی جذبات بھی غالب آ جاتے ہیں۔ جو غذا وہ کھاتا ہے اور جس سوسائٹی میں وہ رہتا اور کام کرتا ہے اس سے بھی اس کی طبیعت اثر لیتی ہے، اس لئے اسے تعلیم کی ضرورت ہے لیکن تعلیم میں جبر کا دخل نہیں ہوتا، وہ صرف یہ بتا سکتی ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا کیا ہے جس کے مطابق اسے کام کرنا چاہئے۔ دعا کے نتیجے کے طور پر یہ رہنمائی انسان کو ملتی رہتی ہے۔ قرآن حکیم پر عمل کرنے والوں کو یہ رہنمائی کسی نہ کسی شق میں ملتی رہے گی اور جو لوگ قرآنی انقلاب کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے ان کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔

(٦) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا)۔ ہم نے جو سیدھا راستہ مانگا ہے یہ اس کی مزید تشریح ہے۔

صراط مستقیم تاریخ کی روشنی میں:

پچھلی آیت میں صراط مستقیم کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی، وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معین کر دی گئی ہے۔

مُنْعَمْ علیہ سوسائٹی:

انسان "مدنی الطبع" ہے وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا، اس کے فطری قویٰ کی تکمیل سوسائٹی کے اندر رہ کر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے قویٰ کی تکمیل کے لئے نمونہ، سوسائٹی ہی میں مل سکتا ہے اور اس کا نظام، نظریاتی (Ideology) اجتماع میں شامل ہوئے بغیر جائے گیر نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اس کی ارتقائی زندگی اجتماع کے بغیر

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول بَابٌ فِیْ اَسْبَابِ الْخُوَاطِرِ الْبَاعِثَةِ عَلَى الْاَعْمَالِ میں ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں طبعی ماحول، ملاءِ اعلیٰ اور شیاطین کے اثرات وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں طبعی ماحول سے مراد معاشی و معاشرتی ماحول ہے۔ (مرتب)

ترقی نہیں کر سکتی، چنانچہ اس آیت میں ایک سوسائٹی کی درخواست کی گئی ہے۔ جو ”اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ (انعام یافتہ لوگوں) کی ہے۔ جس اجتماع کے افراد کے فطری قویٰ کی ترقی کا سامان اللہ تعالیٰ بہم پہنچادے، وہ انعام یافتہ معاشرہ ہوتا ہے، اس کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ جو شخص اس جماعت میں منسلک ہو جائے وہی ”صراط مستقیم“ پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی تعیین اور سوسائٹی کی طلب انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو وہ خود لائق ملامت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے وہ خوراک یا پانی تلاش نہیں کرتا اور مر جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر آتی ہے اور وہ خود ہی لائق ملامت ہے۔

خدا تعالیٰ کا بہترین انعام یہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں اپنا حاکم ہو اور وہی اس سوسائٹی پر حکومت کرتا ہو، انسانی حریت انہی حالات میں قائم رہ سکتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسی سوسائٹی دی جائے جو اعلیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو۔ [1]

ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء :

قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے ”اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ (۴: ۶۹) (یعنی منعم علیہ، نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں)۔ اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) علمی اور (۲) عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو، تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہو سکتی، ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو کسی میں دوسری، اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں، اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہو سکتے ہیں۔

(۱) فاعلی اور (۲) انفعالی

(الف) **انبیاء**: جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیت کے بہت بلند درجے پر ہوں وہ منبع علم [2] سے براہ راست

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ انسانی معاشرے کی ترقی کی مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارتفاق رابع (بین الاقوامی نظام یا خلافت کبریٰ) کا ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ وجود میں آجاتا ہے اور ملک کا نظام نہایت اعلیٰ پیمانے پر درست کرلیتا ہے جابر سے جابر حاکم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں اور بادشاہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو تمت النعمۃ (نعمت الٰہی کامل) ہو جاتی ہے، گویا امام صاحبؒ کے نزدیک بین الاقوامی حکومت بلند ترین نعمت ہے جو کسی انسانی معاشرے کو مل سکتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ طبع منیریہ مصر ج۱ ص ۴۷)

[2] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرشتے مقرب ہیں وہ خدا اور انسان کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ (Medium) ہیں۔ ان کے اجتماعات بھی ہوتے ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ کہتے ہیں۔ انسانی اجتماع کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات پہلے اس ملاء اعلیٰ میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماع روح اعظم کے پاس ہوتا ہے تو اس کے انوار آپس میں مل جاتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ اس اجتماع میں بنی آدم کے لئے پروگرام طے ہوتے ہیں جن کا علم اس سارے زمانے کے سب سے پاک دل انسان کو بذریعہ الہام دیا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۱۶۱۵ ملخصاً) (مرتب)

علم حاصل کر سکتا ہے اسے نبی کہتے ہیں۔ یہ صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں۔

(ب) **صدیقین**: جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو وہ منبع علم سے براہ راست تو علم حاصل نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اسے صدیق کہتے ہیں۔

(ج) **شہداء**: جو لوگ قوت عملی میں بلند درجہ کے مالک ہوتے ہیں، لیکن صدیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں، اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں تو اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں۔ وہ شہید کہلاتے ہیں۔

(د) **صالحین**: جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں، لیکن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور عمر بھر امر حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں وہ صالح کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کن سوسائٹی میں ان چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہئے؟ ایسی سوسائٹی میں نبی بطور معلم کام کرتا ہے، وہ صدیق اور شہید پیدا کرتا ہے اور صالحین کو جمع کرتا ہے۔

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراط مستقیم پر چلیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنی چاہتے ہیں جس میں نبی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے اس میں صدیق ہوں جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنی جان و مال قربان کر سکتے ہیں۔ جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں خواہ انہیں جان دینی پڑے، جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] خیر القرون کی تشریح بقول امام ولی اللہؒ تاریخی طور پر اس قسم کی مکمل سوسائٹی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے پیدا کی اس سوسائٹی کی نسبت خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" (بہترین دور میرا دور ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس دور کے بعد آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے)۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قرن اول زمان آنحضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات، و قرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین، بعد ازاں اختلافہا پدید آمد و فتنہا آظاہر گروید (ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء مقصد اول ص ۱۲۱)

یعنی خیر القرون کا درجہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے، جو ہجرت سے وفات تک کا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم کا دور ہے اور تیسرا درجہ سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت تک کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور فتنوں نے سر اٹھایا۔

یہ خیر القرون (اپنے تینوں درجوں میں) رہتی دنیا تک ہر ایک ترقی کن معاشرے کے لئے نمونہ رہے گا۔ اس مکمل سوسائٹی کو قرآن حکیم "وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" (۹:۱۰۰) (سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار میں سے ہیں) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا ہے اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" (۴۸:۲۹) (محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی) میں معہ (اس کے ساتھ والے) میں اس جماعت مہاجرین و انصار کی طرف اشارہ ہے۔ مہاجرین اور انصار کے دور کے بعد جو لوگ ان کی پیروی کر کے ہر زمانے میں ایسے ہی معاشرے پیدا کرتے رہیں گے۔

(۷) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ :

(الف) اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

"مَغْضُوْبِ عَلَيْهِم" کون ہیں؟: انسانی زندگی تقسیم نہیں ہوسکتی، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل ہی عمل۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنا علم تو بڑھالیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی، وہ "مَغْضَوْب عَلَيْهِمْ" ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہچانتے ہیں اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں، اس کے باوجود وہ عمل کے لئے نہیں اٹھتے۔ جبکہ ہم ان سے پناہ مانگتے ہیں! وہ لفاظی کے ذریعے سے لمبے لمبے خواب سنائیں گے اور طرح طرح کے سنہرے باغ دکھائیں گے۔ سادہ مزاج انسان ان کی صحت اور غلطی کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے، ہم ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں "مَغْضَوْب عَلَيْهِمْ" کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی۔ ❶ جب اسلامی نظام موجود ہو تو جو شخص جہاد سے گھبرائیں، وہ اس شق میں آتے ہیں اور جب اسلامی نظام ٹوٹ گیا ہو اور جہاد کے

وہ "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" (۹: ۱۰۰) میں داخل ہوں گے اور وہ بھی معہ میں شامل ہوں گے۔ ان کے لئے خیر القرون نمونہ ہوگا اور وہ خود اپنے زمانے کے لئے نمونہ ہوں گے اور "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کا مصداق قرار پائیں گے۔

(ذیلی حاشیہ)

ا ۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا کہنا ہے کہ درجہ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کا زمانہ ہے اور دوسرا درجہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کوئی نیا کام نہیں کیا چنانچہ: (۱) خلافت کے نظم و نسق میں خلل آیا یعنی زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ مرکزی حکومت کو ادا کرنے سے انکار کر دیا تو انہیں مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔ (۲) جو مہم حضرت نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں بھیجنے کا اہتمام فرما رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے رک گئی تھی وہ روانہ کر دی۔ (۳) نبوت کے مدعیوں کا قلع قمع کیا۔ (۴) تقسیم معاش کا وہی اصول رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا یعنی ہر ایک خاندان کو بقدر ضرورت دینا اور مناصب اور اسلامی خدمات کی وجہ سے کمی بیشی نہ کرنا۔ (۵) جو وظیفہ اپنی ضروریات کے لئے بیت المال سے لیا تھا وہ وفات کے وقت واپس کر دیا یہ اول درجے کا دور ہے۔

سیدنا فاروق اعظم نے آگے چل کر اسلامی خدمات اور قرابت نبی اکرم ﷺ کی بنا پر وظائف میں کمی بیشی کر دی۔ لیکن اول تو انہوں نے اس تقسیم میں بھی عدل سے کام لیا اور جسے حساب کی رو سے جتنا حق پہنچتا تھا اتنا دے دیا۔ اس میں کسی وجہ سے رو رعایت نہیں کی دوسرے بعد میں اس کمی بیشی کے اصول کو جاری کرنے پر افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر میں اگلے سال انہی ایام میں زندہ رہ گیا تو یہ نیا قاعدہ بدل کر سیدنا ابو بکرؓ کا اصول عمل میں لاؤں گا لے کن وہ اپنی شہادت کی وجہ سے یہ اصول نہ بدل سکے۔ یہ دوسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کا دور تیسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیت المال سے اپنا حق پورا لینا شروع کر دیا تھا اگرچہ وہ اسے بھی اپنے حاجت مند عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اول درجے کے لوگ اسلامی حکومت پیدا کریں گے تو ان کے لئے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کا دور نمونہ ہوگا لیکن عام لوگ کثرت سے شامل ہوں گے تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور نمونہ ہوگا یا سیدنا عثمان غنیؓ کا دور قابل قبول ہوگا اس سے کم درجے کی کوئی حکومت نبوی طریق کی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ (مرتب)

❶ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں دہلی کے اکثر علماء اس کی مثال تھے۔ شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کے نام سے گھبراتے تھے وہ اسی ذیل میں آتے ہیں آج جو لوگ انقلاب کے نام سے گھبراتے ہیں وہ بھی اس مد میں داخل سمجھنے چاہئیں۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کی سوسائٹی کے معزز ممبر ہیں نہ امام ولی اللہ کی سوسائٹی کے آدمی ہیں۔ نہ مولانا شیخ الہند کے آدمی ہیں اور نہ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھیؒ)

لئے جس نظام کی ضرورت ہے وہ نہ رہے تو جو لوگ انقلاب کے ذریعے اس نظام کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہمت نہ بنائیں وہ بھی اسی شق میں داخل ہیں۔ جو علماء کہلا کر جہاد اور انقلاب سے بچنے کی کوشش کریں، وہ سب سے زیادہ اس شق میں شامل ہیں۔ ایسے نام نہاد علماء کو ختم کر دینا چاہئے۔ جب تک کسی انقلابی جماعت میں یہ بات نہیں آتی وہ قرآن کی حکومت پیدا نہیں کر سکتی۔

(ب) الضَّآلِّیْنَ

ضالین کون ہیں: یہ وہ لوگ ہیں، جن میں صحیح علم نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے لیکن عملی قوت بہت زیادہ ہے۔

ان کی مثال رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نصاریٰ[1] تھے۔ وہ مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے ہیں، لیکن رومی سلطنت جیسی وسیع سلطنت بھی چلاتے ہیں۔ انہیں مسیحؑ کو ابن اللہ ماننے کا نقصان یہ پہنچا کہ مسیحؑ کے درجے کے جو خدام انسانیت پیدا ہوئے ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ انسانیت میں گمراہی پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ اس سے زیادہ کیا تھے کہ اللہ تعالیٰ کے منعم علیہ بندے تھے۔ اور اس لئے انعمت علیہم سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اور لوگوں پر بھی انعام کئے ہیں، ان کا انکار کیوں؟ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

ہمارے زمانے میں جو علماء، قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں وہ "مَغْضَوْبِ عَلَیْھِمْ" کی زد میں آتے ہیں اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہیں وہ الضَّآلِّیْنَ کی شق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے اس کی ذمہ داری مت لو سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو وہ کرو ورنہ خاموش بیٹھو۔

ایسے ہی لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا، وہ بھی ضالین میں سے ہے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ، نے ہمارے زمانے کے لوگوں کے لئے قرآن سمجھنے کی تمام لفظی و معنوی دقتیں دور کر دی ہیں، اب اس کتاب عظیم کا سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔ اب بھی یہ کہنا کہ قرآن حکیم سمجھ میں نہیں آ سکتا پرلے درجے کی گمراہی (ضلالت) ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلك!)

اٰمین:

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے تو ہمیں اس کے ساتھ ملنے کی توفیق فرما، اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کے بعض مشائخ طریقت اور مولانا شیخ الہند کے زمانے میں جہاد کے مخالف یا اس کی اہمیت نہ سمجھنے والے ضالین میں داخل ہیں۔ ہمارے جو ساتھی انقلاب کو نہیں جانتے یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں اس کے اصول وہی ہیں جو امام ولی اللہ دہلویؒ نے خیر القرون سے لے کر مدون کئے ہیں۔ (عبید اللہ سندھیؒ)

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ارادے کے بغیر صراط مستقیم کی تعمیر ہو بھی نہیں سکتی۔

قرآن کا مقصد :

قرآن حکیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے، جو صراط مستقیم پر چلتی ہو۔ اس لئے وہ ہر شخص سے سورۂ فاتحہ کا اقرار کرانا چاہتا ہے۔ تاکہ ہر وقت اس کے ذہن میں رہے اور وہ اس امر کو ہر دم ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی زندگی کا مقصد اس قسم کی سوسائٹی پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

بینُ الاقوامی دعا :

قرآن حکیم عالمگیر اجتماعی تحریک کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس دعا میں جو عالمگیر اجتماعی تحریک کا عنوان ہے، قومی مقتضیات کا تعین نہیں کیا گیا۔

عقلی نظریات کے اعتبار سے لوگ مختلف طبقات کے ہوتے ہیں، گو سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے صراط مستقیم ایک قوم کے ذہن میں کسی شکل میں آتی ہے اور دوسری قوم کے ذہن میں کسی اور صورت میں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو دعا الہام فرمائی ہے وہ ان تمام تشخصات سے پاک ہے جو قومی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنی انسانی فطرت کے مطابق خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرلیتا ہے، اس کے لئے صراط مستقیم کی دعا کیا مشکل ہے؟

ایسے ہی صراط مستقیم کے عملی پہلو کی تعیین اور "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے ذریعے سے اس کی تفصیل میں کسی قوم کے بڑے آدمی کا نام نہیں لیا گیا۔ جو شخص سلامتی فطرت کے ساتھ اپنے رب پر اعتماد کرلیتا ہے، کیا وہ ان لوگوں کے اجتماع سے الگ رہ سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا؟

ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی جو شخصی، قومی، جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو، صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے، اس پر تمام اقوام جمع ہو کر آمین! کہہ سکتی ہیں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟ :

صلوٰۃ (نماز)، اصل میں اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے پورے ارادے اور اپنی ہمت کے ساتھ ملاء اعلیٰ کے

ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آنے والی تجلی الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسب حالات اسے دی جائے گی اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے، وہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرت سلیمہ کے تقاضے ہی صراط مستقیم ہے۔

اس لئے ملاءاعلیٰ میں تجلی الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ - صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یہ اصل چیز ہے، جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لئے نماز، گویا دعا مانگنے یا سورہ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے، طہارت اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں اور رکوع و سجود اس کے مکملات ہیں۔ اس کی روح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے۔

اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے، تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے۔ اس کے بعد رکوع و سجود اس دعا کے قبول ہونے کے لئے شکریے کے اظہار کے طور پر ہیں۔ ❶

اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ اهدنا کا یہی تقاضا ہے۔ ❷

❶ نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے معین فرمایا ہے۔ (عبیداللہ سندھی)

❷ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ" (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگئی ہے)

جب بندہ کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ" (میرے بندے نے میری ستائش و تعریف کی) پھر جب بندہ کہتا ہے: "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"

تو اللہ ارشاد فرماتا ہے ہے: "مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ" (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)

اور جب بندہ عرض کرتا ہے: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ" (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)

اور جب بندہ کہتا ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ" (یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے) (مرتب)

سورۃ سبا

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مرتب

استاذ العلماء علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو تمام شرائع کا مرکز بنایا ہے۔ انسانیت ایک ایسے قدرتی سر وسامان کا نام ہے، جسے انسان پیدائشی طور پر ساتھ لاتا ہے۔ اس جوہر کو پایہ تکمیل پر پہنچانے کے لئے مل جل کر کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور انسان کو مل کر کام کرنے کے لئے فطرت مجبور کرتی ہے۔ اگر کوئی حکیم یا نبی اجتماعیت کی تعلیم نہ دیتا، پھر بھی انسان اپنی فطرت کے تقاضا کی وجہ سے ایسا ہی کرتا۔

انسانیت کی تعریف تاریخ کی روشنی میں :

زبان ایک فطری اجتماعیت کا مرکز ہے۔ ایک زبان بولنے والے لوگوں میں فطری طور پر یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر انسان کی تہذیبی زندگی میں زبان انسانی اجتماعیت کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ قرآن مقدس میں مختلف زبانوں اور رنگوں پر غور کرنے کا حکم ہے، کیونکہ ان کے اندر خداوند قدوس کی بہت ساری نشانیاں ہیں۔ مختلف ملکوں کے لئے مختلف زبانیں، مخصوص فلسفہ اور مخصوص حکمت رہتی چلی آ رہی ہیں۔ اسلام جیسا بین الاقوامی مذہب ان حقائق کا انکار نہیں کرتا۔ یونان کی حکمت، جسے کافی شہرت حاصل ہے، اس کا بڑا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ قاہرہ حکمت یونانی کا ثانوی مرکز ہے۔ وہاں سے اس کا ایران سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ کو جب مسلمانوں نے فتح کیا تو اس حکمت یونانی کا عربی میں ترجمہ ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں اس نے پرورش پائی۔ اس طرز کی حکمت ہندوستان میں بھی موجود تھی۔ جس کا دوسرے ہزار سن میں فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ لیکن ہندوستانی حکمت سے ایسی نفرت پیدا کی گئی ہے کہ اسے نجس سمجھا گیا۔ کیا یونان کی حکمت اس لئے پاک تھی کہ اس کا عربی میں ترجمہ ہوا؟ اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم یونانی منطق اور فلسفہ کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کو سمجھ کر اس کا رد لکھیں! یا یہ کہا جاتا ہے کہ حکمت یونانی کے سمجھنے پر علم کلام (جو کہ فقہ کا حصہ ہے) کا دارومدار ہے۔ اگر اس عذر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ عذر ہندوستانی حکمت سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزنی میں جو فقہ مدون ہوئی اس کا مدار ہندوستانی حکمت پر ہے۔

ابوریحان بیرونی جو ایک بلند پایہ فیلسوف تھے، ہندوستان آتے ہیں اور یہاں کی ریاضی، فلاسافی، طب و ویدانیت کی حکمت سالہا سال تک پنڈتوں کے پاس رہ کر حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے ''کتاب الہند'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مستشرقین کے لئے ان علوم کو جمع کیا ہے جو خصوصی طور پر ہندوؤں کے پاس تھے۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہم عصر تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک محقق عالم سید غلام علی بلگرامی گذرے ہیں۔ انہوں نے بھی البیرونی کے طرز پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' ہے۔ اس کتاب میں خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ عربی لغت تمام زبانوں میں خصوصی امتیاز کی حامل ہے۔ اس میں اعلیٰ افکار آ جاتے ہیں۔ اسے ہر عام و خاص سمجھتا ہے۔ اس نکتہ کی تشریح میں پہلے ہزار سال کے پچھلے پانچ صد سالوں میں صرف اس بات پر زور تھا کہ قرآن مقدس کا اعجاز بلاغت سے متعلق ہے۔ اس انداز پر بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ ان میں ''کشاف'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علامہ زمخشری بلاغت کے بڑے امام ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری بصیرت اس پر صرف کی ہے کہ عربی زبان میں تمام زبانوں کے مقابلے میں زیادہ نازک قواعد ہیں۔ سید غلام علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ سنسکرت بھی اسی طرح وسیع زبان ہے۔ سید صاحب نے سنسکرت میں سے بلاغت کے چند نئے نکات لے کر انہیں عربی اشعار میں بیان کیا ہے۔ وہ دونوں زبانوں کا احترام کرتے ہیں۔

نکتہ :

عربی میں جس طرح واحد کے لئے علیحدہ، دو کے لئے علیحدہ اور جمع کے لئے الگ صیغے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح سنسکرت کے لئے بھی سید صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تینوں صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ دوسری کسی زبان میں اس طرح نہیں ہے۔ لیکن سنسکرت میں زائد بات یہ ہے کہ اس میں خنثیٰ (نر اور مادہ کا مشترک ہونا) کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح قدیم ایرانی زبان اور سنسکرت بھی ایک ہی چیز ہیں۔

جملہ معترضہ :

سید غلام علی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ ان کے قریبی عزیز و رشتہ دار سید مرتضیٰ زبیدی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''عقود الجواہر المنیفہ فی مسند امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ''۔ عام طور پر یہ ہوتا رہا ہے کہ مطبوعہ مسند کو لے کر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ کتاب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

بلکہ دوسرے چودہ علماء نے لکھی ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے ان مسانید میں سے ایک مسند کا انتخاب کیا ہے اور اس میں یہ شرط لکھی ہے کہ وہ، جو روایت پانچ صحیح کتابوں کے مطابق ہوگی، وہ اس میں شامل کریں گے۔ قدیم حنفی حدیث کی کتابوں کو ایک درجہ پر رکھ کر پھر حدیث کا حل لکھتے ہیں اور اپنے مذہب کی تائید میں کسی بھی حدیث کی کتاب سے ایک حدیث کو دوسری حدیث کے مقابلے میں رکھ کر تاویل وغیرہ کی مدد سے ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کتاب ابن ماجہ کو صحاح میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ کار کے مخالف ہیں۔ وہ ابن ماجہ کو صحاح میں شامل نہیں فرماتے بلکہ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو شامل کرتے ہیں اور اسے اصح الکتب بعد القرآن قرار دیتے ہیں۔ ابن ماجہ کا اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں حنفی مذہب کے اکثر مسائل کے موافق احادیث پائی جاتی ہیں۔ ❶

چشتی خاندان ہندوستان میں اسلام کا بانی ہے :

ہندوستان میں اسلام خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ قطب الدین شیخ شکر گنج خواجہ، نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر بزرگوں کی دعوتی طاقت پر قائم ہوا۔ ان بزرگوں کو پنڈتوں اور پروہتوں کے پاس بھی جانا پڑا، اور ان کے ساتھ بڑے علمی مناظرے بھی ہوئے۔ اخلاقی لحاظ سے ان کا کوئی مد مقابل ہی نہ تھا۔ چنانچہ ویدانت کے بنیادی مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی استدلال کی بناء پر جو اسلام کے لئے انہوں نے کام کیا وہ طریقہ بھی بڑا مفید رہا۔

بایزید بسطامی کے استاد ایک سندھی تھے :

سندھ کا ایک ہندو سندھ سے بغداد گیا۔ وہاں شیخ بایزید کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا۔ اس کا اسلامی نام ابو علی کنیتہ سے مشہور ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ الحمد للہ (سورہ فاتحہ) میں نے انہیں سکھائی اور توحید (وحدۃ الوجود) کے مسئلہ میں وہ میرے استاد ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) سکھایا ہے۔ وجودی تصوف جو اصل ہندوستان سے ملتا ہے، اسے مہذب طریقہ پر مسلم اولیاء نے پیش کیا۔ اس سلسلہ کو حضرت بایزید بسطامیؒ پر ختم سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کے درمیان میں شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ درمیان میں ایک دوسرے بزرگ بھی ہیں، جسے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں سومنات (مندر) کی طرف ساتھ

---

❶ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ حنفی مذہب پر زیادہ زور دیتے تھے۔ لیکن حدیث یا فقہ حنفی کو سمجھنے کے لئے امام شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر زور دیتے تھے۔ امام سندھی نے مذکورہ افکار کی تشریح اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' میں عمدہ انداز میں بیان فرمائی ہے۔ (مرتب)

لے گئے تھے۔ الغرض ہندوستان میں حکمت موجود تھی، چنانچہ غزنی وغیرہ میں ہندوستانی حکمت کا پہلے درجہ کا اثر ہے۔ دوسرے درجہ پر یونانی حکمت کا ہے۔ [1]

بڑی قوم کسے کہا جائے؟

جو قوم بھی انسانیت کے مرتبہ کی داعی ہے، (وہ اس بنا پر کہ) ان کے پاس اپنی زبان ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں اپنے آباؤاجداد سے اجتماعی سوشیالوجی کے کچھ طریقے ملے ہیں، یعنی تہذیبی طور پر تاریخی پسمنظر ہے، وہ بڑی قوم ہے۔ انسانیت کی خصوصیت زبان اور طبعی فکر ہے۔ زبان بڑی حکمت کی چیز ہے۔ یعنی آیات من آیات اللہ ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے سے انسانیت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بڑی قومیں جن کے پاس اپنی زبان اور اپنا اجتماعی فکر ہے سات ہیں۔

(۱) چینی بڑی قوم ہے۔ ان کے پاس اپنی زبان ہے۔
(۲) ہندوستان۔ ان کی اپنی ایک بڑی زبان ہے، جس کی آٹھ دس شاخیں ہیں۔
(۳) ایران۔ (افغانستان کا کچھ حصہ ایران سے لیا گیا ہے اور کچھ ہندوستان کا قومی طور پر ان میں شامل ہے)۔
(۴) بخارا۔ اسے توران بھی کہا جاتا ہے۔
(۵) عرب۔ ایک مستقل قوم ہے۔
مغرب میں دو بڑی قومیں ہیں۔
(۶) حبش۔ جنوب میں ہے۔
(۷) یونان شمال میں ہے، جسے فرنگستان بھی کہا جاتا تھا۔ اب اسے یورپ کہا جاتا ہے۔

انسانیت کی یہ سات بڑی سوسائٹیاں ہیں، جنہیں شاہ رفیع الدین ولد امام ولی اللہ نے ''تکمیل الاذہان'' میں بیان فرمایا ہے۔

بڑی قوم کا دعویٰ:

ہر بڑی قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری زبان مستقل ہے۔ ہمارا ایک اپنا فکر ہے، جو ہمیں آدم علیہ السلام سے ورثے میں ملا ہے۔ حتیٰ کہ ہر قوم یہ بھی کہتی ہے کہ آدم علیہ السلام ہمارے پاس آئے۔

---

[1] وحدۃ الوجود امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا بنیادی مسئلہ ہے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فلسفہ میں مسئلہ مذکورہ کو تجلی کے ذریعے اس طرح حل کیا ہے کہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

شرح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں۔ ہر ایک زمین پر آدم علیہ السلام ہے، آپ کے آدم علیہ السلام کی طرح۔ نوح علیہ السلام ہیں، آپ کے نوح علیہ السلام کی طرح۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے فرمایا کہ نبی کنبیکم ۔۔۔ یعنی آپ کے نبی کی طرح ان کے پاس نبی ہیں۔ مذکورہ حدیث کی شرح مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "تحذیر الناس" نامی کتاب میں لکھی ہے۔ مولانا عبدالحئ صاحب لکھنوی نے بھی تحریر کیا ہے۔ کئی ناسمجھ علماء نے ان بزرگوں پر مذکورہ حدیث کی بناء پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ تاآنکہ حدیث کے راویوں تک کو بھی کافر کہنے لگے۔ عالم مثال جسے یونان یا ہندوستان کے حکماء بھی مانتے ہیں، اس کے حوالے سے حدیث مذکورہ کا جواب آسان ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی کوئی نبی کریم ﷺ جیسا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں تبلیغ کی طرف رغبت کی خاطر کہا گیا ہے کہ ہر قوم اپنا دعویٰ رکھتی ہے کہ ہمارے پاس آدم علیہ السلام یا ان جیسے دوسرے مصلح آئے اور ہمارا مصلح اپنا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسلام کا انٹرنیشنل پروگرام لے کر دنیا میں تبلیغ کریں۔ قومیں آپ کی بات مانیں گی۔ اسلام ان تمام قوموں کے صحیح افکار کا جامع ہے۔ اس فکر کا دعویٰ تو وہ خود بخود کر رہے ہیں۔ سات زمینوں سے مراد مذکورہ سات قومیں لینا چاہئے۔

مذکورہ سورہ کی ایک آیت ہے۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (۲۸:۳۴) یعنی ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا یہ دوسرا درجہ ہے۔ پہلے درجے میں آپ ﷺ عرب کے سلسلہ کے رسول اور خاتم نبی ﷺ ہیں۔ یہ درجہ قومی رسالت کا تھا۔ دوسرے درجہ میں تمام انسانوں کے لئے رسول اور خاتم نبی ﷺ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے ان دونوں درجات کو حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں بیان فرمایا ہے۔

سورۃ سبا کا مطلب :

عام لوگوں کا خیال ہے کہ عرب ایک مستقل قوم نہیں ہے۔ وہ ایک خانہ بدوش اور بدو قوم ہے۔ ان کا بنیادی طور پر کوئی تمدن نہیں ہے۔ عرب بعد میں قوم بنی ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر قرآن مقدس حکمت سے بھرپور کتاب کا مخاطب انہیں کیوں بنایا جا رہا ہے؟ ایسے اور اس قسم کے دیگر سوالات اٹھتے ہیں۔ جن کے رد کے لئے یہاں عرب کی بڑی قوم ہونے کے ثبوت اور ان کے تمدن کا ذکر بیان ہوگا۔ عقل یہ کیونکر تسلیم کرے گی کہ جبکہ عربی زبان ایک

بڑی زبان ہے اور حکمت والی چیز ہے، تو اس کے بولنے والے حکمت سے خالی کیسے ہو سکتے ہیں؟ حجاز کے شمال میں شام ہے اور جنوب میں یمن ہے۔ سورۃ الایلاف میں ان کا ذکر ہے۔ شام بڑی تمدن کا مرکز ہے۔ اسرائیلی مرکز پورا شام میں ہے۔ ان کی زبان عبری ہے۔ عبری اور عربی ایک ماں کی دو بیٹیاں سمجھنی چاہئیں۔ گو کہ ان دونوں کا رسم الخط ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن تلفظ اور بولنے کا انداز ایک ہے۔ مثال کے طور پر عربی میں "جمل" ہے تو عبری میں "گیمل" آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یمن میں بھی مستقل تمدن ہے۔ عرب قوم کے قبائل کے دو جد امجد گذرے ہیں۔ ایک عدنان دوسرا قحطان۔ عدنان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ توراۃ مقدس میں ان کا بیان ہے۔ عدنانی قوموں نے اپنا مرکز شام کو بنایا۔ بنو امیہ کے زمانہ میں عبری قومیں اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ قحطان یمنی قوموں کے جد امجد ہیں۔ سبا یمنی قوم ہے۔ سبا بن یشعب بن یعرب بن قحطان کی اولاد میں ہیں۔ یمن ملک کی تمدنی لحاظ سے ایک مستقل تاریخ ہے۔ سبا قوم کی بھی ایک لمبی داستان ہے۔ یمن عرب کا بڑا متمدن علاقہ ہے۔ حجازی تحریک دونوں (شام اور یمن) کو جمع کرتی ہے۔ حجازیت دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ان کی مرکزی کمیٹی کو مہاجرین اور انصار کہا جاتا ہے۔ قرآن مقدس کے پہلے مخاطبین بھی وہی ہیں۔ امام ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "ازالۃ الخفاء" کی تحقیق کے مطابق قرآن حکیم جس زمانہ میں نازل ہوتا ہے، اس دور میں انسانی تاریخ دو مراکز میں بٹ گئی تھی۔ ایک کسریٰ اور دوسرا قیصر۔ کسریٰ ایران کے شہنشاہ تھے۔ ان کا مذہب مجوس تھا۔ قیصر روم کے شہنشاہ تھے۔ ان کا دین عیسائیت تھا۔ اس کے بعد شاہ صاحب دونوں کے عوارض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قرآن شریف کا اصل مطلب یہ تھا کہ شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے الٰہی قانون جاری کر دیا جائے۔ عوام پر سے بادشاہت کے مظالم کا خاتمہ کیا جائے۔ قرآن مقدس ان دونوں مراکز کی اصلاح کے توسط سے پوری دنیا کے اصلاح کا پروگرام بناتا ہے۔ اس بات کو ہم امام ولی اللہ کے لئے الہام مانتے ہیں۔ اس کا ذکر امام ولی اللہ سے پہلے کسی عالم دین نے نہیں کیا۔

مکہ مکرمہ کی سوسائٹی:

مذکورہ بالا علمی تحقیق کی رو سے مکہ مکرمہ کی سوسائٹی تین حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک جماعت کو تو قرآن شریف مشرکین کے نام سے ذکر کرتا ہے۔ ان کا طبعی رجحان و میلان کسریٰ کی طرف تھا۔ ان کے سردار ابوجہل تھے۔ اگر ان میں کوئی سیاسی خیال تھا اور یقیناً تھا تو یہ کہ وہ کسریٰ کی موافقت سے اپنا سیاسی غلبہ چاہتے تھے۔ دوسری طرف مکہ کی وہ جماعت تھی جو پہلے دین حنیفی کے پیروکار تھی اور بعد میں نصاریٰ کے دین کو اختیار کیا۔ جیسا کہ ورقہ

بن نوفل، جس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔ اس جماعت کا طبعی رجحان روم کی طرف تھا اور وہ ان کی موافقت سے ترقی کے خواہاں تھے۔ تیسری جماعت قریش کی تھی، جسے حنفاء کہا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیمی مسلک کو زندہ کرنے والے، اور نبی کریم ﷺ اس جماعت کے ایک فرد تھے۔ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی منتظر تھی۔ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے تو مذکورہ جماعت کے افراد جلد ہی اسلام کو قبول کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مشرکین اپنی گمراہی پر جمے رہے۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ اگر ایک بات مانیں گے تو عجمی آپ کے باجگذار ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ عجم پر غلبہ حاصل کریں گے۔ ابو جہل نے پوچھا کہ وہ کونسی بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لاالٰہ الااللہ۔۔۔ یعنی اللہ کے سوا دوسرا کوئی حاکم اور بادشاہ نہیں ہے۔ یہ کلمہ دین حنیفی کا عنوان تھا۔ مطلب یہ کہ اپنے آباء واجداد کے فکر سے رشتہ جوڑیں۔ کسریٰ وقیصر سے تعلق ختم کردیں۔ یہ بات ابو جہل کو پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس کا خیال یہ تھا کہ ہر ملک کا ایک الگ بادشاہ ہونا چاہئے اور اسے ملک میں مکمل اختیارات حاصل ہوں، جس کے ذریعہ ملک کو روندتا رہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا یعنی مختلف حکمرانوں کے بدلے ایک کو حکمران بناتا ہے۔

غرض کہ قرآن مقدس قیصر وکسریٰ کو شکست دے کر دنیا میں اپنا حکم جاری کرنا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم کی دو سورتوں عنکبوت اور روم میں خاص طور پر ایران اور روم کا ذکر آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مقدس کا اولین خطاب سمجھدار حنفاء سے ہے، جنہیں مہاجر کہا جاتا ہے۔ انصار بھی ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ مہاجرین اور انصار دونوں علمی نام ہیں۔ مہاجر یعنی قریش۔ وہ عراق سے شام میں آئے۔ قریش کا آبائی مرکز شام ہے۔ بیت المقدس اسحاق علیہ السلام کی مسجد ہے۔ قریش کا دوسرا مرکز مکۃ المکرمہ ہے۔ انصار یمنی قوم ہے۔[1] عرب قوم تو پہلے دیگر اقوام کی مانند ایک قوم ہے، جس کے پاس مستقل تمدن ہے۔ اس کے بعد تمام قوموں کا مرکز ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے اس سورۃ میں دو فصل رکھے گئے ہیں۔ ایک وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ والی آیت سے شروع ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اس میں شام کی عبری قوم کا ذکر ہے۔ دوسرا فصل لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں یمنی قوم کا ذکر ہے۔ سورۃ کے شروع میں عمومی اصول مذکور ہیں۔ اس کے بعد دونوں قوموں کا ذکر آئے گا۔

---

[1] انصار کی یمنی شناخت کیلئے مطالعہ کیجئے ''تاریخ الجامع اللطیف فی فضل مکہ واھلھا''۔ اس میں یمن کے بادشاہ تبع کا سیر کیلئے مدینہ منورہ میں آنا، خوارق عادات کا دیکھنا، اور چند حکما کا تبع سے الگ ہو کر مدینہ کو اپنا وطن بنانے کی تفصیل موجود ہے۔ (مرتب)

اہل یورپ کا دھوکہ :

یورپ کے مؤرخین جب عرب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں ''زہر آمیز مٹھاس'' کا کام لیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عرب بدو اور خانہ بدوش قوم تھے۔ نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) ایک ہوشیار اور چالاک تھے۔ انہیں جنت کا آسرا دیتے تھے۔ کسریٰ اور قیصر بھی آپس میں لڑ کر ضعیف ہو چکے تھے۔ عرب سے باہر کے لوگ مسلمانوں سے آملے اور اسلام لائے۔ چنانچہ ایک بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی۔ مذکورہ بالا خلاصہ اسلامیات کے نام سے شروع میں طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے۔ اس پر عام مسلمان فخر کرتے ہیں۔ جبکہ اہل یورپ کی یہ زبردست چالاکی ہے، جس میں مذمت کا پہلو غالب ہے۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عرب بذات خود ایک بڑی قوم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں جو دعوت دی اس میں جنگ نہیں تھی۔ ان کی پیدا کی ہوئی پارٹی کے لوگ تھے جو اسلام میں آکر سپاہی بنے۔ گویا کہ ایک مضبوط تنظیم پیدا ہو چکی تھی اور اس تنظیم کی طرف سے اطراف میں سوسائٹی میں تبدیلی کے پروگرام کی تشریح واشاعت کے لئے مبلغین کو بھیجا جاتا ہے۔ بالآخر مدینہ میں قریش نے حکومت پیدا کی اور انصار نے اسلامی سوسائٹی کی پرورش کی۔ اوپر مذکور ہے کہ انصار یمنی ہیں۔ تاریخی طور پر یمنی عربیت میں اصل ہیں۔ دنیا کی تمدن کی نشو وارتقاء میں ان کا کردار رہا ہے۔ دنیا میں سبا (یمنی قوم) نے ترقی کے لئے کیا کردار ادا کیا، اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں انصاری اور یمنی قوموں کو مجتمع کرنے والی قوم قریش ہے۔ اسے حکومت اور حکمت عملیوں کی تمام اہلیت حاصل تھی۔ قرآن حکیم جیسے بلاغت میں فائق مسلّم ہے، بعینہٖ اجتماعیت کی حکمت عملیوں کے متعلق بھی بے نظیر کتاب ہے۔ یہ بات امام ولی اللہ صاحب نے تشریح کے ساتھ بیان کی ہے۔

تفسیر سورہ سبا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ۝

(تعریف اُس خدا کے لئے ہے، جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اسی کی تعریف آخرت میں اور وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔)

یعنی تمام اشیاء پر اس احکم الحاکمین کا حکم حکمت اور قاعدہ کے ساتھ چلتا ہے۔ تعریف اور حمد اس لئے ہے کہ وہ آخرت میں (یعنی قوموں کے انجام پر) حکمت والا ہے۔ اور اس کی بھیجی ہوئی قرآن مقدس حکمت والی کتاب ہے۔ وہ ہر چیز کے اندر کے حال کو جانتا ہے کہ کن لوگوں میں یہ اہلیت ہے جو قرآن مقدس جیسی بین الاقوامی ہدایت و رہنمائی کی حامل کتاب کو لے کر دنیا کو ہدایت، امن اور عدل کا درس دیں گے۔ چنانچہ عربوں کی تمدن کا ذکر بھی یہاں آتا ہے۔ کسی دوسری قوم میں یہ صلاحیت نہ تھی۔

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ، (جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے۔)

اس سے مراد تخم، پانی، ہوا اور گرمی ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے ذریعہ انسانیت کے لئے جو نور آتا ہے وہ بھی مَا یَلِجُ میں شامل ہے۔

وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ (اور اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے)

حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے روزانہ آتے ہیں اور روزمرہ کی کیفیت خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ۝ (اور جو اس میں چڑھتا ہے اسے جانتا ہے اور وہ رحمت والا بخشنے والا ہے)

وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَةُ (اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔)

قرآن حکیم کی اصطلاح میں "کافر" کسے کہا جاتا ہے؟:

ہم نے کلمہ طیبہ کے معنی بتلائے ہیں کہ بادشاہ اور حکمران خداوند قدوس کے علاوہ کوئی نہیں۔ چنانچہ جو لوگ خدا کے مقرر کردہ قوانین کی بادشاہت قبول نہیں کرتے اور اپنے بادشاہوں کو خدا بنا لیتے ہیں، وہ کافر ہیں اور حساب

کے بھی منکر ہیں۔ کیونکہ حساب کے انکار کا نتیجہ اس کی بادشاہت کا انکار ہے۔ درحقیقت اللہ پاک جو حکمران ہے، اس کے حکم سے، اس کے بنائے ہوئے قوانین سے پوری دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ وہ روزانہ حساب لیتا ہے۔ دستور ہے کہ لینے دینے کا کھاتہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن آخرت کا حساب ہر حال میں ہر ایک کو دینا ہے۔ فیصلے کا آخری دن قیامت کا دن ہے۔

ساعۃ کے معنی :

عام طور پر مفسرین ساعۃ سے مراد قیامت کا لمحہ لیتے ہیں۔ درحقیقت ساعۃ کا لفظ عمومی ہے۔ قیامت اور انقلاب کا لمحہ دونوں کو ساعۃ کہا جاسکتا ہے۔ عام مفسرین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ساعۃ کے معنی صحابہ کی روایت سے کی جاتی ہے جو کہ قیامۃ ہے۔ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے دور میں انقلاب آ چکا تھا اور وہ قیامت کے انتظار میں تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دونوں معنی مراد تھیں۔ کسی قوم سے جو انسانی قافلہ کو فلاح کی طرف لیجانے میں ناکام ہوچکی ہے، بادشاہی چھین لینا بھی حساب ہے، جسے انقلاب کہا جاتا ہے۔

قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾

(کہو کہ کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی، وہ ضرور تم پر آئے گی۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں۔ نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی۔ مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے معافی ہے اور عزت والی روزی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کی، ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہے اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ، اس چیز کو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں، کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تو پھر تم کو نئے سرے سے بننا ہے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کس طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہی عذاب میں اور دور کی گمراہی

میں مبتلا ہیں۔)

غرض کہ منکروں کے لئے آخرت میں صرف عذاب ہی نہیں بلکہ لاعلمی کی مصیبت بھی ان ہی کے سر پر ہے۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

(تو کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمانوں سے ٹکڑا گرادیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو متوجہ ہونے والا ہو۔)

اس آیت کا مطلب ہے ان لوگوں کو سمجھانا جو آخرت کا انکار کرتے ہیں اور بڑے انقلاب کو نہیں مانتے۔ تذکیر (تشریح) بھی ایسی چیز کے ذریعہ کی جاتی ہے جسے وہ روزانہ دیکھتے رہتے ہیں اور وہ ان کی نظروں سے کبھی غائب اور اوجھل نہیں ہوتی۔ آسمان سے مراد بادل ہیں، جن سے بجلیاں گرانے کی بات کی گئی ہے۔

آیت کے معنی:

آیت یا نشانی ایک قاعدہ ہے۔ یہاں اس کی ایک جزوی مثال ذکر کرتے ہیں تا کہ عام لوگوں کے لئے قاعدہ کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ قرآن حکیم میں اس کی رعایت کی گئی ہے، کیونکہ امیین سے خطاب ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک نور رکھا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ احساس کرتا ہے اور چیزوں کو جانتا ہے۔ آسمان سے جتنی بھی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اسے بجلی کی طرح سمجھیں۔ ظالم بادشاہ بھی ایک مصیبت ہے۔ مثال کے طور پر زمین کے پھٹ جانے کا ذکر ہوا ہے۔ گھر کی تمام مصیبتیں (جیسا کہ فاقہ، بیماری، آپس میں جھگڑا اور نااتفاقی) یہ تمام زمین کی مصیبتوں میں آجاتی ہیں۔ ایک مصیبت ایسی ہے جسے زمین و آسمان دونوں کی مصیبت کہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے لئے یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ الہامی اور اقوام عالم کیلئے ہدایت کی کتاب ہے، لیکن اسے نہ سمجھا جائے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ ایک عمومی مصیبت ہے۔

جملہ معترضہ:

ایک دفعہ کراچی میں آریہ سماجیوں سے مناظرہ ہوا۔ جس میں آریہ سماجیوں کی طرف سے دیانند کا دوست آیا ہوا تھا اور مسلمانوں کی طرف سے دیوبند اور امرتسر کے علماء آئے ہوئے تھے۔ ان میں مولانا ثناء اللہ صاحب خاص

طور قابل ذکر ہیں۔ آریوں کی طرف سے اعتراض پیش ہوا کہ قرآن حکیم میں توحید کا بھی ذکر ہے۔ لیکن گھریلو واقعات (قوانین) اس میں زیادہ مذکور ہیں۔ اس طرح ہمیں انگریزی خواندہ نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملاتو ان کی طرف سے یہ سوال پیش ہوتا رہا کہ قرآن مقدس میں توحید ہے، لیکن سیاست کا ذکر نہیں۔ کئی بار ناسمجھ علماء بھی ان کے اس خیال سے متفق نظر آئے۔ کیونکہ انہیں پچھلی تفاسیر میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دونوں سوالات حل کر دیئے۔ قرآن حکیم میں تفصیلی مسائل دو ہیں۔ ایک توحید اور دوسری معاشرت۔ بنی نوع انسان ان دونوں مسائل سے وابستہ ہے۔ نماز کا مسئلہ حالانکہ بہت بڑا اور اہم ہے۔ لیکن قرآن پاک میں اس کی تفصیلات نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی تفصیل بتلادی۔

فرمایا۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ (حدیث)۔ یعنی جیسے میں نماز پڑھتا ہوں، آپ بھی اسی طرح پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جیسے آخرت کی بہتری کے لئے احکامات مذکور ہیں، اسی طرح دنیا کی بہتری کے لئے بھی سیاست کے اصولوں سے قرآن حکیم بھرپور ہے۔ عورتوں اور مردوں کے متعلق احکامات بھی معاشرت سمجھانے کے لئے ہیں۔ محض توحید سے تو آپ ذکر اذکار جان لیں گے اور ذکر سے معاش تو نہیں کما سکتے۔ قرآن حکیم دنیا پر حکمرانی کا درس دیتا ہے۔ اس لئے پہلے گھریلو انتظام کی سمجھ بوجھ ضروری ہے، جسے تدبیر مترل کہا جاتا ہے۔ جو آدمی گھر کی حکومت نہیں چلا سکتا، وہ ملک کیسے چلائے گا؟! لھٰذا گھریلو مسائل کا ذکر بھی الہامی بین الاقوامی کتاب میں ضروری ہے۔

آگے چل کر دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔ اس کے ساتھ مذکورہ بالا مضمون کا ربط یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان السلام کی بڑی بادشاہت قائم تھی، لیکن آخر میں ان کے بیٹوں کے مظالم کی وجہ سے اتنی بڑی بادشاہت تباہ ہوگئی۔ یہ حساب اور انقلاب نہیں تو اور کیا ہے؟ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا۔ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی۔ یعنی بنی اسرائیل میں اسے بڑھایا گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝

(اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی۔ اے پہاڑو! تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو۔ اور اسی طرح پرندوں کو حکم دیا اور ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا۔)

بنی اسرائیل کا مختصر قصہ :

بنی اسرائیل مصر میں فرعون کی غلامی میں رہتے تھے اور فرعون ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ

نے انہیں ترقی دلانے اور فرعون کے ظلم اور غلامی سے آزاد کرانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندوں کی آل میں سے ہیں، کیوں فرعون کے ظلم برداشت کرتے اور اس کے غلامی میں رہتے ہیں؟ یہ تمام مصیبت آپ لوگوں پر اس لئے نازل ہوئی کہ آپ نے فرعون کو بادشاہ اور خدا بنالیا ہے۔ آپ اللہ پاک کو حاکم اور بادشاہ مانیں اور اس کے حکم کی پیروی کریں۔ فرعون کے حکم کو ٹھکرادیں تو آپ پر سے یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔

بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی بات مان گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر فرعون کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ فرعون تباہ ہوا اور بنی اسرائیل آزاد ہوئے اور بیت المقدس میں پہنچے۔ یہ نیل اور فرات کے درمیان ایک ملک ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے اس غیر آباد علاقہ میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر کے درمیان ہی میں انتقال فرمایا۔ بنی اسرائیل رفتہ رفتہ اور علاقے بھی فتح کرتے رہے، تاآنکہ داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے طالوت کی بادشاہت بطور نمونہ تھی۔ تابوت بنوا کر اس میں توراۃ کو مسجد میں رکھا گیا۔ اس میں سے تھوڑا تھوڑا سا حصہ لکھ کر پڑھتے تھے۔ لوگ اپنے تمام اختلافات کا قاضیوں کے پاس جاکر تصفیہ کرواتے تھے۔ تمام مقدمات اس طرح حل کئے جاتے تھے۔ کوئی بھی بادشاہ نہ تھا اور اگر کوئی حکم نہیں مانتا تھا تو اس کے اوپر عذاب الٰہی نازل ہوتا تھا۔ یعنی موت وغیرہ۔ جب انہیں کئی صدیاں اسی طرح بیت گئیں اور انہیں غیروں کے حملہ کا خوف پیدا ہوا کہ غیروں کے حملہ سے قاضیوں کی حکومت کیسے بچاسکتی تھی؟ چنانچہ طلب کیا۔ ''ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ'' (۲:۲۴۶) غرض کہ قصہ طویل ہے جو سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ بہرحال دعا مستجاب ہوئی۔ نمونے کے طور پر انہیں طالوت بادشاہ ملا۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ یہ مطلب ہے ''فضلا'' کا۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو بڑی حکومت دی۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سوال :

حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ آپ کس کے بیٹے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ سکھلانے والا ہوں۔ اس طرح ابن اللہ کا مطلب بھی یہی ہے۔ جب ایسے الفاظ سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہوئی تو آگے چل کر خواص بھی اس میں مبتلا ہوئے اور شرک بڑھنے لگا چنانچہ اسلام نے ایسے الفاظ سے سختی سے منع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جو حکومت قائم کی وہ بھی قاضیوں کی حکومت کی طرح تھی۔ اس میں پولیس وغیرہ نہیں تھی۔ صرف اجتماعیت (سوسائٹی) تھی اور کتاب الٰہی نازل ہوتا تھا۔ داؤد علیہ السلام کسی

بادشاہ کے بیٹے نہیں تھے۔ بزرگی اور عقلمندی کی وجہ سے انہیں بادشاہت ملی۔ یہ خدا پاک کی مہربانی اور فضل ہے۔ اسی طرح کسی بادشاہ کے بیٹے کو بادشاہ بنانا بھی اس کا فضل ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ داؤد علیہ السلام اللہ پاک کے مقرب بھی تھے۔

قرب کی تفسیر:

نبوت تو ایک بڑا درجہ ہے، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ساتھ قرب بھی حاصل تھا۔ خدا کے نور کا ایک قطرہ انسان کے دل پر گرتا ہے، اسے "قرب" کہا جاتا ہے۔ امام ولی اللہ کے فلسفہ کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ اللہ پاک کی بڑی تجلی کا عکس اور چھوٹی تجلی ہر ایک انسان کے دل میں ہے۔ دنیا کی تمام اشیاء کسی خاص تجلی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو زمین اور آسمان کی بادشاہی حاصل ہے۔ ہر چیز پر خود حکم کرتا ہے۔ اللہ پاک کی تجلی حکم جاری کرنے کا راستہ ہے۔ جب یہ تجلی نازل ہوتی ہے تو حکم چلتا ہے۔ مثال کے طور پر لوہا ایک عنصر ہے۔ اسے تجلی کے ذریعہ پانی بننے کا حکم ہوتا ہے تو وہ لوہا جلد ہی پانی بن جاتا ہے۔ اسی طرح پرندوں اور پتھروں پر بھی تجلی کے ذریعہ سے حکم چلتا ہے۔ اللہ کی تجلیاں دنیا میں اس کا حکم جاری کرتی ہیں، حاکم وہ خود ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں بھی جب ایسی تجلی کا عکس آگیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں لوہا پانی ہونے لگا۔ وہ حکم دراصل اللہ پاک کا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔ ہوا اور جن اس کے تابع تھے۔ لیکن تسخیر اور تابعداری کی صورت یہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھی ہے۔ یٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (۳۴:۱۰) "(ہم نے پہاڑوں کو حکم کیا کہ) اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ (آواز سے) لوٹو اور پرندوں کو سکوت کا حکم کیا"۔ داؤد علیہ السلام کا دستور تھا کہ وہ خدا پاک کی تعریف میں مست ہو جایا کرتے تھے۔ اس وقت پہاڑوں کو حکم تھا کہ آپ کی طرف سے ایسی آواز آنی چاہئے جیسے سر کے ساتھ سُر اور آواز کے ساتھ آواز مل کر آئے۔ اور اس طرح پرندوں کو خاموش رہنے کا حکم تھا۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

(کہ تم کشادہ زرہیں بناؤ، اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔)

جنگ میں لوہے کا لباس:

آج کل جنگ میں لوہے کے لباس کی سخت ضرورت ہے۔ لوہے کا لباس حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع

ہوا۔ یہ سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوہے کو بندوں کے ہاتھوں میں موم کی طرح بنا سکتا ہے۔ نرم کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ محنت کے ساتھ ذکر اذکار کرنے سے، یہ طریقہ حاصل کیا جائے۔ یہ نتیجہ الاہیات میں ترقی کرنے کا ہے۔

لوہے کو پانی بنانا :

لوہے کو نرم کرنے کی دوسری راہ طبیعات کے ذریعہ نرم یا پانی کی طرح بنانا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل یورپ نے کمال حاصل کیا ہے۔ آج کل جس کے پاس ایسے کارخانے اور ہنر نہیں ہیں تو وہ بادشاہ نہیں بلکہ غلام ہے۔ جرمن قوم کو سب سے زیادہ لوہے پر قبضہ ہے۔

۱۹۱۴ء میں جرمنی کے جنگ ہار جانے کی وجہ سے جرمن ہنر مند اپنا ملک چھوڑ کر روس پہنچے، کیونکہ انگریزوں نے جرمنی میں کارخانے بند کروادیئے تھے۔ روس میں اشتراکیت تھی۔ روسیوں نے شرط رکھی تھی کہ جو ہمارے پروگرام کو مانیں گے ان کو جگہ دی جائے گی۔ جرمنوں نے جواب میں کہا۔ ہم بھی کمیونسٹ ہیں، لیکن ہمیں اپنے ملک میں سے ایک ٹکڑاالگ کر کے دیں کہ ہم وہاں رہیں۔ روسیوں نے یہ بات قبول کرلی۔ لیکن نوآبادی کے طریقہ پرانہیں یہ جگہ دی گئی۔ تاکہ ان کا تعلق جرمنی کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ جرمن وہاں رہے۔ روسیوں کے پاس لوہے کے لئے اتنا ہنر نہیں تھا۔ توپیں وغیرہ توان کے پاس تھیں، لیکن ٹوٹنے اور گرنے کی صورت میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اسے دوبارہ بنا سکیں یا اس میں اضافہ کر سکیں۔ روسیوں کو ایسے ہتھیار بنانے کے لئے دوسروں کا محتاج بننا پڑتا تھا۔ انہوں نے جرمن ہنر مندوں کو لوہے کا ہنر سکھانے کے لئے کہا اور انہوں نے روسیوں کو ہنر سکھایا اور روسیوں نے اس میں کمال حاصل کیا۔ آج وہ روسی، جرمنوں سے لڑرہے ہیں۔ (مولانا سندھی نے یہ تقریر اس وقت کی تھی جب دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔ مرتب)۔

افغانستان کی لڑائی :

ہم جب کابل پہنچے تو ہم سے بہت ساری آزمائشیں لی گئیں، تاآنکہ امیر حبیب اللہ کو ہماری سچائی کا یقین ہوا۔ امیر صاحب انگریزوں کے بڑے مخالف تھے، لیکن ان کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکتے۔ امیر صاحب کا ایک کارخانہ تھا جو لکڑیوں پر چلتا تھا۔ افغانستان میں اتنا جنگل نہیں تھا، چنانچہ جنگل بویا گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ بالآخر دریا کے زور پر برقی مشینیں چلانے لگے۔ وہ مشین ہمارے زمانے میں تیار ہوگئی۔ اس برقی مشین کے

لئے ایک امریکن انجینئر کام کرتا تھا۔ امیر حبیب اللہ ایک سازش کا شکار ہو کر مارے گئے۔ میں اور میرے دوستوں کی کوشش سے امیر امان اللہ تخت نشین ہوئے تھے۔ اس دور میں مشین کا ایک پرزہ خراب ہو گیا۔ امریکن انجینئر نے کہا کہ یہ پرزہ امریکہ کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔ ادھر جنگ بھی چھڑ چکی تھی۔ امریکہ نے پرزہ دینے سے انکار کیا۔ امیر امان اللہ نے ہندوستانیوں کو بلا کر کہا کہ آپ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو ایسا پرزہ تیار کر سکے۔ ایک بنگالی مسلمان عزیز اللہ نامی نے کہا کہ مجھے آپ دس روز کی مہلت دیں۔ میں ایک کتاب کا مطالعہ کر کے آپ کو پرزہ کا نقشہ پیش کر دوں گا۔ بالآخر پرزہ تیار ہوا، پھر مشین چلنے لگی۔ صرف ایک پرزے کی وجہ سے پوری مشین بیکار تھی۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ، (اور نیک عمل کرو، جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔)

یہ ہنر بھی تمہیں خدا کی کتاب کو ماننے کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔ قانون پر عمل حکومت سے ہوتا ہے۔ ان ہنروں میں بڑی طاقت ہے۔ جب آپ قانون سے روگردانی کریں گے، تو اس کا حساب دنیا ہو گا اور آپ سے وہ حکومت اور طاقت چھین لی جائے گی۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ

(اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ کی۔)

یہ تمام الاہیات کی ترقی کا نتیجہ ہے اور یہ طبیعات میں بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے دیکھا گیا ہے۔

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ، (اور ہم نے اس کے لیے تانبا کا چشمہ بہا دیا۔)

یہ قدرت کی دین ہے۔ زمین میں حرارت ہے اور اس سے تانبہ پگھلتا ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ

(اور جنات میں سے ایسے تھے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے)

یہ بھی تجلی الٰہی سے ہوا۔

وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ

(اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے پھرے تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا عمارتیں اور تصویریں اور حوض جیسے لگن اور جمی ہوئی دیگیں۔)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی بھی عمارت کی ضرورت پیش آتی تو اس کی تعمیر کا کام جن کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ معبد، تصاویر اور حوض جتنے برتن اور دیگیں ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی۔ جیسے اجمیر یا دہلی میں کھڑی ہیں۔ گزشتہ شریعتوں میں تصاویر جائز تھیں۔ بیت المقدس کے قبلہ کی دیوار پر سلیمان علیہ السلام نے فرشتوں کی تصاویر بنوائی تھیں۔ یہ تمام بادشاہی امور میں سے ہیں۔

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾

(اے آل داوٗدؑ شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔)

قاعدہ یہ ہے کہ سینٹرل کمیٹی میں تھوڑے لوگ ہوتے ہیں۔ جب اس حکومت کے کاروبار میں ظلم شروع ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا نالائق ثابت ہوا، تو حکومت تباہ ہو جاتی ہے اور (بذریعہ انقلاب) محاسبہ کیا جاتا ہے۔

آل داوٗد علیہ السلام کا قصہ :

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿۱۴﴾

(پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو کسی چیز نے ان کو اس کے مرنے کا پتہ نہیں دیا مگر زمین کے کیڑے نے' وہ اس کی عصا کو کھاتا تھا۔ پس جب وہ گر پڑا تب جنوں پر کھلا کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔)

عام طور پر مشہور قصہ اس طرح ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام قریب المرگ حالت کو پہنچے تو جنوں سے ایسا شیشے کا محل بنوایا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کو ٹیک لگا کر کھڑے رہے۔ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ جان کر کام کرتے رہے۔ جب ان کی لاٹھی کو دیمک کھا گئی اور لاٹھی گر گئی تو سلیمان علیہ السلام بھی گر پڑے۔ پھر جنوں کو معلوم ہوا اور افسوس کرنے لگے کہ ہم فضول کام کرتے رہے۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام تو کب کے مر چکے تھے۔ کچھ مفسرین نے اس مدت کو چالیس دن لکھا ہے اور کچھ ایک سال لکھتے ہیں۔ یہ تمام قصہ ایک فرضی افسانہ ہے۔ اس کے لئے کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ بلکہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ چونکہ بظاہر آیت سے ملتا ہے، اس لئے کتابوں میں نقل در نقل ہوتا رہا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نبی تھے، نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ اس طرح انسانی تقاضوں کے مطابق کھاتے پیتے بھی تھے۔ پھر چالیس دن کھڑے رہے۔ نہ نماز پڑھی نہ کھانا کھایا۔ ایسی

بات جنات سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی؟ دراصل مذکورہ تفاسیر کی بناء اسرائیلی قصوں اور آیت کے ظاہر پر ہے کہ علیہ کا ضمیر سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹتا ہے۔ اور دابۃ الارض سے مراد دیمک ہے۔

آیت کی اصل تفسیر اور ترجمہ :

علیہ کا ضمیر سلیمان علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ آل داؤد (داؤد علیہ السلام کی اولاد) کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کا مطلب سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کا نالائق ہونا ہے۔ موت کا مطلب سیاسی موت یعنی حکومت کا ہاتھوں سے نکل جانا ہے۔ دابۃ الارض نزول قرآن کے زمانہ میں انسان کے لئے بھی کہا جاتا تھا، تخصیص بعد میں ہوئی ہے۔ یہاں اس سے مراد سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ لاٹھی کا مطلب حکومت ہے۔ جیسے عام طور پر ''حکومت کی لاٹھی'' کہا جاتا ہے۔ اب پہلے قصہ بیان کر کے پھر آیات کا مکمل ترجمہ بیان کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب وفات پاگئے تو ان کی جگہ ان کے بیٹے مسند نشین ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی بڑی حکومت تھی۔ جن یا ان جیسے طاقتور انسان ان کی خدمت میں ہوتے تھے۔ کئی دنوں تک وہ جاہ وجلال ان کے بیٹے کی بادشاہی کے دوران بھی قائم رہا۔ خوف کی وجہ سے وہی خدام کام کرتے رہے۔ حکومت کے رعب کی وجہ سے ان کے نالائق بیٹے نے عام لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا۔ اس حالت کو دیکھ کر ایک وفد اس بادشاہ کے پاس یہ عرضداشت لے کر گیا کہ برائے مہربانی انسانوں پر سے ظلم ختم کریں۔ بادشاہ نے اپنے والد کے وزراء اور اپنے نوجوان وزراء سے صلاح ومشورہ کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزراء نے تو اسے ظلم وزیادتی کی روک تھام کا مشورہ دیا، جبکہ ان کے نوجوان وزراء نے کہا کہ ان لوگوں پر مزید زیادتی کی جائے، ورنہ طاقتور ہوجائیں گے اور حکومت کے لئے خطرہ بنیں گے۔ بادشاہ نے بالآخر نوجوان وزراء کے مشورہ پر عمل کیا اور ان بداعمالیوں کی وجہ سے گویا کہ حکومت کی تباہی کی خبر دے چکے۔ عام لوگوں نے آگے چل کر بغاوت کی اور سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کی حکومت نیست ونابود ہوگئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ناقص بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ نالائق تھا۔ قرآن حکیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ'' مذکور ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار! مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے سوا کسی دوسرے کے پاس نہ ہو۔ یہ دعا انہوں نے اس لئے کی کیونکہ ان کا بیٹا نالائق تھا۔ نگینہ وغیرہ کا قصہ من گھڑت شیطانی ہے۔ اب ترجمہ دیکھئے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

(جب ہم نے آل داؤد علیہ السلام پر موت (حکومت کے خاتمہ) کا فیصلہ کیا تو دیکھو اس کو زمین کا ایک جانور (سلیمان علیہ السلام کا بیٹا) کھا گیا عصا (حکومت) اس کی کو۔ پھر جب گرا (یعنی سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کی حکومت گر پڑی) تو جنوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر وہ غیب کا علم رکھتے تو کبھی ایسی ذات کے عذاب میں نہ رہتے۔)

غرض کہ اس سے پہلے جنوں اور دیگر طاقتور قوموں کو گمان تھا کہ یہ حکومت ٹوٹنے والی نہیں ہے، لیکن جب کچھ کمزور لوگوں کی بغاوت کی وجہ سے حکومت تباہ ہو گئی تو افسوس کرنے لگے کہ بادشاہت کے بل پر ہم سے ناحق کام لیا گیا۔ اگر ہم اس بادشاہت کے ٹوٹنے کا علم رکھتے تو ایسی خواری جیسی زندگی کبھی بسر نہ کرتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکاروں کے علاوہ صابی قوم ستارہ پرست تھی۔ پہلے تو ستاروں کو قبلہ سمجھتے تھے، لیکن چونکہ تمام ستارے دن کو غائب ہو جاتے ہیں، لھٰذا ستاروں کے ناموں کے بت بنا کر انہیں قبلہ بنایا گیا۔ آگے چل کر ان بتوں کو عبادت کے لائق سمجھنے لگے۔ جس طرح عام لوگ پہلے بزرگوں اور اولیاء کرام کی قبروں پر درود اور ختم کے لئے جاتے ہیں۔ پھر آگے چل کر مشرکانہ رسومات اختیار کرتے ہیں اور ان سے بیٹے وغیرہ کا سوال کرتے ہیں۔ ہم نے ایسے بہت سارے ولی اور بزرگ دیکھے ہیں جو اپنی پاک زندگی میں لوگوں کو بت پرستی سے روکتے تھے۔ لیکن ان کے مرنے کے بعد ان ہی کے مزاروں اور قبروں کی پرستش شروع ہو گئی۔ اس طرح کئی لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان پوجاریوں کو بھی جن کہا جاتا تھا۔ غرض کہ ستارہ پرست قوموں میں جنوں کی پرستش عام ہے۔ کیونکہ ستاروں کی تائید معلوم کرنے کے لئے علم نجوم کی ضرورت تھی اور علم نجوم درست طریقہ سے حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کاہنوں اور پروہتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ جنوں کو اس میں واسطہ بنایا گیا۔ یہاں جنوں کے پجاریوں کو جن کہا گیا ہے۔ شیطان جس طرح جنوں میں ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ سلطنت سلیمان میں ان سے زبردستی کام لیا جاتا تھا۔

شفاعت کا مسئلہ :

شفاعت کے مسئلہ کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ لیکن کچھ گمراہوں نے گمراہی کے راستے نکالے، اسی طرح شفاعت کے مسئلہ کو بھی عام لوگوں کے سامنے غلط طور پر پیش کیا گیا۔ در حقیقت شفاعت بالاذن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے۔ وہاں زور و زبردستی نہیں چلے گی۔ شفاعت گواہی کی طرح ہے۔ یعنی اس آدمی نے یہ کام اچھے کئے ہیں اور جماعت حق کا ساتھ دیا ہے، لھٰذا اسے گناہوں کی معافی چاہئے۔

آیت نَبَؤُا الْخَصْمِ کی تفسیر:

سورۃ السباء میں حضرت داؤد اور آل داؤد کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سورۃ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق آیت نَبَؤُا الْخَصْمِ میں مذکورہ بیان کی تفسیر یہاں نقل کی جائے۔ کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں بھی ہمارے بہت سارے مفسرین نے انبیاء کی شان کے خلاف جھوٹے قصوں سے کام لیا ہے۔ قرآن میں صرف اتنا بیان ہے کہ کچھ آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں دیوار پھلانگ کر اندر آتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو (غیر رسمی طریقہ پر اندر آنے کی وجہ سے) خوف سا پیدا ہوا، لیکن وہ آدمی کہنے لگے کہ آپ خوف میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم دو آدمی آپ کے پاس ایک فیصلہ لے کر آئے ہیں۔ آپ انصاف کریں اور ناانصافی نہ کریں۔ ہمیں سیدھا راستہ بتلائیں۔ ان میں سے ایک بولنے لگا۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک بھیڑ ہے۔ یہ مجھے کہتا ہے کہ میں ایک بھیڑ بھی اُسے دے دوں۔ گفت و شنید میں مجھ پر حاوی ہو جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ یہ تم سے ایک بھیڑ کے سوال میں ظلم کر رہا ہے۔ کئی شراکت دار ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے ہیں۔ لیکن ایمان والے اور نیک بندے ظلم سے بچتے ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ یہ میری آزمائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اللہ پاک نے انہیں معاف کر دیا۔

اب عام مفسرین کی طرف سے اس آیت کی تفسیر میں ایک عورت کے عشق کا قصہ بیان کیا جاتا ہے وغیرہ۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق میرا ایک خاص فکر ہے، جسے میں نے کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا۔ وہ یہ کہ حکومت کے مختلف درجات ہیں، جسے صدر شہید (شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں بیان فرمایا ہے۔ دولۃ اسلام میں اس حکومت کے دو حصے ہیں۔

(۱)۔۔۔خلافت راشدہ جس میں کتاب کریم کے عقلی قوانین پر عمل کیا جاتا تھا۔ مال کا جمع کرنا اور کسی کو حقیر جاننا اور غلام بنانا روا نہیں تھا۔

(۲)۔۔۔دوسرا دور خلافت کے بعد کا ہے جسے ملوکیت یا بادشاہی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ آخر الذکر دور میں قومی برتری، تکبر اور سرمایہ داری کی بنیاد پڑنے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت بھی دو ادوار پر محیط تھی۔ ایک نبوت سے پہلے کا زمانہ، دوسرا زمانہ خلافت۔ مذکورہ بالا واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ دو آدمی ایک بادشاہ اور ایک کو رعایا کا فرد سمجھیں۔ بادشاہ کے پاس رعایا کے ایک فرد کی بنسبت سو میں سے نناوے مال رہتا ہے۔ لیکن بادشاہ کوشش کرتا ہے کہ ٹیکس اور محصولات لگا کر وہ ایک فیصد بھی اپنے پاس

رکھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہت کے اس رویہ کو جان گئے اور خداوند قدوس سے معافی مانگنے لگے۔ کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ رعایا سے مال بٹورنے سے ظلم پیدا ہوتا ہے۔

اس آیت کے بعد آتا ہے کہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ الآیۃ اے داؤد! ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور زمین کی خلافت دی ہے۔ لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔ ہویٰ (نفسانی خواہشات) کے تابع نہ بنو۔ غرض کہ تمہارا موجودہ دور خلافت کا دور ہے۔ بادشاہی کا دور اختتام کو پہنچا۔ گزشتہ دور میں جو کچھ ہوا وہ تمہیں معاف کیا جاسکتا ہے، اب تمہیں علم دیا گیا ہے۔

قوم سبا کا تمدن

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ

(سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن میں نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں ' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔)

تمہید:

پیشے کے لحاظ سے آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مزارع، کھیتی باڑی کرنے والا اور دوسرا ہنر مند۔ روئی سے کپڑا بنانا یا چمڑے سے بوٹ وغیرہ تیار کرنا اسے ہنر کہا جاتا ہے۔ ہنر کا کام تجارت سے متعلق ہے۔ اسلئے تجارت دونوں کی سرتاج ہے۔ تجارت کو اگر اقتصادی بادشاہی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ حکمت کا قانون ہے کہ اگر کوئی اپنی روزی کسی فن کے ذریعہ کماتا ہے تو اس کی طبیعت اور عادت میں تبدیلی واقع ہوگی۔ رہن سہن، تمدن اور معیشت مختلف طرز کا رہے گا۔ ایک دھوبی کا پیشہ علحدہ ہے، اسے میراثی کے ساتھ رہنے میں راحت و سکون میسر نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک طالب علم کو چرواہے کے ساتھ آرام نہ آئے گا۔ عام حکماء کو انسانی سوسائٹی کی ان ضروریات کا علم تھا اور انبیاء علیہم السلام ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

ایک غلط خیال:

کچھ لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ انبیاء کا دنیاوی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کے قافلہ کو سب سے بڑی رہنمائی انبیاء سے حاصل ہوئی ہے۔ جب کبھی کسی قوم نے کوئی غلط راستہ اختیار کیا

ہے تو ان کے پاس نبی کو بھیجا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ بین الاقوامی نبی ہیں۔ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ان کا بتلایا ہوا پروگرام نہایت مناسب طور پر موجود ہے۔ غرض کہ دنیا کی موجودہ زندگی انبیاء کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ زراعت پیشہ لوگوں کی طبیعت مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ جب انہیں شریعت کا کوئی حکم سنایا جائے گا تو بغیر کسی حکیمانہ غور و فکر کے جلد ہی مان لیں گے۔ زراعت پیشہ لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہنر مند لوگوں کی اکثریت کا تعلق حکمت (دانائی) سے ہے۔ ان کے سامنے شریعت کو اگر حکمت کی شکل میں پیش کیا جائے گا تو مان لیں گے۔ یہ حقیقت ہے انسانیت عامہ کے دو طبقوں کے طبعی فرق کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہنر کا بول بالا تھا۔ چنانچہ انہیں حکمت بھی زیادہ دی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کئے گئے زبور مقدس میں غزلیں، گیت اور ابیات ہیں۔ ان میں حکمت کی بڑی باتیں موجود ہیں۔ جیسے شاہ بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی ابیات ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب "امثال سلیمان" بھی اس طرز کی ہے۔ زبور کی طرح وہ بھی حکمت اور دانائی سے بھری ہوئی تھی۔ قرآن حکیم میں بھی ایسی حکیمانہ نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔

سبا کی قوم کا پیشہ زراعت تھا۔ چنانچہ ان میں شریعت کو ماننے کی بڑی صلاحیت موجود تھی۔ جب وہاں حکیم پیدا ہوتے تھے تو وہ بلند پایہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ شریعت اور حکمت دونوں کے جامع ہوتے تھے۔ انصار یمنی قوم میں سے ہیں۔ ان میں سے بیشتر حکمت کے علماء تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ اَلْفِقْهُ يَمَانِيَةٌ وَالْحِكْمَتُ يَمَانِيَةٌ

غرض کہ ہم نے سورۃ کی ابتداء میں بتلایا ہے کہ عرب کی اجتماعیت اور سوسائٹی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں شامی اور یمنی دونوں قومیں شامل ہیں۔ ان میں شریعت اور حکمت کو سمجھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ انہیں قرآن مقدس جیسی شریعت اور حکمت کی جامع کتاب دی گئی۔ تمہید اختتام پذیر ہوئی۔

زیر نظر سورۃ سبا عرب کی سوسائٹی کو تمدن اور معیشت کے حوالے سے بلند ثابت کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے دیگر قوموں میں ایسی طاقت ہو، لیکن یہ درمیانے درجے پر عرب سوسائٹی کے منہاج ہیں۔ "امۃ وسطا" سے مراد بھی یہی ہے۔ اہل مشرق اور اہل مغرب کا تعلق بھی اسی خطۂ عرب سے ہوتا ہے۔ قوم سبا کا محل وقوع اور یمن کا مکمل جغرافیہ، سید سلیمان ندوی کی کتاب "ارض القرآن" میں موجود ہے۔ ندوی صاحب کی یہ کتاب قرآن مقدس میں مذکور ممالک کا ایک جغرافیہ ہے۔ اکثر و بیشتر جن اقطاع و امصار کا ذکر توراۃ میں آتا ہے، ان کا بیان قرآن مقدس میں بھی ہے۔ چنانچہ یورپ کے مصنفین نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں تفصیلات نہیں ہیں۔

سر سید احمد خان نے ایک کتاب ''خطبات احمدیہ'' انگریزی میں لکھی ہے۔ سر سید کی یہ کتاب پہلے درجہ پر ہے، دوسرے درجہ پر اس نوعیت کی کتاب ''ارض القرآن'' ہے۔

جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ، (یعنی دونوں اطراف دائیں اور بائیں باغات کی قطاریں تھیں۔)

یمن سے شام تک تجارت کے لئے راستہ کھلا ہوا تھا۔ اس ملک کی پیداوار اچھی تھی۔ راستہ کے دائیں اور بائیں طرف سے باغات تھے۔

کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَ اشْکُرُوْا لَهٗ، (یعنی ان کو کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کی قدر کرو۔)

بتلایا ہوا کام مکمل کر کے اس پر الحمدللہ پڑھیں۔

بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ (عمدہ شہر اور بخشنے والا رب۔)

جب تک سیدھے راستے پر چلتے رہو گے اور کام کرو گے، اس صورت میں اگر تم سے غلطی سرزد ہو گی تو وہ معاف کی جائے گی اور تم سے نعمت سلب نہ کی جائے گی۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ، (پس انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا۔)

پہلے تو ایک طریقہ سے ایک بڑا بند بنا کر اس میں پانی جمع کیا جاتا تھا۔ وہاں آبادی کی جاتی تھی۔ وہ بند ٹوٹ گیا۔ بڑا سیلاب آ گیا۔ لوگ ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ طاقت مکمل طور پر ٹوٹ گئی۔ باغات کی جگہ کانٹے دار پودے پیدا ہونے لگے۔

وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ

(اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا، جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا۔)

غرض کہ دنیا میں بھی محاسبہ ہوتا ہے، لیکن دنیا کا محاسبہ چھوٹا اور آخرت کا محاسبہ بڑا ہے۔

وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ (اور ایسا بدلہ ہم اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔)

ہندوستانی اسلامی سلطنت اس لئے ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی کیونکہ چھوٹے نوابوں اور بادشاہوں نے انگریزوں اور فرانسیسی تاجروں سے خفیہ معاہدے کئے اور وہ مسلم تشخص اور اقتدار کے اندرون خانہ مخالف بنے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے یہ کفریہ کام کئے ہیں۔ چنانچہ یہ غلامی کی سزا آ کر پہنچی اور حکومت کی نعمت چھینی گئی۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

(اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان، جہاں ہم نے برکت رکھی تھی۔ ایسی بستیاں آباد کیں جو نظر آتی تھیں اور ہم نے ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرا دیں۔ان میں رات دن امن کے ساتھ چلو۔)

مذکورہ آیت میں اہل یمن کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا بیان ہے۔ یعنی یمن اور شام جنت نظیر کے درمیان ایک شاہراہ تھی۔ اس کے دونوں اطراف میں باغات تھے اور ہر ایک منزل پر گاؤں تھے۔ چنانچہ غریب ہو یا امیر سب کے لئے تجارت کی سہولت تھی۔ سرمایہ داری کی مصیبت نہیں تھی۔ تجارت کے لئے اتنی بڑی سہولت تھی کہ جنوبی ہند کے بحری جہاز عدن سے یمن پہنچتے تھے۔ عدن میں ہند اور ماوراء ہند کی تجارت یمنی قوم کے ماتحت شام کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ قافلوں کو تجارتی سامان سے بھر کر یمنی لوگ سرسبز راستوں کے ذریعہ شام پہنچتے تھے۔ شام سے یورپ کی طرف باآسانی مال پہنچتا تھا۔ اسی طرح یورپ سے ہندوستان کی طرف مال کی آمدورفت تھی۔ روم میں بڑی شہنشاہیت قائم تھی۔ انہیں گھر بیٹھے یمنی قوم کے ذریعہ یورپ سے باہر کی چیزیں مل جاتی تھیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یمن کے باشندے تمدن کے لحاظ سے دنیا کی تجارت کا مرکز تھے۔ اہل یمن کی یہ زندگی متمدن سوسائٹی کے درجہ کی حامل تھی۔ کیونکہ سب مل کر چھوٹی چھوٹی کمپنیاں بنا کر تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے ناشکری کی یعنی بڑی کمپنیاں اور سرمایہ دارانہ ادارے بنانے کی کوشش کی تو عام لوگوں کے لئے تجارت کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ شاہراہ ویران ہو گئی۔ سفر کرنا مشکل ہو گیا۔ ماسوائے چند ایک سرمایہ داروں کے، سوسائٹی کے عام لوگ تجارت سے محروم ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں تباہی اور بربادی آ گئی۔

یہ قانون ہے کہ جب تک کسی بھی سوسائٹی کا عام طبقہ خوشحال نہیں رہتا، وہ اجتماع اور سوسائٹی کمزور اور بیمار آدمی کے مترادف ہے۔ سوسائٹی کے لوگوں کی طرز زندگی مساوات اور برابری کے مرتبہ پر ہونی چاہئے۔ یمن کے چند سرمایہ داروں، اور مالداروں نے اسے اپنے طبقہ میں محدود کر کے نقصان پہنچایا۔ اس تمام حقیقت کی طرف قرآن مقدس اشارہ کرتا ہے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

(پھر انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے۔)

یعنی (انہوں نے) کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں میں دوری کر اور اپنے آپ پر ظلم کیا۔ غرض کہ سفر تجارت سرمایہ دار اور مالدار کے لئے خاص ہو، اس طرح وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر چکے۔ کیونکہ پہلی نعمت جس میں غریب ہوں یا امیر سب کو تجارت کے مواقع حاصل تھے، اس کی ناشکری کر کے نافرمان او ربے عمل ہوئے۔

غرض کہ جب مالداروں نے مشترکہ تجارت اور سوسائٹی کی بہتری کو روکنے اور خود غرضی کے کام شروع کئے تو انہیں وہ سزا ملی کہ پانی کا بند ٹوٹ گیا۔ سیلاب آگیا۔ راستے تباہ ہوگئے۔ تجارت کم ہوگئی۔

اس کے بعد روم کی شہنشاہیت کو دوسرا راستہ تلاش کرنا پڑا۔ مصر سے مال منگوا کر بحیرہ قلزم سے کشتیوں کے ذریعہ بلاواسطہ ہندوستان سے تجارتی تعلق قائم کیا گیا۔ چنانچہ عرب میں کساد بازاری پیدا ہوگئی۔ تجارت روم کے ہاتھ میں آگئی۔ وہی یورپ کی تجارت اب بھی نہر سوئیز کے ذریعہ ہندوستان کے ساتھ جاری ہے۔ یورپ کی موجودہ لڑائی بھی تجارتی ہے۔ (اس لڑائی سے مولانا سندھی کی مراد جنگ عظیم دوئم ہے۔ مترجم) ظلموا انفسهم کی مندرجہ بالا تفسیر یورپ جانے کے بعد ہم پر واضح ہوگئی۔

قریش کی سوسائٹی:

ہم بتا چکے ہیں کہ قریش یمنی اور شامی قوموں کی تمدن کے جامع تھے۔ وہ بھی وہی تجارت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے تھوڑا پہلے انہوں نے پھر سے پرانی تجارت کو زندہ کیا۔ سورۃ الایلاف کی تفسیر کو پڑھ کر دیکھیں۔۔۔ آپ کو یہ بات واضح نظر آئے گی کہ شاہراہ پرامن نہیں تھی، لیکن قریش چونکہ بیت اللہ کے متولی تھے، سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ سیاسی اور تمدنی ترقی کے لئے عربوں نے پھر سے عرب کی تجارت کو زندہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر وہ حکومت کے مالک بنے۔ یورپ کو بھی فتح کیا۔ عربوں کے اندر ایسی قابلیت اور صلاحیت موجود تھی۔

احیائے یورپ:

یورپین قومیں دوبارہ جاگ اٹھیں۔ جیسے پہلی مرتبہ بحیرہ قلزم کے ذریعہ عرب کی تجارت کو ختم کیا۔ اسی طرح پھر نہر سوئیز کے ذریعہ عرب پر قبضہ کرلیا اور مصر اور سوڈان بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔ سلطان ترکی کے نائب کے ساتھ (جو مصر اور سوڈان میں رہتے تھے) خفیہ معاہدات کئے گئے کہ آپ ہمارے خلاف سلطان ترکی کے احکامات کو مانیں گے تو آپ

کو اتنے پیسے دیئے جائیں گے۔ بالآخران غداروں کولالچ دے کرایک بڑی اسلامی سلطنت کی پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا۔

لارڈ کرزن جب عرب کے مشرقی ساحلوں کی طرف گئے ہوئے تھے، توان کے ترجمان مولوی حمیدالدین صاحب تھے۔ انہوں نے ہمیں پوری روداد سنائی کہ کس طرح انگریزوں نے مسلمان گورنروں اور نوابوں کو لالچ دی۔ شریف حسین کے معاہدات توانگریزوں نے شائع کر دیئے ہیں۔ ہر ایک ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے، کہ کس طرح ایک بڑی اسلامی سلطنت کو شکست دی گئی۔ ہم نے زوال کے اسباب کا مطالعہ کیا۔ ان کی سب سے بڑی وجہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری ہے۔ ترکی کی شکست میں عربوں کا بڑا ہاتھ تھا۔

وہی حال ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا ہوا۔ دہلی کے ۱۹ صوبے تھے۔ صرف ایک صوبے کی آمدن سے ایران کی سلطنت کو خرید سکتے تھے۔ افسوس کہ، اتنی بڑی سلطنت تباہ ہو گئی! اب ہمیں یقین کامل ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے پروگرام کے ذریعہ ہم وہ طاقت واپس حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۰

(اور ابلیس نے ان کے اوپر اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ پس انہوں نے اس کی پیروی کی، مگر ایمان والوں کا ایک گروہ (بچ گیا))

یہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کے تمام باشندے خراب نہیں ہوا کرتے۔ کچھ لوگ اچھے بھی ہوں گے۔ نوح کنوح والی حدیث کا مطلب بھی یہی ہے، جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ خراب لوگوں کو شیطان یہ دلاسہ دیتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے حساب نہیں لے گا۔ یہ لوگ اس امید پر ظلم کرتے رہے۔ یہ شیطان کا گمان ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۲۱

(اور ابلیس کو ان کے اوپر کوئی اختیار نہ تھا، مگر یہ کہ ہم معلوم کر لیں، ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں)، اور تمہارا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔)

سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ :

ہمارے خیال کے مطابق ہندوستان کی چھوٹی بادشاہوں میں سے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ ان مومنین میں سے ہیں جن پر شیطان غلبہ نہ پا سکا۔ ہندوستان کے دیگر نوابوں نے انگریزوں کے ساتھ خفیہ معاہدے کئے۔ انگریزوں کی طرف سے جو بھی معاہدے ہوئے وہ تجارتی نوعیت کے تھے۔ پہلے یورپی اس درجہ کے چاپلوس اور ذلیل تھے کہ ایک یورپی نے نظام (دکن) کو خط لکھا کہ ''ہم یورپ کے لوگ آپ کے پیر چومنے اور زیارت کے لئے آئے ہیں۔''

بہر حال ایسی چاپلوسیوں کی وجہ سے نظام بے ایمان ہو گیا۔ اس کے دل میں اگر ایسی بے ایمانی نہ ہوتی تو کبھی غداری نہ کرتا۔ انگریزوں کے پاس اس زمانہ میں کوئی قوت نہیں تھی، لیکن مسلمانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے اسے فائدہ ہوا۔

سورہ سبا میں دو اہم باتیں ہیں :

سورہ سبا میں دو اہم باتیں ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا حساب دنیا ہی میں جاری ہے۔ یہ مسئلہ اس اعتقاد پر قائم ہے کہ دنیا میں نفع اور نقصان پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان ایک بڑی قوت ہے۔ اس کی مخالف قوت کو ابلیس یا شیطان کہا جاتا ہے۔ ابلیس ایسی مشترکہ قوت کا نام ہے جو انسانیت کے مقابل کام کرتی ہے۔ ایسے ابلیس انسانوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے ابلیسوں کو تحفظ فراہم کرنے کی خاطر کچھ مذہبی لوگوں نے یہ باطل عقیدہ بنایا کہ خدا کے غیر کو "خداوند قدوس" کا درجہ دے کر اسے شفاعت کرنے والا ماننے لگے۔ ایسے مردود مذہبی پیشواؤں کا رد مندرجہ ذیل آیت میں آتا ہے۔ اس سورت میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ کیا عرب میں سے کوئی ایسی سوسائٹی پیدا ہو سکے گی، جو عالمگیر انقلاب لا سکے؟ یمن اور شام بڑی طاقتیں تھیں۔ ان کا بڑا تمدن تھا، لیکن تباہ ہو گئیں۔ لیکن اس (حجاز کی) سرزمین میں یہ قابلیت موجود ہے کہ یہاں انقلابی طبیعت کے حامل افراد پیدا ہو سکتے ہیں، جن کے ہاتھوں دوبارہ ترقی کے امکانات موجود ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

(کہو کہ ان کو پکارو جن کو تم نے خدا کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔)

غرض کہ جب انقلاب آئے گا تو افراد انسانیت کے دشمن یا ان کے مذہبی پیشہ ور مرشد (جنہیں وہ خداوند قدوس کا درجہ دے کر خدائی احکامات کو چھوڑ کر ان کے احکامات کو سرِ چشم کئے بیٹھے ہیں)۔ کوئی نفع نہ پہنچائیں گے اور نہ مدد کریں گے۔ عام طور پر خدا کے حکم اور قانون کے ساتھ مذہبی پیشہ وروں کے دوسرے قانون کو بھی مانا جاتا ہے، یہ شرک ہے۔

اس کے علاوہ کچھ انسانیت کش افراد نے شفاعت بلااذن (اللہ تعالیٰ کی اجازت کے سوا) کا مسئلہ پیدا کیا ہے۔ وہ یا جو لوگ اس قسم کی تعلیم دیتے ہیں، وہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بالکل شفاعت کریں گے، لیکن وہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے ہے۔

وَ لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿۲۳﴾

(اور اس کے سامنے کوئی شفاعت کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کے لئے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ کہیں گے کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ سب سے اوپر ہے، سب سے بڑا ہے۔)

غرض کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کی اجازت سے معلوم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سننے سے معلوم ہو گا اور یہ سننے کی قوت انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کو ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنیں گے تو انہیں غشی لاحق ہو جائے گی، اسے نہ سمجھیں گے۔ لیکن جب ان کے دلوں میں سے خوف دور کیا جائے گا، تو اپنے دلوں میں کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ پھر اس حکم اور فرمان کا نقشہ ان کے دلوں پر ظاہر ہو گا، اس وقت لوگوں کو کہیں گے کہ خدا کا فرمان برحق ہے، کیونکہ وہ مخلوق سے بلند تر ہے۔ اس کے قرب سے بھی اس کی ہیبت ختم نہ ہو گی، کیونکہ وہ کبیر (بڑا) ہے۔

قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى اَوۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾

(کہو کہ کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کہو کہ اللہ اور ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں۔)

حاصل مطلب یہ ہوا کہ یا تو یہ عقیدہ رکھیں کہ نفع اور نقصان اس ایک پاک ذات کے ہاتھ میں ہے، یا اس بات کا انکار کر دیں۔ ہم اور لادینی انقلابیوں میں فرق صرف اس بات کا ہے کہ ہمیں انقلاب کے لئے ہر چیز قربان کرنی ہے، لیکن اس کا اجر اور نفع دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ جبکہ لادینی انقلابی خدا کے انکاری ہیں۔ ہم انہیں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے میں ہم ہدایت پر ہیں اور آپ انکار کرنے سے گمراہی پر ہیں۔

یورپ کے پہلے انقلابی متدین تھے:

یورپ میں انقلاب کی ابتداء اور شروعات متدین لوگوں سے ہوئی ہے۔ بعد میں یہ تحریک لادینی افراد کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ لادینی افراد متدین لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ آپ مذہبی لوگ ہیں۔ آپ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ایسی باتوں میں الجھ کر انہیں سیاست سے دور رکھ کر خود اس میدان پر قابض ہو جاتے ہیں۔

انور پاشا کی پارٹی اور کمال پاشا :

غازی انور پاشا مرحوم کی پارٹی متدین تھی، وہ انقلاب لائی۔ لیکن اس کے بعد کمال پاشا مرحوم کی لادینی پارٹی نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا بھی بذت خود ایک دیندار آدمی تھے۔ لیکن ان کے ورکرز لادینی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب جنگ کے شعلے ختم ہوں گے تو اسلام کی بات عمل میں لائیں گے۔ کمال پاشا مرحوم کی پارٹی میں شیخ عبدالعزیز چاویش ایک متدین انقلابی تھے۔ کسی چھوٹی سی بات پر ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔ وہاں جا کر کچھ راز فاش کر دیئے۔ چنانچہ اس سے ترکی کو نقصان پہنچا۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال مرحوم نے ایسے لوگوں سے خفہ ہو کر ان کی پارٹی میں داخلہ پر پابندی لگا دی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾

(کہو کہ جو قصور ہم نے کیا، اس کی کوئی پوچھ تم سے نہ ہو گی۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی بابت ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔)

ایک سیاسی اور علمی مسئلہ :

ہمارے نزدیک ایک دیندار کو اس وقت انقلابی کہا جائے گا، جب وہ غیر تمند ہو اور لادین کے ساتھ رہ کر بھی اپنے آپ کو دین پر قائم رکھے اور اپنے اصولوں پر مضبوط رہے۔

ایک دیندار انقلابی کو بالآخر یہی اعلان کرنا پڑے گا۔ انقلابی اُسی کو کہا جاتا ہے جو غیروں سے مرعوب نہ ہو۔ بلکہ خود ان پر اثر انداز ہو۔ میں انقلابی ہوں، لیکن میرا انقلاب امام شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن حکیم کے احکامات کے مطابق ہے۔ ہمارے دیگر انقلابی دوست یہ شرط نہیں رکھتے۔ گاندھی جی ایک مخصوص طریقہ کے انقلابی ہیں۔ اسی طرح جواہر لعل نہرو بھی انقلابی ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ میرا انقلاب (انقلابی فکر) دونوں سے میل نہیں کھاتا، لہٰذا ہمارا راستہ دیگر انقلابیوں سے علیحدہ ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾

(کہو کہ ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے درمیان حق کے مطابق فیصلہ فرمائے گا اور وہ فیصلہ فرمانے والا ہے' علم والا ہے' کہو مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز نہیں' بلکہ وہ اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔)

مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ کے مخالف قریش ہیں۔ وہ ابراہیمی طریقہ کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، لیکن ان کی بے وقوفی یہ ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے۔ چنانچہ حکم آتا ہے کہ جنہیں آپ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، وہ دکھلائیں؟ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ سورۃ کی ابتدا سے اعمال کا حساب اور عرب قوم کے تمدن کی بحث جاری ہے۔ جو افراد اعمال کی جزا و سزا کو نہیں مانتے، وہ اپنے فائدے کے لئے عام لوگوں کا نقصان کر رہے ہیں اور عوام کا نقصان کرنے والا شیطان ہے۔ لہٰذا دینی انقلاب آئے گا، جس میں ایسے شیطانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا قریش میں ایسی قوت تھی جو عالمی انقلاب کا بوجھ اٹھا سکے؟ ہم نے قریش کو داؤد علیہ السلام اور سبا کی خلافت کا جانشین ثابت کیا ہے۔ سمندر کی طاقت اگرچہ رومیوں کے زیر نگیں تھی، لیکن قریش قدیم تجارتی شاہراہ کو از سر نو زندہ کرنے کے در پے تھے۔ اور اس کے ذریعہ سے شام سے تجارت ان کا مقصد تھا۔ یہ ایک تاریخی چیز ہے جسے چھوڑنے کی وجہ سے یمن تباہ ہوا۔ قریش ایک بہادر قوم تھی، وہ بزدلی کی تاریخ سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ خود کو "اُمّی" کہلاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان میں انقلاب کی قوت تھی۔ لیکن وہ انقلاب دینی ہوگا یا لادینی؟ یہ سوال قریش کی قدیم تاریخ پر نظر رکھنے سے حل ہو سکتا ہے۔ انہیں دین کی قوت (بیت اللہ کی مجاوری) کی وجہ سے شام کا راستہ مل گیا تھا۔ لہٰذا ان کا انقلاب لازمی طور پر دینی ہوگا۔ لیکن انہیں ایک خاص دینی پروگرام کی ضرورت تھی۔ وہ انہیں (اسلام کی صورت میں) مل گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾

(اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کہو کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔)

غرض کہ وہ انقلاب کا دن طے شدہ ہے، ضرور آئے گا، اور کم و بیش نہ ہوگا۔ امام شاہ ولی اللہ کی کتاب "ازالۃ الخفا" میں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ (۴۸: ۲۸) کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام تمام ادیان پر کس طرح غالب ہوگا، یہ شاہ صاحب نے احادیث سے ثابت کیا ہے۔

دشمنانِ انقلاب:

انقلاب اُسی وقت آسکتا ہے، جب انقلاب کی سد راہ طاقتوں کو ختم کیا جائے۔ وہ سرمایہ دار ہوں، خواہ زمیندار، جو

اپنے فائدے کے لئے عوام کا نقصان کریں۔ ایسے لوگ انقلاب کو روکنے والے ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ

(اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس کو جو اس کے آگے ہے۔)

دینی انقلاب کے دشمن لادینی قوتیں ہوتی ہیں۔ ان میں دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ اول متکبر لوگ (مستکبرین) جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اپنا قانون جاری کرنا چاہتے ہیں۔ دوئم غلام ذہنیت کے کمزور لوگ۔ انہیں پہلے قسم کے افراد اپنا تابعدار بناتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(اور اگر تم اس وقت کو دیکھو جب کہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہو گا۔ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ بڑا بننے والے کمزور لوگوں کو جواب دیں گے۔ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا۔ جب کہ وہ تم کو پہنچ چکی تھی' بلکہ تم خود مجرم ہو اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے۔ نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں سے' جب کہ تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں اور وہ اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے جب کہ وہ عذاب دیکھیں گے اور ہم منکروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے۔ وہ وہی بدلہ پائیں گے جو وہ کرتے تھے۔)

غرض کہ کمزوروں اور متکبروں دونوں کو ایک ہی سزا ملے گی۔ مثال کے طور پر دس لوگ کسی کا خون کرتے ہیں، تو دسیوں کو ہی پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے۔ خود ساختہ مستکبرین کا بیان قوم سبا کے ذکر میں آ چکا ہے۔ وہ بین الاقوامی انقلاب کے دشمن ہوتے ہیں۔ انقلاب اُسی وقت آتا ہے جب انقلاب دشمن قوتوں کا تعین کیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں ان خود ساختہ مستکبرین یعنی سرمایہ دار اور انقلاب کے دشمنوں کو پہچاننے کے لئے چند نشانیاں بیان کی گئی ہیں، تاکہ عوام انہیں پہچان سکیں۔

دینی انقلاب کے دشمنوں کی علامات :

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

(اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا، تو اس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جو دے کر تم بھیجے گئے ہو اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم کبھی سزا پانے والے نہیں۔)

مطلب یہ کہ کمزور افراد کی مزاحمت ہمارا کیا بگاڑے گی اور وہ ہمیں کیسے شکست دے سکیں گے۔ انقلاب کی راہ میں رکاوٹ ہمیشہ، خود ساختہ سرمایہ دار بنتے ہیں اور جیسا کہ وہ اہل ثروت ہوتے ہیں، لہٰذا آرام طلب ہوتے ہیں۔

جب تک کوئی سرمایہ دار کی مخالفت کی وجوہات کو نہیں سمجھتا، وہ انقلابی نہیں بن سکتا۔

''رفاہیت بالغہ'' کی تشریح :

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص اصطلاح ''رفاہیت بالغہ'' ہے۔ جسے وہ شرک کی مانند سمجھتے ہیں۔ کوئی انسان مزدوری یا اور کوئی کام کرتا ہے، اسے سخت محنت سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے آرام کرتا ہے، یہ آرام درست ہے۔ دوسرا آرام تکلیف کے بغیر ہے جسے ''رفاہیت بالغہ'' (انتہائی درجہ کی آرام طلبی یا عیش و عشرت) کہا جاتا ہے۔ ایسے افراد دولت اس لئے جمع کرتے ہیں تاکہ پیسوں کے عوض آرام طلبی حاصل کریں۔ انسانیت عامہ میں ایسا فرد ایک ایسا مریض ہے، جو خدا کو مانتا ہے اور نہ ہی خدا کے رسول ﷺ کو۔ وہ صرف عیش و آرام کا طالب ہے، اگرچہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہو۔ ایسی آرام طلبی کی وجہ سے اکثر لوگ کئی حرام کاموں کے مجرم بن جاتے ہیں۔ جیسے سود اور رشوت۔ ایسے افراد انسانیت کے لئے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی زیادہ بدنما داغ ہیں۔ رفاہیت کی طلب مفت خوری سے پیدا ہوتی ہے۔ آرام طلب انسان ہی سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے مخالف ہوتے ہیں، کیونکہ نظام نو کے اندر انہیں دولت بٹورنے اور محنت کا استحصال کرنے کی مطلق العنانیت نہیں ملتی۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

(کہو کہ میرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

غرض کہ رزق کی زیادتی اور کمی ایک خاص قاعدہ کے تحت ہے۔ جس میں مال کمانے کی قابلیت زیادہ ہوگی وہ زیادہ کمائے گا۔ لیکن خدائی قرب اس کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

(اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو درجہ میں تم کو ہمارا مقرب بنادے' البتہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا' ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دونا بدلہ ہے۔ اور وہ بالاخانوں میں اطمینان سے رہیں گے۔)

عمل صالح کے معنی یہ ہیں کہ سماج میں نادار (Haves not) کے لئے کام کرنا، محنت کرنا۔ ایسا کام آرام طلب لوگوں سے نہیں ہوگا۔ اور حد سے زیادہ آرام پسندوں کی آرام طلبی کا لازمی نتیجہ جہنم ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

(اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سر گرم ہیں، وہ عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔)

مذکورہ عادت آرام طلب لوگوں میں ہوتی ہے کہ اگر کمزور اور ضعیف طبقات کی بحالی کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے تو وہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دولت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے قرب کے مدعی بھی بنتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے مقرب کیسے ہوسکتے ہیں؟ بلکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ان کی حاصلات کچھ نفع نہیں پہنچائیں گی۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

(کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو تو وہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے پوچھے گا' کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، ہمارا تعلق تجھ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے ۔ بلکہ یہ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ انہیں کے مومن تھے۔)

عام طور پر ہر آدمی خود کو دین اور فطرت کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چور اگر چوری کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے مال حاصل کرنے کے لئے محنت کی اور یہ میری محنت کا ثمر ہے۔

دوسری یہ بات معلوم ہو کہ ہندوؤں کا ایک فیصد ایسا مشکل سے ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ عبادت کرتا ہو۔ بلکہ فرشتوں اور دیوی دیوتاؤں کا پجاری ہوگا۔ ان سے اگر پوچھا جاتا ہے کہ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں، تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ /خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں میں بھی ایسے افراد ملیں گے جو عبادت تو غیر اللہ کی کرتے

ہیں، لیکن جواب میں خدا کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ پیر فقیر خدا کے مقرب ہیں اور ہمارے اور خدا کے قرب کے درمیان وسیلہ ہیں۔ ان ہندوؤں اور ایسے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح عبادت میں مذکورہ نوعیت کی تحریف آگئی ہے، اسی طرح مذاہب اور طریقوں میں کچھ لوگوں نے زیادتی اور تعصب سے کام لیا ہے۔ جیسے کوئی آدمی حنفی مذہب کا مقلد ہے، تو کوئی مسئلہ اپنے فقہ حنفی کی کتابوں میں اسے صحیح حدیث اور قرآن کے مقابل نظر آئے گا، تو پھر بھی اس کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ عام لوگوں کی صورتحال ہے۔ البتہ خاص لوگ اس سے الگ ہیں۔ اس طرح کچھ عام افراد کسی طریقہ قادریہ یا نقشبندیہ میں سے کسی شیخ طریقت کی بیعت کرتے ہیں، تو اپنے مرشدین کو اس درجہ تک پہنچاتے ہیں کہ فرشتہ جان کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ اپنی زندگی میں وہ بزرگ انہیں منع بھی کرے تو مرنے کے بعد انہیں کون روک سکتا ہے۔ ہندو بھی اس طرح کی پابندی کی وجہ سے پھنس گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تقلید میں پہلے قرآن کو سامنے رکھ کر پھر مذہبی پیشوا کو اس کے سمجھنے کی خاطر تعلیم کا واسطہ بنایا جائے تو جائز ہے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی اسی طرح ہے۔ لیکن جو خدا کو بھول جائے گا، اسے بیت اللہ کا پجاری کہا جائے گا۔ ہندوؤں میں گمراہی اس طرح پھیل گئی کہ کسی بزرگ نے انہیں عبادت کا راستہ دکھایا ہوگا۔ چنانچہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ کو بھی بھول کر ان بزرگوں کے ناموں کے بت بنا کر پوجا کرنے لگے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ (۴۲)

(پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور نہ نقصان اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔)

غرض کہ ان کے معبود بھی انہیں نفع نہیں پہنچائیں گے اور فرشتے بھی بیزاری کا اظہار کریں گے۔

ظلم کی تفسیر:

ظلم صرف شرک تک محدود نہیں ہے بلکہ سرمایہ داری، اور رفاہیت بالغہ (عیش و عشرت کی زندگی) بھی ظلم میں داخل ہے، کیونکہ زیادہ مال ظلم کے ذریعہ ہی جمع ہوتا ہے۔ ہم جو اکثر و بیشتر یورپ کا ذکر کرتے ہیں، اس سے ہمارا مقصد یورپ کی حرفت (Technology) میں ترقی ہے، البتہ یورپ کی سرمایہ داری کو ہم لعنت سمجھتے ہیں۔ افسوس کہ جس طرح دینی معاملات میں شرک نے آگ لگادی ہے، رفاہیت بالغہ نے بھی اسی طرح مسلم معاشرے کو تباہ کر دیا ہے۔

انقلاب دشمنوں کی مزید علامات :

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

(اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور انہوں نے کہا، یہ تو محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا، اور ان منکروں کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔)

عمرو بن لحیی سے پہلے مکہ کی سوسائٹی ابراہیم علیہ السلام کی دین کی تابعدار تھی، لیکن جب عمرو بن لحیی نے ان میں شرک کی بنیاد ڈالی تو اس کے بعد سوسائٹی کے اکثر حصہ میں شرک آگیا۔ نبی ﷺ نے پھر انہیں دین حنیف کی طرف بلایا، لیکن یہ مشرک ناسمجھی کی وجہ سے قرآن کو جادو سمجھتے تھے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

(اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور ہم نے تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا)

غرض کہ جس انقلاب کا وہ انکار کر رہے ہیں، اس کے لئے ان کے پاس کسی الہامی کتاب کی دلیل نہیں ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

(اور ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انکو دیا تھا۔ پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، تو کیسا تھا ان پر میرا عذاب! کہو میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ، دو، دو اور ایک ایک، پھر سوچو کہ تمہارے ساتھی کو جنون نہیں ہے۔ وہ تو بس ایک سخت عذاب سے پہلے تم کو ڈرانے والا ہے۔)

انقلاب کی ابتداء :

جب کسی قوم میں انقلاب آتا ہے تو شروع میں اس کی تعلیم، ترویج واشاعت کے حامل افراد پیدا ہوتے ہیں۔ سابقہ رجائیت پسند جماعتیں اپنی تعداد کے بل پر اس انقلابی تعلیم کا انکار کرتی ہیں۔ وہ انکار کرنا ان کی حماقت اور بے وقوفی ہوتا ہے۔ ان رجعت پسند پارٹیوں کے پیروکاروں کو چاہیئے کہ اسے توڑ کر نئی پارٹی بنائیں، ورنہ انقلاب کے آتے ہی وہ

اپنے اعمال پر پشیماں ہو کر گڑگڑائیں گے، اور اپنی جان بچانے کی خاطر منت سماجت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس وقت انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ باغی کو بغاوت اور گرفت سے پہلے تو معاف کیا جاسکتا ہے، لیکن بعد میں اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت کے لئے سوسائٹی ایک روح کی مانند ہے۔ چنانچہ جب سوسائٹی تباہ ہوگی تو حکومت جلد شکست کھا جائے گی۔ قریش کو قدیم جماعت پر بھروسہ تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کو خام خیالی اور دیوانگی قرار دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ انہیں سمجھائیں کہ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایک یا دو دو مل کر غور کرو۔ آپ کو میری صداقت کا علم ہوگا۔ چونکہ آپ کے اجتماع میں یہ ادراک نہیں رہا اسلئے آپ خدا سے ادراک مانگیں۔ ایک یا دو افراد پر بوجھ کم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ابتداء میں جماعت کے صالح اور نیک افراد کی علیحدہ تربیت کی جائے اور انہیں غفلت سے بیدار کیا جائے۔ انہیں احساس دلایا جائے کہ غفلت حکومت اور معاشرے کے لئے تباہی کا باعث بنتی ہے۔

نبی کریم ﷺ قریش کو غفلت سے بیدار کر رہے تھے۔ جو لوگ رسول ﷺ کو (نعوذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے اس کے رد کے لئے مندرجہ ذیل چار احکامات بیان ہوئے ہیں۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾

(کہو کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی ہے۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ کے اوپر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔)

غرض کہ دیکھنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جو کام کرتے ہیں اور جو فنڈ جمع ہوتا ہے، وہ اپنے گھر لے جاتے ہیں، یا وہ قوم پر استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ قوم پر خرچ کرتے تھے اور اجر نہ لیتے تھے۔

اسی طرح دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم کے قانون کے تحت جب وہ حکومت قائم کریں گے، تو اپنے بیٹے یا کسی عزیز کے ہاتھ میں حکومت کی قیادت دینگے یا قوم کا کوئی ایک منتخب فرد اس حکومت کو سنبھالتا ہے۔ تو پھر ایسی شخصیت کو مجنوں یا دیوانہ کیونکر کہا جائے؟ جن لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ خلافت قریش نسل کو ہی کیوں ملی، وہ قرآن کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ آپ نبی کریم ﷺ سے خلافت کے متعلق سوال کریں۔ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر رسول کریم ﷺ میرے پوچھنے پر انکار کر دیں تو پھر ہمیں عام لوگوں کی طرح بھی خلافت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

دوسرا حکم :

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾

(کہو کہ میرا رب حق کو (باطل پر) مارے گا' وہ چھپی چیزوں کو جاننے والا ہے۔)

یعنی انقلاب ضرور آئے گا اور حق سے باطل کا سر ٹکرائے گا۔ پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ دیوانہ اور مجنوں کون ہے۔ غرض کہ کسی بھی سچے انقلابی کی گفتگو کو وہم اور دیوانگی نہ سمجھا جائے۔

تیسرا حکم :

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ (کہو کہ حق آ گیا اور باطل نہ آغاز کرتا ہے اور نہ اعادہ۔)

حق اور باطل کے معنی :

عام طور پر علماء کرام حق کے معنی کلمہ توحید اور باطل کے معنی شرک لیتے ہیں۔ اس حد تک تو صحیح ہے، لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ زبانی طور پر کلمہ توحید پڑھا جاتا ہے، لیکن عمل میں کوتاہی ہے۔ بعض مرجیہ عمل کو فضول سمجھنے والے فروع فقہی میں اپنے کو حنفی قرار دے کر عمل سے گریز کی اشاعت کرتے رہے۔ ان سے مسلمانوں کی عملی قوت کو زیادہ نقصان پہنچا۔ ہمارے متقیوں میں سے کچھ ایسے مرجیہ ہیں، لیکن محققین کا مذہب یہ ہے کہ عمل بھی ایمان کا جزو ہے۔ اس عمل سے مراد نیت، عزم مصمم اور دل کا عمل ہے۔ وہ ہی ایمان کا جزو ہے۔ باقی دوسرے عضوؤں کا عمل اسے مکمل کرنے والا ہے۔ محقق ابن الھمام نے اپنی کتاب ''مسامرہ'' میں اس کی بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔

ایک انگریز نے مسلمانان ہند کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے اگر کوئی مستقل مرکز ہے تو وہ دیوبند ہے، اور وہاں عملی قوت موجود ہے''۔ غرض کہ جس آدمی کی نیت سچی اور عزم مصمم ہے، وہ ضرور میدان عمل میں اترے گا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ باطل سے مراد کسریٰ اور قیصر کی حکومت اور حق سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت اور خلافت مراد لی ہے۔ ہم اسے پیش نظر رکھتے ہوئے حق سے مراد قرآنی احکامات کا اجراء اور باطل سے غیر قرآن کی حکومت کا اجراء لیتے ہیں۔

چوتھا حکم :

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

(کہو کہ اگر میں گمراہی پر ہوں، تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے، قریب ہے۔)

غرض کہ قریش کو سمجھایا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے دعویٰ کی بنیاد کیا ہے؟ اپنے عقل سے بیان کرتے ہیں یا کتاب الٰہی گذشتہ انبیاء علیہم السلام جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی بنیاد پر ہے۔ قریش مذکورہ انبیاء کو مانتے تھے۔ انہیں غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ اگر میں صرف اپنے بل پر کام کروں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ اگر تم غور و فکر سے کام لو تو یہ بات واضح ہے کہ میری ہدایت کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کی وحی اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ یہ باتیں مخالفین کو غور و فکر میں مدد دیں گی اور انہیں ہٹ دھرمی سے باز رکھیں گی۔ لیکن اگر انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا، تو ان پر انقلاب آکر رہے گا۔ پھر نجات کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝

(اور اگر تم دیکھو' جب یہ گھبرائے ہوں گے۔ پس وہ بھاگ نہ سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اتنی دور سے ان کے لئے اس کا پانا کہاں۔)

غرض کہ جب انقلاب کا صور پھونکا گیا تو پھر انقلاب کے دشمنوں کو بھاگنے اور معافی تلافی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِىْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝

(اور اس سے پہلے انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور بن دیکھے دور جگہ سے باتیں پھینکتے رہے اور ان کی اور انکی آرزو میں آڑ کر دی جائے گی، جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا۔ وہ بڑے دھوکے والے شک میں پڑے رہے۔)

تنبیہ :

آخر میں نوجوانوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اسلام کی انقلابی دعوت کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس ملک میں انقلاب ضرور آئے گا۔ آپ لوگوں کی اگر موجودہ حالت میں تعطل قائم رہا اور اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی تو اس انقلاب کا نتیجہ ہمارے دین اسلام کے لئے خطرناک ثابت ہو گا۔ بخارا جیسے قدیم علمی اور اسلامی مرکز میں انقلاب کو نہ روکا جا سکا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انقلاب کو آنے سے پہلے اسے سمجھنے کی

کوشش کی جائے اور نوجوانوں کو بیدار کیا جائے۔ عصر حاضر میں اسلام کی بقاء کی جدوجہد امام شاہ ولی اللہ کے افکار سمجھے بغیر نہیں ہوسکتی۔

فوجی نظام :

آپ نے اپنی آنکھوں سے ترکی کی شکست دیکھی۔ ترکی خلافت کو ہم مرکزی حکومت کہتے تھے۔ گزشتہ (پہلی) جنگ عظیم میں ترکی نے لاکھ فوجوں کو میدانِ جنگ میں اتارا۔ بے تحاشہ فوجی اخراجات کئے گئے۔ سولجر اگر ترکی کے تھے تو اسلحہ جرمنی کا تھا۔ اس وقت قدیم طرز پر ترکی بالکل ایک بڑی طاقت تھی اور ہمارے خلیفہ کی زندگی تک ہمیں یقین کامل تھا کہ ہم خلیفہ کی مدد سے مسلمانوں کی بقاو ترقی کا کام کرسکتے ہیں۔ باالآخر ترکی کو شکست ہوئی اور دنیا نے ایک نئے نظام کو عمل میں آتے ہوئے دیکھا اور پھر ترکی بھی اس جدید طرز پر ترقی کرنے لگا اور کررہا ہے۔ اب ہمارے نظریات میں تبدیلی آگئی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس پرانے شکست خوردہ نظام کا نام لے کر ترقی کا خواہاں ہے تو وہ احمق ہے اور اسے سیاست کا کوئی علم نہیں ہے اور وہ اپنے گھر میں لگی ہوئی آگ سے بے خبر ہے۔ اگر کوئی بھی قوم فوجی نظام مضبوط کرنے کی فکری اساس کو ختم کردے تو اس کا نظام حکومت بھی تباہ ہوجائے گا۔ چنانچہ مسلمانوں میں اس وقت ایسا کوئی فوجی نظام کہیں بھی نہیں۔

ہندوستان کا مسلمان :

ہندوستان میں دو قسموں کے مسلمان ہیں۔ ایک امام مہدی کے منتظر ہیں، یعنی جب امام آئے گا تو کام کریں گے۔ بالفعل وہ اس کے منتظر ہیں۔ دوسرے وہ مسلمان ہیں جو مہدی کے انتظار میں نہیں ہیں۔ ہم آخر الذکر مسلمانوں میں سے ہیں۔ ہمارے یہاں امام مہدی کا کوئی انتظار نہیں ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ شکست کے بعد کچھ لوگ امام مہدی کا بہانہ بنالیتے ہیں۔ ترکی میں بھی یہی ہوا۔ ایک پارٹی امام مہدی کی منتظر رہی کہ وہ آکر حالات بہتر بنائیں گے۔ جبکہ دوسری جماعت نے انکار کیا۔ آخر الذکر جماعت نے پہلی جماعت کو شکست دے کر قومی بقا کو تحفظ دیا۔ میں ان کا ہم خیال ہوں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ :

بالاکوٹ میں (جہاں سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کو شکست ہوئی)، ابھی تک ایک ایسی جماعت موجود

ہے، جو سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو امام غائب جان کر ان کی آمد کے انتظار میں ہے۔ اسی طرح سرمزائی شہر میں شیعوں کی طرف سے کچھ لوگ گھوڑوں پر تیار کھڑے ہیں۔ وہ بھی امام مہدی کے منتظر ہیں۔ اصل میں یہ عقیدہ شیعیت کا تھا جو آگے چل کر اہل سنت کے اندر بھی راسخ ہو گیا۔ امام مہدی کے لئے ایک روایت سنن ترمذی میں موجود ہے۔ پہلے اس راویت کو دیکھیں۔

لاتذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من اهل بيتى يواطى اسمه اسمى۔ قال الامام الترمذى هذا حديث حسن صحيح وليس فى احاديث المهدى حديث اصح اسنادا منه۔

یعنی دنیا کے جانے سے پہلے میرے اہل بیت میں سے عرب ملک میں ایک ایسا شخص حاکم ہو گا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہو گا۔ مذکورہ روایت اور امام مہدی کی آمد کے متعلق بیان کئے گئے حالات کا تقابلی جائزہ لیں تو صورتحال بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گی۔

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

دنیا میں جب مادہ، ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے، تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Struggle for Existence) شروع ہو جاتی ہے، چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل اموبیا (Amoeba) ہے، جو ایک خلیئے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے، اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے، خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے کو اور وہیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے کے لیے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے، رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جونہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں تعقل کا نور روشن ہوتا ہے، تو زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آجاتی ہے اور انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the Fittest) کا قانون جاری تھا، تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اتقیٰ یا انفع (Survival of Best) کا قانون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے، اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں، جو اپنے ارد گرد کے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں، جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں، روزمرہ کی زندگی میں چالاکی، پھرتی، اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں۔ لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی، بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے، انصاف قائم کرنے، خوب سیرتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کے خیال کو بھی اس کھینچا تانی میں دخل ہو گیا۔ اس لیے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے، کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آگئی۔ اس لیے انسانی جماعتوں میں

سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے۔۔۔۔ حیوانی حیثیت سے بلکہ انسانی حیثیت سے۔۔۔۔ زیادہ دیر تک زندہ رہے گی، جس میں عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ، خوب سیرتی سے محبت، اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہوگا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کام ہوتا ہوگا، ایسی قوم زیادہ متقی۔۔۔اتقیٰ [1]۔۔۔ کہلائے گی۔ جب کوئی انسانی سوسائٹی کشمکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے، وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعتِ اتقیٰ) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے، یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا ہے، اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آجاتا ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہو باقی رہے، بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary Forces) کے مقابلے میں آکر فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Havenots) غالب آجاتے ہیں، جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب گو کم ہوتے ہیں، لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں، وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصرِ روم اور کسریٰ ایران تھے۔ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل و انصاف نہیں کرتے تھے، بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف، کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی، لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے، جس میں عوام کی بھلائی، خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین، انصاف، حب جمال، اور تہذیبِ نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے کے اصول محض مادی، سامان کی زیادتی پر غالب آئے کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا، بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے، اس لیے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ وہ خدا

---

[1] قرآن حکیم کی اس آیت ''اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ'' (۱۳/۴۹) (خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو خدا سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے، سیدنا عبدالقادر جیلانی تقوے کے معنے میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی (الآیہ) پس عدل قائم کرنا تقویٰ کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

پرستی کو انسانیت کا ایک لازم جز ٹھہراتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے (Ptiesthood) کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے، جس کا عام لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضروریات۔۔۔ کھانا، پینا، کپڑا، مکان، تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہوں۔ جس سوسائٹی پر قرآنِ حکیم حکمران ہوگا، اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا، کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہوگا، اور نہ جاہل اور بے علم رہے گا، ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہنچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے، وہاں وہ ہر ایک انسان کی طبعی، حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے، وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خدا تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔

یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے، کہ یہ اونچے درجے کے اصول، جنہیں قائم کرنے کے لیے حجاز کا　بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں ہوا، ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔ چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے　کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (سورہ جاثیہ: ۲۳) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا؟) میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے۔ باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں، جیسے ٹیکس وصول کرنا، جزیہ جمع کرنا، فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا۔ مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا، یہ سب سیاست کی باتیں ہیں، ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے، جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے یہی لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے '' کہ انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا۔''

حضرت نبی اکرم ﷺ کی ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگی رہی۔[1] نماز، روزہ وغیرہ

[1] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی، اس لئے حضرت ابراہیمؑ توحید کی اشاعت ہی کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت، نماز، حج، زکوٰۃ روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرمؐ کے زمانے میں ملتوں۔۔۔ میں گڑبڑ پڑ چکی تھی اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اس خرابی سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی،

فرض ادا کرنے کے بعد آپ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہی ''دنیاوی'' باتوں میں گزرتا تھا۔ قرآن کی اشاعت ہے، باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں، بادشاہوں کی طرف قرآن کی دعوت ہے، مقدموں کے فیصلے ہیں، لشکروں کی تیاری ہے، جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں، ان پر لشکر کشی ہے، مالیانے کی جمع ہے، تعلیم کا انتظام ہے، غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے، ان کے قرضوں کے ادا کرنے کا انتظام ہے، یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے، بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام ہے جسے بعد میں ''سیاسی'' قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست ''مذہب'' یا ''دین'' سے الگ کوئی چیز ہے اور سیاست کا تعلق ''دنیاداری'' کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہؐ کی پاک اور برکت والی زندگی ''مذہبی'' کی بہ نسبت ''دنیاوی'' زیادہ تھی۔

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ تعمیر ادھوری رہ جاتی ہے۔

حکمت ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہوگی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر راسمالی (Anti-Capitalistic) ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ راسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرلیں۔ دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے، تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti Capitalist) قانون بنادے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون دان مجتہدین [1] کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ [2] ہے۔

جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال [3] جس کو مسلمانوں ہی کی ضروریات میں استعمال کیا جاتا تھا، اسی کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال کے انتظام میں

اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے، عبادتوں کی اشاعت کرنے، اور ان کے اوقات کے معین کرنے کے لئے بھیجا اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپیریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرمؐ کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے۔ (تفہیمات الٰہیہ، جلد اول صفحہ ۰۶)

[1] مجتہد وہ عالم ہے، جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے۔ (مرتب)

[2] فرض کفایہ یہ ہے، کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے تمام جماعت کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں، اس کے مقابلے میں فرض عین ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

[3] حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ

ختم ہو گیا! اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام[1] کا عہدہ بھی قائم ہے جو گویا "دینی" باتوں میں بادشاہ کو "مشورہ" دیتا ہے لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں اٹھتا جو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے! بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا (اِلاَّمَاشَآءَاللہ) اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کر دی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں، روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کر کے سکھانے لگے، اس لیے ان کی علمی قوت کمزور ہو گئی۔ اب انہیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر رہی نہ ملکی اقتصادیات کی! اگر عالم لوگ روزمرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل نہ دینے لگتے اور وہ عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی "خواہشوں کو اپنا معبود" بنائے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کر سکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لیے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں کوئی مجتہد پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جن عالموں نے اس پیراپیگنڈہ میں بادشاہوں کی طرفداری کی وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔ یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے جو عالمِ مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اسلام میں جو لفظ 'احسان' استعمال ہوتا ہے، وہ عالمِ مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے، جیسے ہم نے مرکز کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو، ویسے ہی اہلِ احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے، جس کا کائنات کے روحانی مرکز کے ساتھ تعلق ہو۔[2]

تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہی دو باتیں مراد ہیں۔

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں بتائی ہے، اسے کھول کر بیان کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کائنات

[1] مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ (مرتب)

[2] خطیب بغداد جو حضرت امام ابو حنیفہ کا بڑا سخت مخالف ہے، تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس مشاورت کے چالیس میمبر تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ امام قاسم بن معن لغوی، امام عبداللہ بن مبارک محدث، امام ابو یوسف فقیہ، امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائیؒ جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Cosmic Rays) کے پیدا کرنے والے خطے سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالمِ مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے، وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں، جو اس مادی کائنات کو کنڑول کرتی ہیں۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں اس جگہ کو حظیرۃ القدس (Sanctus Permagnum) کہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے، جسے حضرت امام "تجلی اعظم" فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے (Events) پہلے حظیرۃ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ ہوتا ہے، شانِ الٰہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کر لیتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہوگا۔ ان اہلِ احسان کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم، اللہ تعالیٰ کی ہر نئی شان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے۔ اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی (Reaction) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اسلامی زمانے میں یہ کام اہلِ اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہلِ احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پا سکتے ہیں!!

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سیاستدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں اور پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کر کے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں، لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے، اس لیے ان کے نتیجے کمزور، ناقص اور نامکمل رہتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کر لی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (۵۹/۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور چاہیے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے!"

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے، اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا سکتی ہے۔ کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود

ہے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا، وہ نمونہ قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا، جو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے، اس کا نام ہے امام ولی اللہ دہلوی (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر) حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمانؓ کے دور تک منحصر کر دیا ہے۔ اور برعظیم پاک وہ ہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا۔

اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں، سورۃ "قتال" یا "سورۃ محمد" کی تفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شارح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اسی انقلابی رنگ میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآنی انقلاب کس طرح قومی پیمانے سے ترقی کر کے، کُل قومی انقلاب بن جاتا ہے اور کُل قومی (بین الاقوامی) میدان میں اس انقلاب کا نصب العین (Ideal) کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہاں بھی حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر ایسی سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) جماعت پیدا کی جائے، جو قرآن حکیم کی غیر راسمالی تعلیم کو اپنائے اور اس ملک میں اس انقلاب کو کامیاب بنائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والعاقبة للمتقين الذين ان مكنهم الله في الارض يقيمون الصلوة ويوتون الزكوٰة وهم يوقنون والصلوة والسلام على رسوله محمد صاحب دعوة الانقلاب العمومي وعلى اصحابه الذين اتبعوه في ساعة العسرة كما اتبعوه في ساعة الفتح والذين اتبعوهم باحسان۔ اللهم اجعلنا منهم۔ آمین۔

(ہماری آخری بات یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جو تمام قوموں کو پالنے اور ترقی دینے والا ہے۔ اچھا انجام انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے، جو اللہ سے ڈر کر عدل قائم کرتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں کسی ملک میں حکومت دے دے، تو وہ نماز کی شکل میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور خدا کی غریب مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ نکال کر اسے پاک کر کے کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام کاموں کی جوابدہی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو، اس نبی اعظمؐ پر جو کل قومی انقلاب کی دعوت دینے کے لیے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے تنگی کے دنوں میں بھی اس کی پیروی کی اور فتح کے دنوں میں بھی اس کے قدموں کے نقوش پر چلے۔ اور ان لوگوں پر بھی جو ان انقلابی مجاہدین کی پوری طرح پیروی کریں۔ خدایا! ہمیں ان انقلابیوں کا ساتھی بنا۔ آمین)۔

المرتب
بشیر احمد۔ بی اے، لودھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ قتال یا سورۃ محمد (ﷺ)

قرآنی انقلاب اور جنگ

نام:

سورہ محمد (ﷺ) کا دوسرا نام سورۃ قتال بھی ہے، یہ مدنی سورۃ ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں جنگِ بدر کے بعد ۲ ہجری میں اتری۔

پچھلی سورت سے ربط:

اس سورت سے پہلے حٰمٓ والی سورتیں ہیں، جو سب کی سب مکی ہیں۔ ان میں عالمگیر کُل قومی انقلاب کی تیاری کے متعلق قومی پیمانے پر کام کرنے کے لیے تعلیم دی گئی ہے۔ جو روح کے اعتبار سے حنیفی ہے۔ یعنی اس کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پیدا ہوئے۔ ان کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-Capitalism) ہے۔ یہی انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس انقلاب کی تیاری تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد یہ انقلاب ایسے پیمانہ پر آ گیا کہ اسے جماعتی حلقے سے نکال کر قومی پیمانے پر چلایا جائے۔ چنانچہ سورۃ محمد (ﷺ) یا سورۃ قتال میں ہمیں اس انقلاب کے لیے قومی جنگ کے متعلق چند قواعد بتائے گئے ہیں۔

اگلی سورت کے ساتھ ربط

اس سورت کے بعد سورۃ فتح آتی ہے، جس میں قومی انقلاب کے پورے ہو جانے کے بعد جس کا اظہار صلح حدیبیہ میں ہوا، اس کا کل قومی نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اس سورت میں جنگ کے متعلق چند احکام دیئے گئے ہیں۔ قرآن کا جنگ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی انفرادی اور رہبانی

تحریک نہیں ہے، جس کا تعلق فقط چند اونچے درجے کے انسانوں کے ساتھ ہو، بلکہ یہ اجتماعی تحریک ہے، جس کا تعلق ساری انسانیت کے ساتھ ہے۔

اجتماعی تحریک کی دو قسمیں

اجتماعی تحریکات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ارتقائی تحریکات (Evolutionary Movements)

(۲) انقلابی تحریکات (Revolutionary Movements)

ارتقائی تحریکیں

ارتقائی تحریکات میں تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ فقط پراپیگنڈہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریکوں میں جنگ بطور ایک آلے کے بالکل شامل نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں جماعت بندی ہوتی ہے۔

انقلابی تحریکیں

انقلابی تحریک میں انسانیت کے لیے فلاح کا ایک نصب العین (Ideal) ہوتا ہے۔ اس پر جماعت بندی ہوتی ہے۔ وہ جماعت اپنے پروگرام (Programme) کو ملک میں چلانے کے لیے حکومت کی کُل پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس لیے جنگ بھی اس کے پروگرام میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں (تبدیلی مخالف عناصر Reactionaries) سے بھی پاک کریں۔ وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں، تبھی ان کے حملہ آور ہونے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر اقدامی طور پر ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ (Defensive) تھی؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ارتقائی نہیں بلکہ انقلابی تحریک ہے۔

جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے، جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور اقدامی جنگیں بھی۔

انتفاعی جنگ

البتہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے، جو گری ہوئی، انسانی سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں اور آج کل بھی اس قسم کی جنگیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنا کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس قسم کی جنگ کو ہم انتفاعی جنگ (Expliotative) کہتے ہیں، یہ منڈیاں حاصل کرنے یا امپریل فائدے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ [1] اس میں کسی خاص صالح فکر کے پھیلانے اور انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم اس قسم کی جنگ کا ہرگز حامی نہیں ہے۔ وہ فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اسے وہ مدافعانہ اور اقدامی حملوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا اقدامی کسی عذر خواہی (Apology) کی ضرورت نہیں۔

قرآن کا فکر

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک صالح فکر پیش کرتا ہے۔ جس میں انسانیت کے سب پہلو آ جاتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی تیاری بھی۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سر بلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لئے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا دوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتیں۔

کافر کون ہے؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے، تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں کافر کہلاتی ہے اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔

[1] جیسے مغربی اقوام ایشاء اور افریقہ میں نوآبادیوں کے ذریعہ کرتے رہے ہیں۔ (مرتب)

قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت کی بنیاد پر لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔

اسلامی انقلاب کے اس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران تھا، اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والے فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔

"کافروں" سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے، یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے، کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک ارتقائی تحریک ہوتی، تو اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے، وہ ایک انقلابی تحریک ہے، اس لئے وہ رجعت پسندوں (Reactionaries) کو، اگر وہ عملاً مخالفت کریں، اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت (Compromise) کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے، تو ملک میں نراج (Anarchy) پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں، انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی اور ان کے جائز قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ کرے گی۔

اسلام اور جنگ

تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے، اسلامی قانون کے کسی ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا، کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ جب سے، مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا، یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے، کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے قتال نہیں ہے۔ جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ ہی ہے اور بس۔

یورپ کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ، یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اسلامی ملکوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، یعنی اس میں خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے۔ اس کی جواب دہی کے لئے چند عقلمند تیار ہوگئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے۔ مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور پر نہ بچ سکے اور ان سے بھی یہ کہلوا لیا گیا، کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ (Defensive war) کی اجازت ہے، حالانکہ خود یورپ اس وقت پوری دنیا میں ایک طرف جارحانہ جنگ (Aggressive war) تو دوسری طرف وہ انتفاعی جنگ (Exploitative war) میں مصروف تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کے اسے خوب شہرت دی۔

رجعت پسندوں کا ایک فریب

اس دور میں مسلمانوں میں جو رجعت پسند (Reactionaries) جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے، انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لئے ایک اور چال اختیار کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہوگئے، جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے، جو بدقسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے تھے، لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے، کہ قتال کی یہ شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟ اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈھنے کی تکلیف اٹھاتی، تو انہیں معلوم ہو جاتا، کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سے جہاد کرنے والے موجود ہوں، تو بعض لوگ، جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں، ان کا عذر مان لیا جا سکتا ہے، وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے، کہ اگر کوئی بھی اس میں حصہ نہ لے، تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں، اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے، کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے، جس میں جہاد ہو سکے۔

دوسرا فریب

ایک اور جماعت نے جہاد کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اسے مہدیؒ کی آمد کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ ان روایتوں کو صحیح مان لینے کے بعد بھی، جن میں مہدی کے آنے کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، یہ کہا جا سکتا ہے قرآن

حکیم کی تعلیم کا کُل قومی غلبہ کسی مہدی یا پیغمبر کی آمد سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ یہ تعلیم اپنے آپ کو غالب کرنے کی آپ ذمہ دار ہے۔

نمونے کی جماعت

غرض جب انقلابی جماعت انسانیت مخالف نظام کو برباد کرکے اس کی جگہ صحیح انسانی نظام قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائے، تو یہ جماعت تمام کارکن جماعتوں کے لئے نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ جماعت قتال کا حکم دیتی ہے اور اس کے ذریعے غلبہ پاتی ہے۔ اس حالت میں حق کی پیروی یہی ہوتی ہے، کہ قتال کیا جائے۔ یعنی جو شخص قتال میں شریک ہو یا کوئی ایسا کام کرے جو قتال کے حق میں ہو، اس کے موافق ہو اور اس میں مددگار ہو، تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کے حق میں ہوتی ہیں اور خدا کی رحمت اس پر اترتی ہے اور جو شخص قتال کی مخالفت کرتا ہے یا عذر معذرت کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، ملاء اعلیٰ سے اس پر ناراضگی اترتی ہے اور وہ منافق گنا جاتا ہے۔

منافقین کا اخراج

انقلابی جماعت کو سب سے زیادہ خطرہ منافقوں ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس جماعت کے اندر رہ کر اس میں پریشان خیالی پھیلاتے ہیں۔ اس لئے لڑنے والی اسلامی جماعت میں سے منافقوں کا نکالا جانا ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ کام ہوشمندی کے ساتھ کرنے کا ہے۔

اسلامی حجازی انقلاب نے کامیابی کی سب منزلیں بڑی جلدی طے کرلیں اور اس کی جماعت نے تیاری کرنے اور لڑنے کی طاقت پیدا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ پھر بھی اس میں منافق گھس ہی آئے۔ شروع شروع میں مصلحت یہی تھی، کہ منافقوں پر تشدد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عام مسلمان انقلابی اپنے علم سے منافق اور غیر منافق میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کسی شخص کے منافق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ خود نبی اکرمؐ کی ذات مبارک کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر آنحضرتؐ منافقوں پر تشدد کرنے کا اشارہ کر دیتے، تو یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی، کہ آپ جس شخص کو پسند نہیں کرتے، اسے منافق قرار دے کر مروا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بات کسی قانون کے نیچے نہ آتی، بلکہ ایک شخص کے فیصلے پر رہ جاتی۔ حالانکہ جماعت کی ترقی کے لئے شخصی فیصلے کی جگہ باقاعدہ قانون کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ آنحضرتؐ اس بات سے عام طور پر بچتے رہے، کہ جماعت کی کسی بات کو اپنی ذاتی رائے سے چلائیں۔ آپ کی غرض یہ تھی، کہ جماعت یا عوام میں اللہ کے قانون کی پیروی کا جذبہ مساوات کے ساتھ پیدا ہو اور وہ سمجھ

لیں، کہ قانون کے سامنے چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی سب برابر ہیں۔ فقط قرآن کے سمجھنے کے لئے آپؐ کی ذات پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب باتیں آپ ﷺ نے اپنے ان ساتھیوں کو، جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے، سکھادیں اور انہیں علم میں پکا (راسخین فی العلم) بنادیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے، تو آپ کی جماعت میں قانون الٰہی کی پیروی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔

غرض حٰمٓ والی سورتوں میں کُل قومی انقلاب کے لئے عربی مزاج کو ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی، اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا، کہ جو لوگ اپنے اندر یہ ذھنی تبدیلی پیدا کرلیں اور اس تعلیم پر پورا پورا ایمان لے آئیں، وہ ان لوگوں سے الگ ہوجائیں، جو اس تعلیم کو نہ مان کر جمود اور شرک میں پھنسے رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ترقی پسند انقلابی طبیعت رکھنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہؐ کی رہنمائی میں جمع ہوگئے۔ یمن اور نجد کے باشندے اور عراق اور شام کے قریب بسنے والے لوگ پہلے پہل اس جھگڑے سے الگ رہے اور دیکھتے رہے کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے، اس کے ساتھ معاملہ کرلیں گے۔ لیکن حجاز میں رجعت پسندوں اور انقلابیوں کے جو دو گروہ بن گئے تھے ان میں جنگ ہونی لازم تھی۔

حجازی انقلاب کی منزلیں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے، جو حجاز کی انقلابی جماعت کے رہنما تھے، اور جنہوں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر کُل قومی انقلاب کا پکا ارادہ کر رکھا تھا:

(۱) سب سے پہلے تو لوگوں کو اپنے پروگرام کی طرف بلایا،
(۲) پھر انقلاب کے لئے ایک مضبوط جماعت تیار کی،
(۳) کوشش کی کہ مخالفین آپؐ کی تعلیم قبول کرلیں،
(۴) جنگ کی تیاری کی،
(۵) مدینہ منورہ میں مرکز قائم کیا،
(۶) مدینے والوں اور ارد گرد کے رہنے والوں کی قوت جمع کی،
(۷) جنگ کی،
(۸) مخالفوں کو ان کے مرکز سے نکال دیا،
(۹) ان پر غلبہ پایا، اور

(۱۰) اپنا قانون، ماننے اور نہ ماننے والوں پر چلایا۔

یہ فتح درجہ بدرجہ کل قومی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور یہ کامیابی قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق انقلاب کرنے والوں کے لئے رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی۔ سورت محمد میں اسی پہلی انقلابی جنگ۔۔۔۔۔ بدر۔۔۔۔۔۔کا ذکر ہے۔

(۱) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ

ترجمہ: جن لوگوں نے صرف دشمنی نکالنے کی خاطر اس تعلیم کو ماننے سے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا، اللہ نے ان سب کے اعمال اکارت کردیئے۔

آیت نمبر (۱) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے دشمنی نکالنے کی خاطر انکار کیا سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے قرآنی انقلاب کی تعلیم کو ماننے سے انکار کردیا اور سوچ سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه (اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا) انہوں نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے والے انقلابیوں کے لئے ایسے حالات پیدا کردینے کی کوشش کی، کہ وہ اس تعلیم پر آزادی کے ساتھ عمل نہ کرسکیں۔ مثلاً ان کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلائیں، انہیں تکلیفیں دیں، ان کا بائیکاٹ کیا، انہیں قید کیا، بعض کو قتل بھی کردیا۔ جب یہ انقلابی ان مصیبتوں سے بچنے کے لئے اپنے گھربار اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے، تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہاں سے بھی گرفتار کرکے لانے کی کوشش کی۔

کافروں کی ناکامی

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (اللہ تعالیٰ نے رجعت پسندوں کے اعمال اکارت کردیئے) یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں سے، جو ان مسلم انقلابیوں کے خلاف کررہے تھے، کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے۔ اور قرآن حکیم پر لوگوں کے اجتماع کو روک نہ سکے۔ اب جو انہوں نے جنگ کے ذریعے سے انقلاب کو روکنے کی کوشش کی ہے، تو یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اگر رجعت پسندی کے مقابلے میں یہ انقلابی طاقت نہ ہو تو رجعت پسندی تمام دنیا پر چھا جائے اور انسانیت کو تباہ کردے۔

کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت

قرآنی جماعت، جو ان لوگوں سے جنگ کرے گی، تو اس لئے نہیں کہ وہ اس کی بات نہیں مانتے، بلکہ اس لئے کہ

وہ اس کی بات کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآنی تحریک کا مقابلہ نہ کریں اور اس کے نیچے امن و چین سے رہیں، تو ان سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ اسلامی فتوحات کے زمانے میں جس قوم نے اسلامی حکومت کے نیچے رہنا مان لیا، اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی گئی اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا۔ قرآن حکیم صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانیت میں سے استحصالی انسانیت کش رجعت پسند قوتوں کے غلبے کو توڑ دے اور اپنا انسانیت آفرین انقلاب قائم کر دے۔

آیت نمبر (۲) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ۝۲

(اور جو لوگ ایمان لائے، اور اس (ایمان کے مطابق) نیک عمل کیے۔ اور ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر اتاری گئی۔ اور وہی ہے سچی بات ان کے رب کی طرف سے۔ (اللہ نے) ان کی برائیاں ان سے دور کیں اور ان کا حال سنوارا۔)

ایمان دار کون ہیں؟

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے): یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حنیفیت کے عام قاعدے مان لئے، اور پورے یقین کے ساتھ ان کی کامیابی کے لئے اپنی جان و مال اور سب کچھ قربان کر دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ یہ ایمان کا عام درجہ ہے، اور اس میں تمام تعلیمات شامل ہیں، جو انبیاء کرام لے کر آئے۔ ان کی ترقی یافتہ اور صاف شکل حنیفیت ہے۔

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (انہوں نے نیک کام کیے): کاموں کی اچھائی اور بھلائی کی جانچ یہ ہے کہ وہ کہاں تک ان کے ایمان کے مطابق ہیں۔ اگر وہ ان کے ایمان کے مطابق ہیں تو صالح ہیں، ورنہ نہیں۔

وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (انہوں نے اس تعلیم کو مان لیا جو محمد ﷺ پر اتری)

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

حضرت محمد رسولؐ جہاں حنیفیت کی تحریک کے داعی ہیں، وہاں اس کے آخری درجے کے مستقل امام (Leader) بھی ہیں۔ اور وہ اس کا کُل قومی درجہ ہے۔ آنحضرتؐ نے جو امت تیار کی، وہ قرآن حکیم کو عالمگیر درجے پر کامیاب بنائے گی۔

وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے): یہ تعلیم تمام پہلے انبیاء کی تعلیم کا

خلاصہ ہے۔ اور انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس لئے یہ اصل چیز ہے، اور پائیدار دائمی تعلیم ہے۔ اس کے خلاف چل کر کوئی انسانی جماعت کسی زمانے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اب اسے کُل قومی (بین الاقوامی) درجے پر انسانیت میں حکمران بنایا جائے۔

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (ان کی لغزشیں چھپادی جائیں گی۔ اوران کے حال کی درستی کردی جائے گی)

لغزشوں کی معافی

جب کوئی جماعت وسیع پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھتی ہے، تو اس سے لغزشوں کا ہوجانا طبعی بات ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ جان کی بازی لگادیتی ہے اور حق کو حق سمجھ کر قبول کرتی ہے، اور جہاں اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے فلاں غلطی ہوگئی ہے، وہ فوراًاس سے باز آجاتی ہے اور اس کا بدلہ اتارنے اور درستی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور پھر حق پر قائم ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کی پہلی لغزش توجہ کے قابل نہیں رہتی۔ مثلاًایک دیہاتی ہے وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اسے انسانیت کے صحیح اصول سمجھادیئے جاتے ہیں۔ اور رجعت پسند طاقتوں کا جو طریق ہے، وہ بھی اسے بتادیا جاتا ہے اتنی سی تعلیم ایک آدمی کو چند منٹ میں دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اسے آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق کی تائید میں اپنی جان دے دے۔ وہ اس پر آمادہ ہوجاتا ہے، اور آخر دم تک اس پر قائم رہتا ہے۔ ایسے شخص میں بہت سی ظاہری کمزوریاں ہیں، وہ شاید غلطیاں بھی کرتا ہے۔ مہذب افراد اور متمدن قومیں اس میں ہزار عیب نکال سکتی ہیں، لیکن انقلابی قانون میں یہ تمام غلطیاں معاف کردی جاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی حالت درست کردی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ جس کے بعد تہذیب اور شائستگی کا اور کوئی معیار دنیا قبول نہیں کرتی۔ اس طرح وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے ''مہذب'' لوگوں کی نظروں میں عیب تھیں، اب مہذب کہلانے کے لئے اچھی قرار پاتی ہیں۔ غرض جو لوگ اس انقلابی قانون کے پابند ہوں، اس کے غلبے کی کوشش کریں، خدا تعالیٰ کو اپنا مددگار اور مالک قبول کریں، ان کی حالت درست ہوجاتی ہے۔ اور انہیں دنیا میں امن، عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے، وہ دنیا میں حاکم بن کر رہتے ہیں۔

آیت نمبر (۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ

(یہ اس لئے ہے کہ جو منکر اور دشمن ہیں، وہ جھوٹی بات پر چلے۔ اور جو ایماندار ہیں انہوں نے اپنے رب کی طرف سے سچی بات مان لی۔ یوں اللہ لوگوں کو ان کے حال بتاتا ہے۔)

کامیابی کی گارنٹی

رجعت پسند کافروں نے اس انقلاب کو مٹانے کے لئے لاؤ لشکر تیار کیا اور بہت بڑی فوجی جمعیت اور سامان فراہم کرلیا۔ ان کے مقابلے میں انقلابی مومنوں کی حالت بہت کمزور تھی۔ ان کے پاس نہ پورا سامان جنگ تھا، نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ البتہ انہیں یقین تھا کہ ہم سچائی پر ہیں، اس لئے وہ مضبوطی سے اڑے رہے، اور فتح نے ان کے قدم چومے۔ پس یہ فتح اس بات کا نتیجہ تھی، کہ انہیں اپنے مقصد کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ یہ چیز رہتی دنیا تک تمام قوموں کے لئے ایک مثال ہے۔ پس جو لوگ عالمگیر انقلاب کے لئے اٹھیں، وہ اسی مقصد کو لے کر اٹھیں جو صحیح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہو، جیسے ان حجازی انقلابیوں نے کیا۔ وہ اس مقصد پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں، اس وقت ان کی فتح یقینی ہے۔

کفار جس پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں، وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ ایک چھوٹے سے طبقے کو پہنچتا ہے۔ اور اس میں خدا ترسی بھی صحیح شکل میں نہیں آتی، جو انسانیت کی طبعی پیاس بجھا سکے۔ لیکن قرآن حکیم کا پروگرام عوام کے فائدے کے لئے ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے اور اس کی دعوت بنیادی انسانیت کے لئے ہے، جو نہایت پائدار۔۔۔ حق [1] ۔۔۔۔ ہے، جب تک انسانیت موجود ہے۔ اس تعلیم کا قائم رہنا اٹل ہے۔ اس کے مقابلے میں جو غلط تعلیم آئے گی، وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

اگلی آیت میں بتایا جاتا ہے، کہ اس قسم کی جنگ کے وقت کون سے قاعدے سامنے رکھنے چاہییں۔

آیت نمبر (۴) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

(سو جب تم دشمنوں کے مقابلے میں آؤ، تو (ان کی) گردنیں مارو، کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو بندھن مضبوط کرلو۔ پھر یا احسان کرو یا معاوضہ لے لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ سن چکے! اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے، لیکن وہ تم کو ایک دوسرے سے جانچنا چاہتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔)

(ا) (الف) اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (جب اس تحریک کے نہ ماننے والوں سے تمہاری جنگ اور مقابلہ ہو، تو ان کی گردنیں مارو)

---

[1] ''حق'' کے بنیادی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں، جو چیز انسانی فطرت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ (مرتب)

رجعت پسندوں کا خاتمہ کردو

انقلاب کا یہ لازم جز ہے کہ رجعت پسندوں کے غلبے کو پوری طرح توڑ دیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جنگ میں ذرا بھی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

(ب) حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا (یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو، تو ان پر بندھن مضبوط کرلو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔)

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

مخالفین کی اتنی سرکوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے ہونے کا ارادہ نکل جائے۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں، تو انہیں گرفتار کرلو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کرسکیں۔ ان کی اشاعت، اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگادی جائیں، یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہییں، جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہوجائیں اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کرسکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً ان کے ذہنوں سے نکل جائے۔ [1]

(ج) فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (پھر بعد میں احسان کرو یا معاوضہ لو)

قیدیوں کے متعلق احکام

انقلاب میں جو قیدی گرفتار ہوں، ان کے متعلق دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) انہیں معاوضے کے بغیر بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کے متعلق ہوسکتا ہے، جو رجعت پسندی سے باز آجائیں اور جن کے متعلق یقین ہوجائے کہ وہ واقعی آئندہ ہمارے مقابلہ میں نہیں آئیں گے۔

(۲) معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

اس کی چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ، اپنی کتاب 'بدور بازغہ' (صفحہ ۸۰) میں فرماتے ہیں کہ و لیکن اول نظرہ الی قھر الاعداء و تفریق اجتماعھم و جبن قلوبھم و الیاس من الجناۃ۔ (امام کا فرض ہے کہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا غلبہ دشمن پر رہے، وہ ان کا کوئی اجتماع نہ ہونے دے ان کے دلوں کو کمزور کرتا رہے اور انہیں کبھی اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ نجات پاسکیں) (مرتب)

(۱) دشمن کے آدمی یرغمال کے طور پر لے لیے جائیں۔ (۲) مسلمان قیدیوں کے معاوضے میں رہا کر دیا جائے (۳) روپیہ لے کر رہا کر دیا جائے (۴) مکاتبت[1] کر لی جائے۔

یہ سب قواعد حالت جنگ کے لیے ہیں۔

کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ اسلام میں "غلامی" نہیں ہے۔ ان کا یہ بیان ہے کہ "قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے، پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انہیں ہمیشہ غلام بنا کر رکھا جائے۔ ان کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا۔ یہ جاہلیت[2] کی رسم تھی کہ غلام بنانے کے بعد انہیں رہا نہ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے غلام بنانے کی جاہلی رسم کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں انہیں رہا کر دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یورپ نے غلامی کی آزادی میں جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیروی میں کیا۔"

ہمارے نزدیک ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے پر ایک تاریخی اعتراض آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حالانکہ خلفاء راشدین[3] کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیے تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غلامی کی تنسیخ کے متعلق جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے بہت ہی مبالغے سے کام لیا ہے، خاص کر اس آیت سے دلیل لینا کہ غلامی منسوخ کر دی گئی ہے، تکلف سے خالی نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی شکلیں

اس آیت میں جو لفظ فِدَآءً (معاوضہ لے کر) آیا ہے اس سے فقط یہی مراد نہیں ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی کے معاوضے کا روپیہ لے لیا جائے، یا قیدیوں کا آپس میں ادلا بدلا کر لیا جائے، بلکہ ہمارے نزدیک اس میں مکاتبت بھی داخل ہے۔ ایک آدمی گرفتار ہو کر قید ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے کہ اس کے فدیے کا روپیہ دے کر رہا کرا لے اور نہ دشمن کے پاس مسلم قیدی ہیں کہ ان میں سے کسی کے بدلے میں اسے رہائی ملے اور نہ اس

---

[1] قیدی کا کما کر اپنے رہائی کا معاوضہ ادا کر دینے کا معاہدہ۔ (مرتب)

[2] حضرت محمد رسول اللہؐ نے عرب میں اسلام پھیلایا۔ اس سے عین پہلے جو زمانہ تھا، اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔ (مرتب)

[3] حضرت محمد رسول اللہؐ کے بعد چار خلفاءِ صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علی المرتضیٰؓ۔ (مرتب)

کی ایسی حالت ہے کہ اسے بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔ ایسا جنگی قیدی یقیناً غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ ایسے غلاموں کے متعلق سورہ النور میں جداگانہ حکم موجود ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور: ۳۳)

(تمہارے لونڈی غلام میں سے جو مکاتبت چاہیں، ان کو مکاتبت دے دو، بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے انہیں کچھ دے دو۔)

کن قیدیوں کو رہا کیا جائے؟

یہاں ''بھلائی'' سے مراد یہی ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد مسلمانوں سے جنگ نہ کریں، یا اگر وہ مسلم سوسائٹی ہی میں رہنا پسند کریں تو اس پر کسی طرح سے بار نہ ہوں جب تک کسی شخص کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ وہ جنگ سے باز آجائے گا یا مسلم سوسائٹی کے لیے مضر یا بار ثابت نہ ہوگا، اسے عمر بھر قید رکھنا جائز ہے، لیکن جب اس کی ''بھلائی'' کا یقین ہو جائے تو اس سے مکاتبت کر لی جائے اور اس سے اس کا زر فدیہ قسطوں میں وصول کر لیا جائے۔ اگر وہ روپیہ ادا نہ کر سکے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس قیدی کی مالی مدد کریں اگر مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے اس کی مدد نہ کر سکیں تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کے جمع کیے ہوئے مال سے اس مکاتب کو دے۔

بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں، ان میں خود ان قیدیوں کی بھلائی کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف ان لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی جنھوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کے زمانے میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور اس حق سے محروم کیا گیا ہو۔ اس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی، البتہ اس زمانے میں مسلمان علماء اس غفلت پر تنبیہ کرتے رہے، گو بعد کی صدیوں میں امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کر لیا جو بے حد افسوسناک ہے۔

قید کے طریق

اصل بات یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (۱) مرد اور (۲) عورتیں۔ انہیں رکھنے کے بھی دو طریق ہو سکتے ہیں۔ (الف) جداگانہ قید خانے بنا کر جیسے آج کل دستور ہے۔ (ب) اپنی آبادی کے ساتھ مخلوط کر کے نگرانی میں لے لیا جائے۔

جداگانہ قید خانے

قیدیوں کو جداگانہ قید خانوں (Concentration Camps) میں رکھنے سے بہت سی خرابیاں اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) قیدیوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ اور نہایت گندے گناہ مثلاً صدومت (Sodomy) جاری ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کی انسانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ کسی اچھی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتے۔

(۲) ان قیدیوں سے قید خانوں میں نہایت سخت مشقت لی جاتی ہے۔

(۳) جو لوگ ان قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں وہ ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔

(۴) یہ قیدی انقلاب کو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات کو پرورش کرتے ہیں۔

یہ خرابیاں انگلستان، جرمنی اور دوسرے یورپی اور امریکی ملکوں کے قید خانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسری بڑی جنگ (۴۵-۱۹۳۹ء) میں یورپی ملکوں نے اپنے دشمنوں کے قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک کیے ہیں، ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خاندانوں کے اندر قید

اسلامی قانون حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جنگی قید خانوں میں رکھنے کے بجائے ذمہ دار خاندانوں میں تقسیم کر دے۔ اس نظام میں انہیں باقاعدہ طور پر گھروں میں جگہ دی جاتی ہے اور وہاں وہی کھانا اور لباس پاتے ہیں جو گھر والوں کو ملتا ہے۔ ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ان سے سخت مشقت لی جاسکتی ہے۔ اس خانگی نگرانی میں وہ نکاح، تجارت اور صنعت و حرفت بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ قیدی اسلامی سوسائٹی میں ضم ہو جاتے ہیں۔ وہ گھر والوں سے اچھے اخلاق اخذ کرتے ہیں اور اسلام کی انقلابی تعلیم کو عملی شکل میں نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت اس تعلیم کو قبول کر لیں اور اسلامی سوسائٹی کے باقاعدہ رکن بن جائیں۔ جیسے اوپر لکھا جا چکا ہے اسلام کے پہلے دور میں ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ بعد کی خلاف ورزیاں انہیں منسوخ نہیں کر سکتیں۔

کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت ہے

غرض اسلام میں غلامی انقلابی روح کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص انقلاب کی طاقت کو فنا کرنے کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ قانون کی نظر میں واجب القتل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس کی زندگی

اس خیال سے بخش دیتا ہے کہ شاید وہ انقلابیوں کی نگرانی میں رہ کر اور قریب سے ان کا مطالعہ کر کے انقلاب کی حقیقت سمجھ لے۔ اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ لیکن جو شخص اس انقلابی تحریک پر ایک غیر انقلابی کے نقطہ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے، اس کے نزدیک تو انسانیت کو ظلم سے بچانے کے لیے انقلاب کرنا ہی ناجائز ہے۔ وہ اس انقلاب کے دشمنوں کو دشمن کی حیثیت سے کس طرح دیکھ سکتا ہے اور ان دشمنوں کو واجب القتل کس طرح قرار دے سکتا ہے؟ اور جب وہ انہیں واجب القتل ہی نہیں سمجھتا تو ان کی جان بخشی کر کے اصلاح کی نیت سے انقلابیوں کی نگرانی میں دینا جسے عرف عام میں ''غلامی'' کہا جاتا ہے، کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ لیکن اس میں سارا قصور اس کی غیر انقلابی ذہنیت کا ہے۔ جب وہ اس معاملے پر انقلاب اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے نظر ڈالے گا، تو وہ دنیا کا بہترین حکیم ہونے کے باوجود اسلام کے نظام نگرانی سے بہتر نظام تجویز نہ کر سکے گا۔ اسلام محض ''بلند'' نظریات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ عملی زندگی کے لیے بہترین نظام عمل بھی ہے۔

غلامی کے منکروں کی غلطی

جو لوگ اسلام میں سے نام نہاد غلامی کا جز نکال کر اسے مغربی ملکوں کے نزدیک پیاری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان ملکوں میں بھی انقلابی موجود ہیں۔ جو اسلام کے ان ''بہی خواہوں'' کی وجہ سے اس عملی مذہب سے اس لیے نفرت کر سکتے ہیں کہ یہ انقلابی نقطہ نگاہ سے قابلِ عمل مذہب نہیں ہے۔ ایسے مذہب سے صرف ارتجاع پسند (Reactionaries) ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ پرست رجعت پسند مغربی اقوام نے غلاموں کو جو فرضی آزادی بخشی ہے، اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گوری قوموں کو قانوناً غلامی سے مستثنیٰ کر کے رنگ دار قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اب تو گورے افراد کے متعلق بھی علانیہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں ان ''آزاد'' مزدوروں کی حالت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان حالات پر کوئی مہذب قوم فخر نہیں کر سکتی۔

(د) ذٰلِكَ (یہ ہے قانون)

(ہ) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا) یعنی خدا ہی اسباب پیدا کر کے انہیں سزا دیتا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، وبائی بیماریاں وغیرہ کے ذریعے سے ظالم طبقات کو فنا کر دیتا۔

(و) وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے بعض کو بعض کے ذریعے سے)

تمھیں جنگ کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ تمھیں امتحان میں سے گزارا جائے۔ اور حقیقی انقلابیوں کو جو اس کی

تعلیم کو سب سے اونچے درجے پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان و مال سب کچھ اس پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ پینگیں مارنے والوں سے جدا کر دیا جائے۔

(ز) وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جو لوگ قتل ہوئے اللہ کے راستے میں، وہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں جانے دے گا)

شہید کی محنت ضائع نہیں جاسکتی:

اس طریقے میں یہ بات بھی پیش آئے گی کہ بعض حق پسند انقلابی شہید ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اگر وہ خود اپنی محنتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے، تو دنیا میں ان کی نسلیں ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور ان کی ہم خیال جماعت حکومت و عزت پائے گی۔ اور مرنے کے بعد شہیدوں کو جنت میں بے حساب ترقی کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

آیت نمبر (۵) سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (انہیں راہ دے گا اور ان کا حال سنوارے گا)

چونکہ یہ لوگ حق کی حفاظت میں اپنی جان دے رہے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ترقی کی راہ پر لگادے گا۔ اور ان کی حالت اس زندگی میں ہی درست کر کے انہیں اونچے مرتبے پر پہنچا دے گا۔ اور مرنے کے بعد ان کی ترقی کا یہ سیدھا راستہ قائم رہے گا۔ اور وہ اس زندگی میں بھی اونچے درجے حاصل کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر (٦) وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (اور انہیں جنت میں داخل کرے گا، جو انہیں معلوم کرادی ہے۔)

جنت کا تصور مادی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اوپر سے ایک ہی شکل میں آتی ہے، لیکن مختلف مواطن (طبقات Stages) میں سے ہر موطن (Stage) میں اس درجے کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے بارش کہ وہ کرہ ہوا کے ٹھنڈے طبقے میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے نچلے طبقے میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر آتی ہے تو زمین کے ہر ایک قطعے کے موافق مختلف تاثیریں پیدا کر لیتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ بنیادی قانون ہے۔

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے، وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے، کیا وہ مصر کی بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہو سکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے، محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ "جنتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہوگا۔" اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہوگئی اور اپنے معاشی، معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کرکے اپنے اندر ان قوانین کے مطابق کیے ہوئے اعمال کے جوہر نہ لے گی وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی، حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کرکے اس کے نیچے آزادی، حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرادی گئی ہوگی، جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس و عرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں گے۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

آیت نمبر (۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔)

کامیابی کی شرط

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کرلیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے، یہی انقلاب ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان کی انقلابی جماعت چاہے وہ چھوٹی ہی ہو، بہت بڑی ارتجاعی طاقت پر غالب آجائے گی، کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم، عقل اور عدل پر ہے۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

پائیداری کی شکل

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی، وہ پائیدار نہیں ہوتی۔

لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اسے عوام میں جائے گیر کرنا چاہیے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا، وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

آیت نمبر (۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ

(اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دئے۔)

مخالفین کی ناکامی

جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے، وہ ناکام رہیں گے اور ان کے اعمال اکارت جائیں گے۔ وہ اپنی کوششوں سے جو نتیجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ پیدا نہ ہوگا چونکہ وہ دنیا میں غلط پروگرام چلا رہے تھے۔ اس لیے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے صحیح مقام پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آیت نمبر (۹) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ○

(یہ اس لیے کہ اللہ نے جو اتارا وہ انہیں پسند نہ آیا پھر اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا پروگرام دیا ہے، جو تمام انسانیت کے لیے مفید ہے، اور قرآن کو ماننے والی جماعت اس تعلیم کو کامیاب بنانے اور انقلاب قائم کرنے کے لیے اٹھی ہے، اس کے مقابلے میں جو ارتجاعی ہیں، وہ محدود طبقوں کے فائدے کے لیے لڑ رہے ہیں، اس لیے یہ انقلابیوں کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مستقبل انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے، وہی کامیاب ہوں گے۔

ناکامی کی تاریخی شہادتیں

اگلی آیتوں میں قرآنی انقلاب کی کامیابی پر تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر (۱۰) اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا○

(کیا وہ ملک میں پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے انہیں برباد کر دیا، اور منکروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں۔)

قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے اور اس کے مخالفین ہمیشہ

ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں۔ جب ان قوموں نے صالح انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے تو حضرت محمد رسول اللہؐ جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے مقابلے میں یہ ارتجاعی کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کردیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا، اور پھر بہت ہی بڑے قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا۔

جنگ کا انجام

آیت نمبر (۱۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

(یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، ان کا رفیق تو خدا تعالیٰ ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے!)

انقلابیوں کی کامیابی اس لیے یقینی ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لیے مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ ارتجاعی (Reactionaries) ناکام رہیں گے۔ کیونکہ ان کی تحریک عوام کے لیے مفید نہیں، اس لیے اللہ اسے پھیلنے سے روک دے گا۔

آیت نمبر (۱۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○

(اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اس ایمان کے مطابق) اچھے کام کیے، یقیناً باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو منکر اور دشمن ہیں، وہ ایسے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا گھر آگ ہے۔)

کافر و مومن کا تقابل

قرآن حکیم کے بات کہنے کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ مومن اور کافر کا مقابلہ کر کے ایک کی برتری اور دوسرے کی ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی مومن اور کافر کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور کافروں کو بہت گری ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کو مان کر اسے عمل میں لانے اور اسے پھیلانے اور غالب کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کردینے کو تیار ہیں وہ مومن ہیں، ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس تحریک کو

اپنے ذاتی فائدوں کے خلاف سمجھتے ہیں ان لوگوں کا مطمع نظر یا نصب العین حیوانیت سے اونچا نہیں اٹھتا۔ وہ دنیا کو فقط اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم اس سے کہاں تک لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً لباس، مکان، کھانا اور دوسرا سامان عیش کتنا جمع کر سکتے ہیں اور اس سے کتنا مزہ پا سکتے ہیں۔ لیکن ایک حکیم جانتا ہے کہ حیوانی نصب العین کو ترقی دینا انسانیت کے اصلی فائدوں کے بالکل خلاف ہے۔ جو قوم حیوانی نصب العین میں ترقی کرتی ہے، وہ اپنے نفوس کے اندر ایسی گندی اور گرے ہوئے درجے کی عادتیں جمع کر لیتی ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے جہنم پیدا کر دیں گی۔ جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے، وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی، اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گے۔

ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے۔

آیت نمبر: (۱۳) وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡيَتِكَ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ‌ۚ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ○

(اور کتنی سوسائٹیاں تھیں جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا، زیادہ زور آور تھیں، ہم نے انہیں غارت کر دیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔)

مخالفین انقلاب کو تنبیہ

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہؐ اور آپ کے ساتھیوں کو جو انہیں اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے، اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظّمہ سے نکل جانا پڑا، اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے؟ نہیں! مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار، طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں، جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں، جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی۔ نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے۔ نمرود، فرعون وغیرہ طاقتور تھے۔ لیکن ان کے مقابل ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے۔ ان '' طاقتوروں'' کی تباہی کا وقت آیا تو کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی۔ ظلم کو آخر گرنا ہے۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہو گی۔

آیت نمبر (۱۴) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ○

(بھلا جو لوگ اپنے رب کے واضح راستے میں ہیں، ان کے برابر ہو سکتے ہیں، جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں؟)

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے، ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع کے اصول پر جمع ہو گئے ہیں۔ ان کا اجتماع ظاہری ہے اور ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے، یعنی انتفاع (Exploitation) وہ نہایت گھناؤنی ہے۔ لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری، خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے۔ جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے۔ کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل تو انتفاع (Exploitation) پر ہے، لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا ہے لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلاب سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس ''خوشنما نظام'' کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔ فرعون، نمرود، قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے وہ ٹوٹ چکے، آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہو گا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر)

یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں، جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے، ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کا پروگرام کامیاب ہو گیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی۔ اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

آیت نمبر (۱۵) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ

(اس بہشت کا حال جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے (وہ یہ ہے کہ) اس میں دریا بہتے ہیں، جن کے پانی میں بو نہیں ہے اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں بگڑا، اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا (صاف کیا) ہوا اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے ان کے رب سے، کیا یہ برابر ہے ان کے جو آگ میں سدا رہے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں؟)

بہشت کا تصور قومی نقطہ نگاہ سے

مرنے کے بعد کی زندگی، امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیقات کے مطابق، مثالی[1] زندگی ہے۔ اس میں مادیات کا جوہر موجود ہے، لیکن وہ مادی خواص سے بالکل پاک ہے۔ اس زندگی میں انسان کے اعمال ہی مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں پیدا کرلیں گے۔ چنانچہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ حجتہ اللہ البالغہ (طبع مصر جلد اول صفحہ ۳۷) میں فرماتے ہیں کہ :

''حشر میں انسان کے اعمال و اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے، وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گے۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا، (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی۔ لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلد سمجھ جائیں گے)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جنہیں تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرمؐ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلا وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگا (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرمؐ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگا جس میں پانی ہوگا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادے کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔''

ایسے ہی تفہیمات الٰہیہ (مطبوعہ ڈابھیل) جلد اول صفحہ ۲۵۵۔ ۲۵۳ میں فرماتے ہیں :

''اس منزل (یعنی مادی دنیا۔ مرتب) سے گزر جائے، تو وہ ایک اور عالم میں داخل ہوتا ہے، جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں، جاتی رہتی ہیں۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضہ کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو، دو ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور کان ہوں، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو، دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ لنجا، لنگڑا یا کانہ یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ''ناقص الخلقت'' بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔''

---

[1] مثالی زندگی سے مراد ہے عالم مثال کی زندگی جو مادے سے ماوراء ہے۔ (مرتب)

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں، مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخلیہ صحیح ہو، تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جاکر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ : فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اسلیے آج تیری نگاہ تیز ہے)۔ (۵۰ : ۲۲)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں، مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آجانا۔ ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہوجانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین، ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی تو، وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی، جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔"

ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات [1] ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسرا۔ چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے اس نے ان تشبیہات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے۔ انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا ہے یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے۔ وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم

---

[1] اعمال کا خاص خاص شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونا۔ (مرتب)

کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے اعمال بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں، اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھے ہیں، اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے، تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے۔ بلکہ اس سے باز آجاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں [1] اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے، وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے، لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو مسلمان انقلاب کی راہ میں اپنا جان و مال دے کر کامیاب ہو گئے ان کی معمولی (شخصی) غلطیاں ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ اس جماعت کی لغزشیں انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے دنیا بھول جاتی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں تو وہ کسی شمار میں نہیں لائی جاتیں اور وہ معاف ہو جاتی ہیں۔ اس آیت میں ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے ایک تو انقلابیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ لغزشوں کے خوف سے انقلاب سے پیچھے نہ رہیں اور نہ ان منافقوں کی بات سنیں جو ان غلطیوں کا خوف دلا کر انقلاب کو ناجائز کہہ رہے ہیں۔ دوسرے ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان پورا کر دیا گیا ہے تاکہ بے خوف ہو کر انقلاب کو کامیاب بنائیں۔

انسان جب مادیات سے الگ ہو کر بہشت میں جائے گا تو اس کی فطرت بدل نہیں جائے گی، بلکہ اس کے حیوانی جذبات، نفس کی خواہشیں اور عقلی مطالبات اس کے ساتھ جائیں گے، لیکن ان میں ترقی کا سلسلہ قائم رہے گا یہاں تک کہ انسان آخر کار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ بہشت کی زندگی کا یہ سب سے اونچا مقام ہے۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد (شیخ عبدالرحیم) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد شیخ وجیہہ الدین دہلویؒ نے خواب میں جنت دیکھی، جس میں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ وہ رونے لگ گئے۔ جنت میں جو لوگ متعین تھے وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ رونے کا کیا کام؟ یہ تو آرام اور خوشی کا مقام ہے۔

[1] حضرت ابی بلتعہ کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک صحابی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظّمہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے، حضرت ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو ان تیاریوں کی خبر دینے کے لئے ایک خفیہ خط لکھا جو آنحضرت ﷺ کے اشارے سے پکڑا گیا۔ لیکن حضرت ابی بلتعہ کو ان کے جنگ بدر کی خدمات کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ (مرتب)

حضرت شیخ نے فرمایا بھئی ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی حاجت نہیں، ہمیں تو اور ہی چیز چاہیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلّیوں کا دیکھنا۔ ان موکلوں کو الہام ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ : هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الواقعہ: ۵۶) یہ آخرت میں ان کے اترنے کا مقام ہے۔ یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آکر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ذرا ستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے، لیکن اس کو جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے، انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا)

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے۔ بَيِّنَةٍ پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس شخص کے اعمال اسے (دنیا میں) بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کے پہنچوانے کا ذریعہ ہے۔ اور راستے کی منزل ہے۔ آیت نمبر ۱۶ سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو اس انقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

آیت نمبر (۱۶) وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ○

(اور ان میں سے بعض ہیں کہ تیری طرف کان رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلیں تو انہیں جنہیں علم ملا، کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں۔)

منافقین

وہ لوگ جو انقلاب کے مخالف ہیں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کیا چاہتی ہے؟ لیکن ان کا یہ رجحان وقتی ہوتا ہے۔ وہ جھٹ اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض مسلمانوں سے باتیں ٹٹولنے کی کوشش

کرتے ہیں، لیکن نہایت بدذوقی کے ساتھ۔ ان کا اصل منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس انقلاب کی حقیقت معلوم کریں۔ بلکہ محض اپنے فائدوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔ وہ ان نازک جذبات سے بالکل کورے ہیں جو انسان کو گرے ہوئے طبقات کی مدد کے لیے اکسائیں۔ اب ان میں سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رہا۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ چھوٹی چھوٹی جنگوں سے یہ انقلاب عرب پر کیسے قابض ہو جائے گا اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بن کر نمودار ہوگا۔ اس بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے۔ وہ قانون کی پابندی کرنا نہیں چاہتے، اس لیے وہ اس عظیم الشان انسانیت گیر انقلاب کے نتائج سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ ایک قسم کے نفاق میں مبتلا ہیں۔

اپنی خواہشوں کی پیروی یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں۔ یا وہ مالدار جو خدا کو یاد نہیں کرتے۔

آیت نمبر (۱۷) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝

(اور جو لوگ راہ پر آئے، انہیں اور دی سوجھ اور پرہیزگاری)

مومنین کی حالت

ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں، جو اس انقلاب کو خوب سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے، انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا اور جب ملک میں ظلم غالب آ جائے تو اسے دور کرنے والے لوگ کھڑے ہو جاتے۔ وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرمؐ اور آپ ﷺ کی جماعت کو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے، تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف

تقویٰ سے مراد انسان کا وہ صحیح وجدان ہے جو ظلم کو پہچان لیتا ہے اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور تصنیف 'غنیۃ الطالبین' میں تقویٰ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ (۱۶:۹۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے، اجتماع انسانی میں احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور

فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔)

اس آیت میں عدل سے مراد اجتماع انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تاکہ ہر ایک فرد کی زندگی کی ضروریات آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔ احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجالائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجالائے کہ وہ ہر لحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ اور الْبَغْيِ نافرمانی کے تین درجے ہیں۔ پہلے تین اجزاء، عَدْلِ اِحْسَانِ اور اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء۔ فَحْشَآءِ، مُنْكَرِ اور بَغْيِ منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور ذمہ داری کا احساس ہے۔ پس اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (انہیں تقویٰ دیا) سے مراد یہی عدل اور احساس ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی، خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔

قرآن کا انقلاب اجتماع انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

آیت نمبر (۱۸) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا

(اب یہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر اچانک آ کھڑی ہو سو، اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔)

الساعۃ سے کیا مراد ہے؟

الساعۃ سے مراد پہلے درجے میں اس دنیا میں انقلاب کی گھڑی ہے اور کامل درجے میں انسانیت عامہ کے اس انقلاب کا وقت ہے جب ساری نوع انسانی کو خدا کی تجلی کے سامنے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ [1]

اس سے پہلی آیت میں جس تقویٰ کا ذکر ہے، اسے اگر اس الساعۃ سے ملایا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ اجتماع انسانی میں کل قومی پیمانے پر تقویٰ قائم کرنے کی جس انقلابی گھڑی کا انسانیت کو انتظار تھا اس کی نشانیاں آ گئی ہیں۔ اب اپنے آپ کو اس انقلاب کے قبول کرنے کے لیے تیار کر لو۔ یعنی اس انقلاب کے حصہ دار بن جاؤ تو بچ جاؤ گے، نہیں تو

---

[1] اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائی گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا لیکن تو نے میری خبر نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو ساری اقوام کا رب ہے تیری خبر گیری کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پس جاؤ گے۔

ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت ''النمل'' ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا امر آگیا ہے۔ جلدی مت کرو) (۱/۱۶) اس میں بھی امر اللہ سے عالمگیر انقلاب (World Revelution) مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (سورہ فتح ۲۸)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (سورہ صف ۹)

(خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اسے تمام نظام ہائے ثقافت یعنی ادیان پر غالب کرے۔) (مرتب)

اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں، اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کرلی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں۔ ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی ساعت ہے اچانک ہی آجائے گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکایک مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر اس پر قابض ہوگئیں۔

(ب) فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ

(پھر کہاں نصیب ہوگا انہیں جب آجائے گی ان کی یاددہانی؟)

جب انقلاب کی گھڑی آپہنچی اور مومنوں کا غلبہ اور کافروں کی شکست اٹل ہوگئی، تو اس وقت یاددہانی کا وقت نہیں ہوگا۔ اس لیے ان لوگوں کو ابھی سے سمجھ جانا چاہیے اور انقلاب کی قوتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہوجانا چاہیے۔ نہیں تو وہ پیس ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر (۱۹) (الف) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔)

اس انقلاب کی غرض

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے، نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرمؐ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے

تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں، ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

نبی، قانون کی آخری اپیل کا مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف قانونی غلطی تو منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ قانون کے لحاظ سے تو غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن اپنی جماعت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے ان غلطیوں کے ذمہ دار ہیں، جو انقلاب کے دوران میں آپؐ کے ساتھیوں سے ہوئیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کی بھی تلافی کریں، جو ان کی معافی کا سبب بن جائے (اس مسئلے پر مزید روشنی سورہ فتح میں ڈالی گئی ہے)

(ب) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ

(اور اللہ تمہارے لوٹنے کی جگہ اور گھر جانتا ہے۔)

تم اس انقلاب میں کس نتیجے پر جاکر ٹھہرو گے اور راستے میں تمہیں کیا کیا دقتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا کام کیئے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری منزل کی تیاری تم سے کراتا رہے گا۔

منافقوں کے حالت

آیت نمبر ۲۰ (الف) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ (اور ایمان والے کہتے ہیں کہ ایک سورت کیوں نہ اتری؟)

مومنین اور قتال

مومنوں کی ایک جماعت انقلاب کی پہلی صف میں آنے کے لیے بے تاب ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جنگ کا حکم ملے اور وہ ارتجاعیوں (Reactionaries) کا سر کچل ڈالیں۔

(ب) فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ

(جب ایسی سورت اتری جس میں جنگ کا ذکر آگیا اور وہ ذکر بھی ایسا صاف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتی۔)

ترقی کن انقلابی مومنوں کی جماعت جنگ کے لیے آمادہ ہے، اس کی خاطر جنگ کی سورت۔ سورہ قتال۔ نازل ہو گئی ہے۔ اس سورت میں جنگ کا حکم ایسے الفاظ میں آگیا ہے کہ ان سے مراد فقط میدان جنگ میں جاکر لڑنا ہے۔ پھر یا مارنا ہے یا مرنا ہے۔ اس کے سوا اس کی اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ اس سورت کی چوتھی آیت جس میں جنگ کا ذکر ہے ایسی ہی آیت ہے۔

(ج) رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ

(تُو، تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں گویا ان پر موت کی سی غشی طاری ہو گئی ہے۔)

منافقین اور جنگ

جنگ کا حکم سن کر منافقوں پر جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، موت کی سی غشی چھاجاتی ہے، کیونکہ ان کے خواہش تو یہ ہے کہ انقلاب برپا ہو جائے اور وہ حکومت قائم کرلیں لیکن لڑنا نہ پڑے، کیونکہ اس میں جان اور مال جانے کا خطرہ ہے۔

انسانیت کے تمام طبقے یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں، ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم ہے۔ ان کی درمیان بے شمار قسم کے جھگڑے ہیں۔ اگر انقلابی جماعت اپنے مخالف ارتجاعیوں (Reactionaries) کو مہلت دے، انہیں غلط پروگرام پر رہنے دے اور قتل نہ کرے تو وہ ارتجاعی (Reactionaries) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انقلابی جماعت کمزور ہے اور وہ ارتجاعی جرات پاکر انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس صورت میں جنگ کے بغیر انقلاب آسکتا ہے؟ اگر انقلابی جماعت لڑائی نہ کرے تو بھی ارتجاعی (Reactionaries) ضرور جنگ کی طرح ڈالتے ہیں اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو جماعت اس حالت پر راضی رہتی ہے اور جنگ و قتال کا نظام اپنے اندر قائم نہیں کرتی وہ کبھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔ اب یہ انقلابی چاہتے ہیں کہ انہیں جنگ کی اجازت مل جائے، لیکن ان میں جو منافق ہیں وہ جنگ سے گھبراتے ہیں۔ جنگ کی اجازت آتے ہی ان پر موت کی سی غشی چھاگئی۔

(د) فَاَوْلٰی لَهُمْ (توخرابی ہے ان کے لیے۔)

اگر یہ لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار نہ کرلیں تو ان کا انجام اچھا نہ ہو گا، اور یہ لوگ ہوتے ہوتے ارتجاعی (Reactionaries) بن جائیں گے جو کفر ہے۔

آیت نمبر ۲۱۔ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
(حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی، پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کا بھلا ہے)
(الف) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (حکم ماننا اور بھلی بات کہنا۔)
جو شخص اطاعت اور قول معروف پر بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائے، اس سے پہلے ہی دن جواب طلبی کی جاسکتی ہے۔

قولِ معروف کیا ہے؟

جماعت کے منظور کیے ہوئے قاعدوں کے اندر جو حکم دیا جائے وہ قول معروف ہوتا ہے۔
اگرچہ ظاہر میں ان لفظوں سے کوئی خاص بات سمجھی نہیں جاسکتی۔ لیکن فرمانبرداری کا پکا وعدہ اور جماعت کے فیصلے کو ہر حالت میں مان لینے کا پکا ارادہ ایک سچے انسان کو جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کر سکتا ہے، یہی انقلاب ہے۔
فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
(جب تاکید ہو کام کی، تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔)
مومنوں کی انقلابی جماعت اس بات پر جمع ہو جائے کہ جنگ کا وقت آگیا ہے، تو اس وقت قول معروف یہی ہے کہ ان کی اجماعی بات کی اطاعت کی جائے، کیونکہ بیعت کی شرط یہی ہے۔ اب اگر اپنی بیعت کے قول کو صدق اور صفائی کے ساتھ پورا کر دیا جائے تو یہ اچھا ہے کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ میں جان بچے گی یا نہیں اور اگر جنگ میں کامیاب ہو گئے تو انقلابی حکومت کا قیام یقینی ہے۔ حکومت تک پہنچانے کے لیے بیعت کے قول کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اُس وقت جنگ سے جی چرانا سخت جرم اور گناہ ہے۔
آیت نمبر ۲۲: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ
(پھر تم سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم ملک میں خرابی ڈالو گے اور قرابتیں کاٹو گے۔)

منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جاسکتی

جو لوگ آج جنگ میں جانے سے جی چراتے ہیں اور جنگ کے قانون کے پیروی نہیں کرنا چاہتے، وہ امن کے زمانے میں قانون کی پابندی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا یہ لوگ اُس وقت عام ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ

کریں گے؟ ہمسایوں اور ہم وطنوں کے حقوق پامال نہ کریں گے؟ فطری رشتے کاٹ نہ ڈالیں گے؟

ایک آدمی جو قانون کے اندر رہ کر میدان جنگ میں جاتا ہے اور اپنے افسر کے ماتحتی میں نیک نامی سے فارغ ہوتا ہے، وہ اخلاق کی سند لے کر آتا ہے۔ اگر اسے امن کے زمانے میں حاکم بنادیا جائے تو وہ قانون کو خوب چلائے گا اور اعلیٰ پیمانے پر ضبط قائم رکھے گا اور اپنے افسران اعلیٰ کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ لیکن جو لوگ قانون کے اندر رہ کر لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہتے، وہ حاکم بنتے ہیں تو عام طور پر شہوت رانی اور جذبات انتقام پورا کرنے کے لیے حکومت کرتے ہیں۔ جو لوگ جنگ کے وقت گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور لڑائی سے جی چراتے ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد جب موقع آئے گا تو انہیں حکمران بنادیا جائے گا۔ یہ لوگ بہت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لوگ حکومت کریں گے تو ہر قسم کے سماجی فسادات پیدا کریں گے۔ پس جو لوگ قرآن کی اطاعت کا عہد توڑیں گے، اگر انہیں حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ

(ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔)

منافقین کی غلط ذہنیت

مسلمانوں کی جماعت میں جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے خدا تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے، لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں وہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آ گئی ہے وہ اس جماعت سے الگ ہوجائیں گے۔ یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے، اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں اور ترقی کن طاقتیں برسر اقتدار آجاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن کی حکمت۔ یہ ناسمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں، نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے۔ لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم سب سے زیادہ یاد تھا جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور

یہیں رہ کر تعلیم دیں۔ اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں، کیونکہ ایسے موقعے پر پیچھے رہنے کی خواہش صرف بزدل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو یا جنگ کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے۔

انقلاب اور جہاد

اب آیت نمبر ۲۴ تا ۲۸ تک میں، ان مرتدین کا ذکر آتا ہے جو جنگ سے بھاگتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۴ : اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

(کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟)

جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی سمجھ نکل جاتی ہے (خدا اس سے بچائے!)۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد ﷺ قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر آپ جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا؟ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے اور کبھی اس سے جی نہ چرایا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ (اگر یہ جنگ میں نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے) تو کیا ہمارے عالمان قرآن اسے نہیں سمجھتے؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے، ان پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے۔ جس فرض سے آنحضرت ﷺ بری نہیں ہیں اس سے اور کون بری ہو سکتا ہے؟ پس ہر ایک عالم و عامی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کو غالب کرنے کے لیے لادینیت کی ہر شکل کے خلاف انقلاب لانے کی پوری پوری کوشش کرے۔ اور اگر اس میں اسے مال و جان کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو برداشت کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ

(جو لوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے، ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے وعدے کیے ہیں۔)

نماز، روزہ اور قتال

جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے

طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے یا ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے، مسلمان بے حد کمزور ہیں اور پراگندہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا، اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجالانا پہلی شرط ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا سے ظلم دور کیا جائے۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے۔ مثلاً ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پاکر اللہ کی یاد میں لگ سکیں، ہر اس شخص کا فرض ہے جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز، روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے! انہیں چاہیے تھا کہ قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم از کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں، گویا وہ اپنی نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ اعمال بھی کام نہ دیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے۔ ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے۔ کیوں کہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے، اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں، تو ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار جائیں گے۔ اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں، مثلاً نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے

والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی تو سب عمل اکارت گئے۔ دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زور دار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی اکارت چلا جاتا ہے۔ بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی صلح کی (جس کا ذکر اگلی سورت میں آتا ہے) تو عرب میں آپ کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی اس قومی انقلاب کی منزل سے اگلی منزل، کل قومی (بین الاقوامی) انقلاب کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کی طرف خط لکھ کر انہیں دھمکایا کہ اگر وہ اس انقلاب میں شریک نہ ہوں گے، تو وہ برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۝ (جب تک تو ایک کام سے فارغ ہو جائے تو پھر محنت کے لئے اٹھ کھڑا ہو) یعنی ایک کام سے فارغ ہوتے ہی دوسرا زوردار کام شروع کر دو۔ (الم نشرح۔ ۷)

آیت نمبر۔۲۶: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ

(یہ اس واسطے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو، اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں، کہا کہ ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعض کاموں میں۔ اور اللہ ان کا خفیہ مشورہ کرنا جانتا ہے۔)

منافقین اور کفار کا سمجھوتہ

یہ منافقین اور کمزور دل لوگ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر جنگ سے گریز کرتے ہیں، تو اس کا بھید یہ ہے کہ ان منافقوں نے قرآن حکیم کے مخالفوں سے سازش کر رکھی ہے۔ انہوں نے ان کافروں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کی تھوڑی بہت مخالفت کرتے رہیں گے، لیکن میدان جنگ میں جا کر ان کے خلاف لڑیں گے نہیں۔

آیت نمبر۔۲۷: فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ

(پھر کیا حال ہو گا؟ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے، ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے!)

یہ لوگ جو حق کا راستہ چھوڑ کر جھوٹ کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، یعنی باطل کے خلاف میدان میں نہیں آتے، یہ مریں گے تو انہیں سخت عذاب دیا جائے گا، اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے؟

آیت نمبر ۲۸: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ

(یہ اس لیے کہ وہ چلے وہ راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے اس کی خشنودی ناپسند کی۔ چنانچہ اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔)

انہیں موت کے وقت یہ دردناک عذاب اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ اس بات سے بھٹک گئے جو خدا کو پسند تھی۔ اب ان کے تمام نام نہاد نیک اعمال بے نتیجہ ہیں۔ اب ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن مغرب کی طرف رخ کرکے چل دے، وہ چلے گا بھی فاصلہ بھی طے کرے گا اپنے بدن کو تھکائے گا بھی لیکن اصل منزل پر نہ پہنچ سکے گا، اس لیے اصل منزل کے لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سفر کا عمل اکارت گیا۔ حالانکہ مغرب کو چلنا بجائے خود ایک عمل ہے، اگر وہ صحیح سمت کو کیا جاتا تو نتیجہ پیدا کرتا، لیکن سمت بدل جانے سے نتیجہ خیز نہ رہا۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے اچھے عمل نتیجہ خیز نہ ہوں گے کیوں کہ یہ انسانیت میں سے ظلم دور کرنے کے لیے جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

صوفیاء کا فریضہ

ہم نے ہند کے مسلمانوں کی طرف سے پہلی عمومی جنگ ۱۸۔۱۹۱۴ء میں حصہ لے کر بعض باتیں اپنے تجربے سے دیکھیں، جن کا ہمیں اپنے پڑھنے پڑھانے کے زندگی میں کبھی سان گمان بھی نہ تھا۔ اس تجربے سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دینی علوم اور ارشاد و احسان بہترین اعمال میں سے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان اعمال سے کسی حالت یا کسی شکل میں کافروں کی مدد نہ ہوتی ہو، نہیں تو اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کو بھی بیکار اور بے اثر کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صوفی اپنے مریدوں کو اللہ اللہ کرنے میں لگائے رکھتا ہے تو وہ انہیں قرآن حکیم کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار نہیں کر سکتا اور اس طرح کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے، تو ان نیک اعمال کے فائدے مند ہونے میں شبہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد اور امر بالمعروف کے مسئلے میں فقیہ رازی نے 'احکام القرآن' میں نہایت اچھی طرح کھول کر بات کی ہے۔ ہمارے لئے وہ کافی اور شافی ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے طریق پر انقلابی روح قائم رکھی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ حنیفیہ کے لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک سے پیچھے رہنے کا کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔

آیت نمبر ۲۹: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

(کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کئے ظاہر نہیں کرے گا؟)

کیا ان منافقوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی خیانت، ان کی بے ایمانی اور بد دیانتی ظاہر نہ کی جائے گی۔ ایک نہ ایک دن ان کی دوستی دشمنی کا فیصلہ کرنا ہوگا، ان کی خفیہ سازشیں ہرگز قائم رہنے نہیں دی جاسکتیں۔

آیت نمبر ۳۰ : وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اَعۡمَالَكُمۡ ۝۳۰
(اگر ہم چاہیں، تو تجھے وہ لوگ دکھادیں اور تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے (اور اب بھی) تو ان کے بات کے ڈھب سے انہیں پہچان لے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔)

اگر خدا چاہے، تو آپؐ کو ان لوگوں کی شناخت ان کے چہروں سے ہوجائے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ آپؐ کو ان منافقین کی کوئی ایسی عام نشانی بتادے، کہ وہ قاعدے میں آسکے۔ مثلاً ان کے بول چال اور لب و لہجہ سے آپ جان سکتے ہیں کہ کس طرح جنگ کی بات ٹال جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۱ : وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ ۙ وَنَبۡلُوَا۠ اَخۡبَارَكُمۡ ۝۳۱
(اور البتہ ہم تمہیں جانچیں گے۔ تاکہ معلوم کرلیں کہ تم میں لڑائی کرنے والے اور قائم رہنے والے کون ہیں؟ اور تمہاری خبریں تحقیق کرلیں۔)

منافقوں کا اخراج

اور اگر کمزور لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہوجائیں، تو منافق بن جاتے ہیں۔ انقلاب کی حالت میں جنگ کے وقت مجاہدین اور منافقین کی تمیز لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبردار کردیا۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے انہیں پہچان لیتا ہے اور انہیں مسلمانوں کی پہلی لائن سے نکال دیتا ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچاسکیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں فرمایا تھا کہ اب جب مسلمان مضبوط ہوگئے ہیں، ہم منافقین کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرسکتے جو حضرت رسالت مآبؐ کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

منافقین کو پہلی لائن سے نکال دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے، جب حکومت منظّم ہوجائے۔ شروع شروع میں حکومت منظّم نہ تھی، کہ انہیں باہر نکال دیتے یا انہیں سزا دیتے۔ حکومت منظّم ہوجانے کے بعد منافقین کو صرف نکالا ہی نہیں جائے گا، بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا، جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو ان کے حق میں بولنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہم انقلابی جماعت کے لیے یہ شرط مقرر کرتے ہیں کہ وہ منافقین کو ہرگز جماعت میں قبول نہ کرے۔ اور جب وہ شامل ہوجائیں تو انہیں اس وقت تک نہ نکالے جب تک تنظیم مکمل نہ ہوجائے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرح صبر سے کام لے۔

آیت نمبر ۳۲ : اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدٰى ۙ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ وَسَيُحۡبِطُ اَعۡمَالَهُمۡ ۝۳۲

(جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہوگئے رسولؐ کے، سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کردے گا ان کے سب کام۔)

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو، اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو!۔)

نبی اکرمؐ کی پیروی کی معنی

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرتؐ اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہیں کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کرکے اپنے اعمال کو برباد مت کرلو۔ تم جو نماز، روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو، وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے تو پہلے کیے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

آیت نمبر ۳۴: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

(جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا۔ پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے، تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔)

کفار کا انجام

جو لوگ قرآن کی حکومت اور اس کے نظام کی قیام کے مخالفت پر اڑے رہے اور لوگوں کو اس نظام پر چلنے سے روکتے رہے، لڑکر پراپیگنڈہ کرکے یا کسی اور طرح مجبور کرکے، تو اگر وہ اسی حالت میں مر گئے اور انہوں نے اس انقلاب میں حصہ نہ لیا، تو مرنے کے بعد کی زندگی میں ان کی ترقی رک جائی گی۔ اور وہ جہنم کے جس گڑھے میں پڑیں گے، اسی میں پڑے رہیں گے۔

آیت نمبر ۳۵: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

(تم بودے نہ ہوئے جاؤ، کہ پکارنے لگو صلح! اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمہیں تمہارے کاموں میں۔)

پائیداری کی ضرورت

تمہیں چاہیے، کہ بودے پن کا اظہار کرکے "صلح!" مت پکارنے لگو۔ بلکہ پائیداری اور بہادری کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ کی تمام قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یقیناً کامیاب ہوگے۔ دوسری جگہ ہے۔ کہ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال ٦١) (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں، تو تم بھی جھک جاؤ) یعنی اگر مخالفین صلح کی درخواست کریں، تو اس وقت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ لیکن خود کمزوری دکھا کر صلح کرنے سے موت بہتر ہے۔ اگر تم قرآن حکیم کو بلند کرنے یا اسے بلند رکھنے کے لئے لڑو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد، عورت، بچہ، بوڑھا میدان جنگ میں جائے مگر ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں حصہ لے۔ (تفصیل سورۃ فتح میں آئے گی)۔

آیت نمبر ٣٦: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ

(دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے (یعنے عدل کرو گے) تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال نہ مانگے گا۔)

مال خرچ کرنے کی ضرورت

ادنی درجے کی زندگی یعنی حیوانی زندگی جو عقل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی غرض انسانیت کو ترقی دینا نہ ہو، لغو اور بے ہودہ ہے۔ اللہ تعالی اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا، لیکن تمہاری جان اور تمہارا مال خود تمہارے اپنے صحیح نظام کے قیام پر خرچ ہونا ضروری ہے۔ اگر تم اس نظام کو مان کر انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے، تو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ خدا تو غنی ہے۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ میں حصہ لے۔

غرض اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے ہی سے انقلابی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ٣٧: اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ

(اور اگر وہ تم سے مال مانگے اور پھر تم کو تنگ کرے، تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کر دے تمہارے دل کی تنگیاں۔)

انقلابی پارٹی اپنے ممبروں کا سارا مال طلب نہ کرے ورنہ یا تو وہ چھپالیا کریں گے، یا ان کے دلوں میں میل آجائے گا اور وہ تحریک میں پوری خوشدلی کے ساتھ حصہ نہیں لے سکیں گے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بقدر ضرورت رکھ لے اور باقی مال تحریک کے لیے دے دے۔

آیت نمبر ۳۸: هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

(سنتے ہو تم! لوگ تمہیں بلاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پھر تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ جو شخص بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کرے گا۔ اللہ تو بے نیاز ہے تم ہی محتاج ہو۔ اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہاری جگہ پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔)

تحریک کا تقاضا ہے کہ تم اپنا مال اس میں خرچ کرو۔ اگر تم بخل کرو گے تو یہ تحریک برباد ہو جائے گی اور دشمن تمہیں ذلیل کر ڈالیں گے اور تمہارا سارا مال لے جائیں گے۔ خرچ کرو گے تو فتوحات حاصل ہوں گی اور زیادہ مال و دولت ملے گا۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تم ہی محتاج ہو) خدا تعالیٰ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود تمہاری اپنی قومی ضرورتیں ہیں۔ جو مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں یعنی قومی ضرورتوں میں مال خرچ کرو گے، تو خدا تمہیں اتنی دولت دے گا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو اللہ تمہارے بجائے اور قوم بدل لے گا۔

اگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور قرآن حکیم کو غالب کرنے کی تحریک میں جان و مال سے کوشش نہ کی تو کوئی دوسری جماعت اس کام کے لیے تیار ہو جائی گی، جو مال بھی خرچ کرے گی اور جان بھی لڑائے گی وہ تم جیسی سست اور کاہل اور جان و مال سے دریغ کرنے والی جماعت نہ ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا انٹرنیشنل نظام بہت بڑی قربانی کا طالب ہے اس راہ میں بہت خطرے ہیں لیکن آخر کار بین الاقوامی غلبہ اور عزت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کے فضل سے حضرت محمد رسول اللہؐ کی تیار کی ہوئی جماعت نے جان اور مال سے کسی جگہ بھی دریغ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جماعت کل قومی انقلاب کا مرکز بن گئی اور وہ انقلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد جب عربوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو قومی بنالیااور رفتہ رفتہ جان ومال سے دریغ کرنے لگے تو عجمی قوتیں غالب آگئیں۔ قرآن کی سرمایہ شکن طاقت بہرکیف غالب رہنی چاہیے۔ جب اس کی سرمایہ شکنی میں فرق آئے گا اور سرمایہ پرستی پیدا ہوگی، تو ضرور انقلاب آئے گا اور کوئی نہ کوئی سرمایہ شکن طاقت اوپر آجائے گی۔

موجودہ دور کی ضرورت اور امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ

اب جبکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خدا پرست طاقت برسر اقتدار نہیں ہے۔ ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا بھی ہے کہ سرمایہ شکنی اور خداپرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔ یہ انقلاب کس خطے میں ہوگا؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا لیکن حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دھلویؒ کی دور بین نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ انہوں نے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں بیان کردیا ہے۔

بہرکیف اس سورت میں قرآن حکیم کے جس انقلاب کی طرف دعوت دی گئی ہے، وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی راسمالی (Capitalist) اور غیر راسمالی (Anti Capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے، قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کرکے پائیدار امن پیدا کرسکتی ہے، تاکہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔ ضرورت پڑے تو یہ رجعت پسند طاقتوں کو قوت کے ذریعے سے ختم کرنے کا داعی ہے، لیکن رجعت پسندی کو کسی حالت اور کسی شکل میں بھی قبول نہیں کرسکتا۔

سورۃ فتح

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

ضبط کی ضرورت :

قرآن حکیم کل قومی پیمانے پر انقلابی تحریک پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ایک نصب العین یا مرکزی فکر ہے۔ وہ اس فکر کو ایک جماعت کی مکمل تیاری کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کے ایک حصے اور ملک کے ایک خطے میں خاص شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے مگر ظاہر ہے کہ کوئی جماعت ضبط (Discipline) کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی اور جتنا بڑا انقلاب ہوا اتنے ہی زبردست ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی جماعت میں ضبط

جو جماعت بہت سخت ضبط کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور جنگ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت پیدا کی وہ جنگ میں ضبط کے مظاہرے کئی بار کرچکی۔ صلح کرنے میں ضبط کے بہترین مظاہرے کا موقعہ حدیبیہ میں پیش آیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے کمزور دشمن کے بدترین شرطیں صرف اس لئے مان لیں کہ وہ بنیادی طور پر ان اصولوں کی حفاظت چاہتا تھا، جن کی حفاظت کے لئے یہ انقلاب برپا کیا جارہا تھا یعنی دین حنیفی کے مرکز کعبہ اللہ کا احترام۔ آپ کی جماعت نے اس اصول کو پوری طرح سے سمجھتے ہوئے بھی اس صلح کو صرف اس لئے مان لیا کہ وہ ایک زبردست ضبط میں آئی ہوئی تھی۔ اس ضبط کی انتہا یہ تھی کہ جب آپ ﷺ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینی چاہی تو ہر ایک شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا مل سکتی ہے۔

اس ضبط کا مقصد :

اس اونچے پیمانے کا ضبط پیدا کرنے کا مقصود کیا ہے؟ اس سورت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم اس ضبط کو سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ خداپرستی قائم ہو۔

انقلاب کی طبعی رفتار :

اس بات کو کھول کر بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کا انقلاب ایک مضبوط ضابطہ ہے جو جماعت کے ذریعے سے عمل میں آیا جس نے اپنا کام عرب میں شروع کیا تھا۔ انقلاب کی طبعی رفتار یہ تھی۔

(۱) ذاتی انقلاب (۲) محدود جماعت کی تیاری (۳) قومی انقلاب (۴) بین الاقوامی انقلاب

(۱) **ذاتی انقلاب :** کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ :

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

یعنی تو کہہ دے کہ میری بدنی اور مالی عبادتیں، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ ہی کے راستے میں ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا (تحریم:۶۶) اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(۲) **محدود جماعت کی تیاری :** مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی چنانچہ حکم آیا کہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ (اپنے قریبی قبیلہ والوں کو آنے والے انقلاب کی تنبیہہ کردو۔) (شعراء : ۲۱۴)

(۳) آنے والے قومی انقلاب کی طرف بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ (یوسف: ۱،۲)

(۴) بین الاقوامی انقلاب کا بھی جو قرآنی تحریک کا معراج ہے بہت سی آیات میں ذکر موجود ہے۔ مثلاً اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ (یہ قرآن تمام دنیا کی قوموں کے لئے یاددہانی ہے۔) (صٓ: ۸۷)

صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں :

صلح حدیبیہ اس حیثیت سے تاریخ اسلام میں نقطہ تغیر (Turning Point) کا حکم رکھتی ہے کہ اب قرآنی انقلاب کی علمبردار جماعت انفرادی اور جماعتی انقلاب کی منزلیں طے کرنے کے بعد قومی انقلاب کی منزل بھی ختم کرنے والی تھی۔ اور ضبط اور تیاری کے سب سے اونچے نقطے پر پہنچ چکی تھی۔ اب اللہ کی حکمت چاہتی تھی کہ اسے بین الاقوامی میدان میں لائے چنانچہ سورہ فتح میں اس آنے والی تبدیلی کی پیشگوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ (الفتح: ۱۶)

(جو اعرابی اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے اور پیچھے رہ گئے ان سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک شدید جنگجو قوم سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا۔)

اس آیت میں اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ (شدید جنگجو قوم) سے بقول امام ولی اللہ ایرانی اور رومی مراد ہیں۔ اسی کی طرف آگے چل کر ان الفاظ میں بھی اشارہ موجود ہے۔

وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا (الفتح:۲۱) (اور وہ مال غنیمت جس پر ابھی تم نے قدرت حاصل نہیں کی)

آنحضرتؐ نے حدیبیہ سے واپس آتے ہی محرم ۷ ھ میں عرب کے ارد گرد کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اسلام کی طرف بلاوا بھیج دیا۔ یہ دعوت نامے کیا تھے آنے والے انقلاب کی تنبیھ تھے جو ان قوموں کو اپنے اندر ہضم کرنے والا تھا۔ چنانچہ قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ:

بسم الله الرحمٰن الرحيم: من محمد عبدالله و رسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدىٰ اما بعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم اليريسيين الخ

یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط محمد (ﷺ) کے جانب سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا ایلچی ہے۔ ہرقل شاہ روم کے نام، سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد حمد و صلوٰۃ، میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کرلے تو تمام آفتوں سے بچ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا، اگر تو نے انکار کیا تو تمام دہقانوں اور کاشتکاروں کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

اور کسریٰ ایران کو لکھا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم: من محمد رسول الله اِلیٰ کسریٰ عظيم فارس سلام على من اتبع الهدىٰ و امن بالله و رسوله و اشهد ان لااله الاالله و انی رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا اسلم تسلم فان ابيت فعليك اثم المجوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ خط محمد (ﷺ) کی طرف سے، جو اللہ کے رسول ہیں کسریٰ شاہ ایران کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی پوجا کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو اس کا پیغام پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہوں۔ تاکہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں تنبیہ کر دی جائے۔ اسلام لے آ، تو بچ رہے گا اگر تو اسلام نہ لایا تو مجوس کے تمام گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

امام ولی اللہ کا فکر:

حضرت امام ولی اللہ دھلوی کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد ان دو سلطنتوں اور روئے زمین کے اسی قسم کے ظالمانہ نظاموں کو تباہ کرنا تھا کیونکہ خصوصاً ان دونوں بادشاہتوں میں معاشی عدم توازن انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا امیر طبقہ دولت کی زیادتی کی وجہ سے عیاشیوں میں مبتلا ہو کر خدافراموشی کے سبب

سے عوام پر حد درجہ ظلم کرنے لگ گیا تھا اور عوام بھاری بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر بیلوں اور گدھوں کے درجے میں آ چکے تھے۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی کی بھلائی کے خیالات سے بالکل کورے ہو چکے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ طبع مصر جلد اول ص ۱۰۵) آنحضرت ﷺ نے ان دو بادشاہوں کو جو خطوط ارسال فرمائے ان کی عبارت نہایت معنی خیز ہے اور اوپر بیان کی ہوئی باتوں کی طرف نہایت لطافت کے ساتھ اشارہ کرتی ہیں۔ دونوں میں عوام کی اخلاقی بربادی اور دوسری زندگی کی بھلائی سے محرومی کا ذمہ دار ان بادشاہوں کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ہرقل کے نام جو خط ہے اس میں ہے:

فان ابیت فان علیك اثم الیریسیین

(اگر تو نے اسلامی انقلاب کو قبول نہ کیا تو تیرے ماتحت جو کاشتکار طبقہ تباہ ہو رہا ہے اس کے گناہوں کا یقینی طور پر تو ذمہ دار قرار دیا جائے گا)

ایسے ہی کسریٰ ایران کے نام جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ہے:

فان ابیت فعلیك اثم المجوس

(اگر تو اسلامی انقلاب کے نیچے نہ آیا تو تیری ساری رعایا، مجوس کے گناہوں کا وبال، تیری گردن پر ہو گا) جیسے اوپر بتایا جا چکا ہے اب عرب کے انقلاب کی تحریک قومی حدوں سے باہر نکل کر اپنی تعلیم کی حقیقی روح کے پھیلنے کے لئے بین الاقوامی میدان تلاش کر رہی تھی۔ اس کا اشارہ کسریٰ کے خط میں موجود ہے جس کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

انی رسول اللہ الی الناس کافۃ

(میں اللہ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو پیام پہنچانے آیا ہوں)

آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کے سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب کو قومی پیمانے پر عرب میں بالکل کامیاب بنا کر دکھا دیا اور اس کے بین الاقوامی پھیلاؤ کے لئے جن قوتوں کی ضرورت تھی انہیں جگا کر اس انقلابی جماعت کے نیچے کر دیا اور ان دعوت ناموں کے ذریعے عرب کے ارد گرد کی سلطنتوں کو یہ انقلاب قبول کرنے کے لئے سوچنے کو کافی وقت دیا۔ اتنا کام کرنے کے بعد جو انتہائی کامیابی کا پوری طرح کفیل تھا آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ باقی کام آپ کی تیار کی ہوئی جماعت نے عین اس پروگرام کے مطابق پورا کر دیا، جس کی مدات (Items) آپ انہیں سکھا گئے تھے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے سے شروع ہو کر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قرآنی انقلاب بین الاقوامی پیمانے پر اس طرح مضبوط ہو گیا کہ اس زمانے کی کوئی سیاسی طاقت اس کے مقابلے میں آنے کے قابل نہ رہی۔

سورہ فتح کا قیمتی سبق

اس سورت میں ہر زمانے کے سیاسی کام کرنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سبق اور نہایت مفید رہنمائی ہے اور وہ یہ کہ جس زمانے میں قرآنی انقلاب ارتجاع (Reaction) کی نذر ہو جائے ایک جماعت پہلے اس علاقے میں کامیاب مرکز بنائے جس میں وہ بستی ہے اور پھر وہاں سے اس انقلاب کی شاخیں دوسری قوموں میں پہنچائے۔ اور ہر ایک قوم کے انقلابی اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی کی کوشش کریں۔ گویا اگرچہ اسلامی انقلاب اصل میں بین الاقوامی ہے، لیکن شروع ہی میں اسے عملاً بین الاقوامی پیمانے پر چلانا حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک قوم کے اندر رہ کر ایسی جماعت تیار کی جائے جو تمام قوموں میں کام کرے اور تمام قوموں کو ایک ہی وقت اس قانون کے نیچے لانے کی کوشش کرے، چنانچہ امام ولی اللہ دھلوی لکھتے ہیں :

و ھذا الامام الذی یجمع الامم علیٰ ملۃ واحدۃ یحتاج الیٰ اصول اخریٰ غیر الاصول المذکورۃ فیما سبق منھا ان یدعو قوما الی السنۃ الراشدۃ و یزکیھم و یصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہ فیجا ھدبھم اھل الارض و یفرقھم فی الافاق وھو قولہ تعالیٰ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس و ذالك لان ھٰذا الامام نفسہ لا یتاتیٰ منہ مجاھدۃ امم غیر محصورۃ (حجۃ اللہ البالغہ مطبع مصر جلد اول ص ۱۱۸)

یعنی "جو امام بین الاقوامی کام کے لئے مقرر ہو وہ اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر کام کرے گا۔ مثلاً وہ ایک قوم کو زندگی گذارنے کے صحیح قاعدوں کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک اور درست کر کے اپنا آلہ کار بنائے گا اور انہیں ساتھ لے کر دوسری قوموں سے لڑے گا اور انہیں مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت میں کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (تم مسلم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام دنیا کی قوموں کے لئے چنے گئے ہو) کا یہی مطلب ہے۔ کام کرنے کا یہ طریق اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایسا امام تن تنہا ساری قوموں سے جہاد نہیں کر سکتا۔

موت قبول کرنے کی منزل

اس سورت میں اس حقیقت پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآنی تحریک میں ایک منزل آسکتی ہے جب اسے آگے بڑھانے کے لئے موت قبول کرنی پڑے اور جیسے صلح حدیبیہ کی تفصیل سے معلوم ہوگا، موت قبول کرنے کی شکل اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بھی ہو سکتی ہے۔

قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے :

اس سورۃ کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف جنگ کا قائل ہے بلکہ جنگ

اجماعی (Total War) کا قائل ہے یعنی اس کے نزدیک ہر شخص جان و مال سے اس میں پورا پورا حصہ لے گا یہاں تک کہ بیمار، لولے، لنگڑے اور اندھے بھی اپنا اپنا حصہ ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی تحریک اگر جنگ کا انکار کرتی ہے تو اسے ہر شکل میں ناجائز سمجھے گی اور کامل طور پر اہنسا (عدم تشدد) پر کاربند ہو گی۔ اگر وہ جنگ کو جائز سمجھتی ہے تو وہ جنگ کو اجتماعی اور کلی حیثیت سے قبول کرے گی۔ اور اپنے ہر ایک ممبر کو اس کی پوری طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا ذمہ دار سمجھے گی۔ کوئی شخص بہانہ بنا کر اس ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔

ہندوستان اس وقت ایک زبردست لادینی سرمایہ پرست نظام کے نیچے ہے جس کی وجہ سے اس کے چالیس کروڑ آبادی میں سے چند مالداروں کو مستثنیٰ کر کے باقی ساری آبادی بھوکی یا آدھی بھوکی زندگی بسر کر رہی ہے وہ طرح طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں میں پھنسی ہوئی ہے اور جہالت میں مبتلا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی انسانیت کو بھولی ہوئی ہے وہ نہ یہ جانتے ہیں کہ آپس میں ان کے کیا حق اور فرض ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہونے چاہئیں۔ سورہ فتح چاہتی ہے کہ ہندوستان کے اس بھول گھر میں ایسی جماعت پیدا کی جائے جو حجازی بین الاقوامی انقلاب لانے والی جماعت کی طرح انتہائی ضبط کی مالک ہو۔ اس کے ارکان اس سرمایہ پرستانہ نظام کو توڑنے کے لئے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ موت کو قبول کر کے پوری پوری اور انتہائی کوشش کریں اور فی الحال يَقْتُلُوْنَ (قتل کرنا) کو ملتوی رکھ کر يُقْتَلُوْنَ (قتل ہونا) کو قبول کریں۔[1] ان کی نظر بین الاقوامی ہو، وہ ہر ایک انسان کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا عدل کرنے کو تیار ہوں اور چالیس کروڑ کی مظلوم انسانیت کو سرمایہ پرستی اور اس کے پیدا کئے ہوئے معاشی ظلم سے نجات دلا کر اس کے لئے خدا کو پہچاننے کا راستہ آسان کر دیں۔

و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم صاحب الانقلاب العظیم وعلی الذین معہ اشداء علی الکفار الذین یفسدون الارتفاقات المعاشیۃ والارتفاقات المعادیۃ۔ رحماء بینھم سیاھم فی وجوھھم من اثر السجود

(آخری بات یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب قوموں کو پالنے والا ہے اور رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اس نبی اعظم پر جو عالمگیر انقلاب کی دعوت دینے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جو ان کافروں پر سخت ہیں، جو انسانی سوسائٹی کے معاشی ارتفاقات اور معادی ارتفاقات خراب کرتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھی آپس میں بہت نرم اور رحم دل ہیں۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے اس کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔)

بشیر احمد لدھیانوی

[1] (اس آیت کے طرف اشارہ ہے يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں) (سورۃ توبہ: ۱۱۱)

قومی انقلاب

تمہید

سورۂ محمدؐ (یا قتال)، سورۂ فتح اور سورۂ حجرات نفس مضمون کے اعتبار سے ایک مرتب مجموعہ ہے، جس میں اسلامی انقلاب کی تنظیم پر بحث کی گئی ہے، جس کے لئے بیرونی حملوں سے بچاؤ، کل قومی پھیلاؤ اور اندرونی معاشرتی زندگی کی تنظیم کے قوانین دئے گئے ہیں۔

سورۂ محمد (یا قتال) ہجرت کے پہلے ہی سال جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی عربی جنگوں کی ضرورت کے پیش نظر میدان جنگ کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

انیس سال کے تھوڑے عرصے میں یہ انقلابی جماعت ضبط اور نظم میں ترقی کر کے ایسی بے نظیر قوت ضبط کی مالک ہوگئی کہ وہ صلح اور جنگ میں ایک ہی نظریئے کے ماتحت کام کرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں اسے خدا تعالیٰ نے بین الاقوامی پھیلاؤ (Expansion) کے قابل سمجھا۔ چنانچہ سورۂ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں اتری۔ اس انقلابی جماعت کی اس اعلیٰ درجے کی حالت کا نقشہ کھینچ کر لانے والی بین الاقوامی جنگوں کی خبر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان جنگوں میں اس جماعت کا نظریہ کیا ہونا چاہیے۔

سورۂ حجرات میں غیر مصافی قانون (Civil Laws) اور معاشرت کی چند دفعات سکھائی گئی ہیں۔

سورہ فتح کا مرکزی واقعہ

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ ٦ ہجری میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور "بیت اللہ" کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کی کیفیت سن کر غریب الوطن مسلمان جو عرصے سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بے تاب تھے اور بھی بے چین ہوگئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ بھی عمرہ کے لئے جانے پر تیار

ہوگئے۔آنحضرت ﷺ اور آپ کی جماعت ذی قعدہ ۶ھ میں مدینہ منورہ سے نکلی۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ تھے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جن میں کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ جب آنحضرت ﷺ ذی الحلیفہ کے گاؤں پہنچے تو آپ نے عمرے کا احرام باندھا اور قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس بھیجا کہ قریش کی خبر لائے۔ چنانچہ جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو وہ سکاؤٹ واپس آیا اور اس نے خبر دی کہ قریش آپ کو روکنے اور آپ سے لڑنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔

جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: ہم کسی سے لڑنے کے لئے گھر سے نہیں نکلے، لیکن اگر کوئی ہمیں "بیت اللہ" (کعبہ) تک پہنچنے سے روکے گا، تو اس سے لڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت نبی اکرم ﷺ آگے بڑھے اور کچھ دور جاکر آپ نے فرمایا کہ خالد بن ولید غمیم میں ہے ہم دائیں کو ہو چلیں۔ یہاں تک کہ آپ اپنی جماعت سمیت اس وادی تک پہنچ گئے، جہاں سے مکہ کو جاتے ہیں۔ یہاں آپ کی اونٹنی یکایک ٹھہر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش مجھ سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم ہوتی ہو تو میں ان کی بات مان لوں گا۔ آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر اترے یہاں سے مکہ صرف ۱۹ میل تھا۔

یہاں سے آپ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا، تاکہ انہیں خبر دیں کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، ساتھ ہی انہیں ہدایت کر دی کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان چھپے چھپے رہتے ہیں، ان سے بھی ملیں۔ اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں اطمینان دلادیں کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اور کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بلوح کے مقام پر قریش کی جماعت سے ملے اور پھر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔

اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر اس خبر کا اثر پڑ سکنا ظاہر ہے۔آنحضرت ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے تمام حاضرین سے اس امر پر اقرار لیا کہ اگر اب لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے۔ مسلمانوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت ابو سنان الاسدی نے بیعت کی۔ ایک صحابی حضرت سلمہ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی یعنی شروع میں، بیچ میں اور آخر میں۔

یہ خبر سن کر قریش کے ہوش جاتے رہے اور انہوں نے صلح کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر ان باتوں پر صلح ہو گئی۔

(۱) یہ صلح دس سالوں تک رہے گی۔

(۲) جو قبیلے قریش سے ملنا چاہیں، قریش سے مل جائیں اور جو مسلمانوں سے ملنا چاہیں مسلمانوں سے مل جائیں۔

(۳) مسلمان ابھی واپس جائیں اور اگلے سال کعبہ کا طواف کر لیں۔

(۴) اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے، تو اسے قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو اسے واپس نہیں دیا جائے گا۔

اس شرط پر ابھی بحث ہو رہی تھی کہ مسلمان ابو جندلؓ بن سہیل مکہ سے آیا اور تمام مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ قریش کے سفیر نے معاہدے کی شرط کے مطابق اسے طلب کیا، حالانکہ ابھی اس شرط پر بحث ہو رہی تھی۔ اس آخری شرط سے سب مسلمان سوائے حضرت ابو بکرؓ کے سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی ترجمانی حضرت عمرؓ نے کی۔ آپ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا "یقینا میں اللہ کا نبی ہوں"۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا "یقیناً"۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟" آپ نے فرمایا کہ "کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی ہی سال کریں گے؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ تو آپ نے فرمایا کہ "یقین رکھو ہم ضرور یہاں آئیں گے اور طواف کریں گے۔"

حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی باتیں حضرت ابو بکرؓ سے بھی کیں۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی وہی جوابات دیئے، جو آنحضرت نے دیئے تھے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت جو بات فرمائیں اسے مرتے دم تک بے چون و چرا مانتے رہو۔ غرض یہ شرط منظور ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے ابو جندلؓ کو قریش کے سفیر کے حوالے کر دیا۔ اور "ابو جندلؓ نے صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو قبول کر لیا۔ اور تمام مسلمان یہ تلخ گھونٹ پی کر بھی چپکے ہو رہے۔"

ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی (۸۰) آدمی کوہ تنعیم سے صبح کے وقت اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کی حالت میں قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن آنحضرت نے انہیں معاف کر کے رہا کرا دیا۔

اس معاہدے کے بعد آپ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ راستے میں سورہ فتح کے شروع کی آیتیں اتریں۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

ترجمہ: ہم نے تجھے کھلی فتح دی اور تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کر دیں اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کر دی اور سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کی اور تجھے زبردست مدد دی۔

اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ (یعنی حدیبیہ کا صلح نامہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہی چیز ہے جسے فتح قرار دیا گیا ہے۔

آپ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ کے شروع میں واپس تشریف لے آئے۔ یہاں کوئی تین ہفتے ٹھہرے ہوں گے کہ محرم میں خیبر پر چڑھائی کر دی۔ اس معرکے میں صرف ان مسلمانوں کو شامل ہونے کی اجازت تھی جو حدیبیہ کے واقعے میں شریک رہ چکے تھے۔

صلح کا نتیجہ اور اثر:

اس صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں راہ و رسم بڑھا اور میل جول زیادہ ہوا، تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے اور لوگ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے اثر لے کر مسلمان ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ کی چوتھی شرط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مخالفین میں سے جو شخص مسلمان ہوگا وہ شرط کے مطابق مخالف کیمپ میں بھیجا جائے گا، لیکن ضرور وہاں بھی اپنا کام کرتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوجندلؓ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے عین معاہدہ لکھے جانے کے وقت قریش کے حوالے کر دئے گئے۔ انہیں مکہ معظّمہ لے جا کر قید کر دیا گیا۔ لیکن جو شخص ان کی نگرانی پر مقرر ہوتا۔ وہ ان کے سمجھانے سے مسلمان ہو جاتا۔ اب دونوں مل کر تلقین کرتے۔ اس طرح ان قیدیوں کی تلقین سے تین سو کے قریب آدمی مسلمان ہوگئے۔ قریش مکہ نے بہتیرا چاہا کہ آنحضرت ﷺ معاہدے کی اس شرط کو توڑ کر ان مسلمانوں کو اپنے ہاں لے لیں۔ لیکن آپ نے معاہدہ توڑنا قبول نہیں فرمایا۔ آخر قریش کو خود ہی ان مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا پڑا۔

حدیبیہ میں اسلامی جماعت کے ضبط کا حال اوپر بیان ہو چکا۔ یہ لوگ تو آنحضرتؐ کے سامنے تھے، لیکن حضرت ابوجندلؓ آپ سے دور ہوتے ہوئے بھی جماعتی ضبط کے اتنے پابند نکلے کہ جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے قرار دیا کہ ابوجندلؓ نے ابوالعاص مکی کے جس قافلے کو لوٹا ہے اس کا مال اسے واپس کر دیں، تو انہوں نے اس فیصلے کی اطلاع پاتے ہی ابوالعاص کے قافلے کا سارا اسباب یہاں تک کہ رسی اور اونٹ کی مہار تک ابوالعاص کے حوالے کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوالعاص نے سارا مال حقداروں تک پہنچا کر اسلام قبول کر لیا۔

غرض اس صلح کے نتیجے کے طور پر لوگ کثرت سے اسلام لانے لگے۔ چنانچہ جہاں حدیبیہ کے واقعے میں آنحضرت کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے، وہاں ایک سال بیچ دے کر اگلے سال فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار "قدوسی"[1] تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اب مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کے بادل چھٹ رہے

[1] یہ تورات کا لفظ ہے دیکھو کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۲۔ (مرتب)

تھے۔ گویا اس صلح نے اسلام کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (ہم نے تجھے کھلی فتح دی)

جو صلح فتح کی قائم مقام ہو، وہ جماعت کی مضبوط تنظیم پر موقوف ہوتی ہے۔

انقلاب کیا ہے؟ :

ایک استاد ایک نیا فکر لے کر اٹھتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور کام کرنے کا صحیح طریقہ سمجھاتا ہے۔ وہ اس تعلیم ہی کے ذریعے سے ایک نظام پیدا کرلیتا ہے۔ جس سے وہ دنیا سے ہر قسم کا ظلم دور کر کے انسانوں کے تعلقات خدا کے ساتھ قائم کرنے کے موقعے بہم پہنچاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مضبوط نظام جس میں ایک فرد اپنا سب کچھ اس نظام پر قربان کرنے کو تیار ہے، باطل پر غالب آجاتا ہے۔ یہی انقلاب ہے۔

مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن :

اس وقت جب حدیبیہ کے مقام پر دونوں جماعتیں ملیں۔ دونوں کی کیا حالت تھی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا نظام نہایت مضبوط تھا۔ ان میں ضبط (Discipline) اور اطاعت (Obedience) انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے برخلاف اہل مکہ کمزور تھے، ان کے بڑے بڑے سردار مر چکے تھے۔ اور اب اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فوجی نقطہ نگاہ سے بھی مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط تھی، کیونکہ وہ اچانک مکہ کے عین پاس پہنچ چکے تھے، ان باتوں کے ہوتے ہوئے جب مکہ والوں نے صلح پیش کی تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے وہ شرطیں جھٹ مان لیں۔ رفتہ رفتہ عام مسلمانوں نے بھی انہیں قبول کر لیا۔ یہ قبولیت ان کے اندرونی نظام کی قوت کے سبب سے تھی۔ نہ اس لئے کہ سب مسلمان صلح کی حکمت کو سمجھ گئے تھے، اس صورت میں یہ صلح قیامت تک مسلمانوں کے لئے فخر کا سبب گنی جائے گی۔ اس سے جو فائدے نکلے انہوں نے مخالفوں کو بھی سمجھا دیا کہ اسلامی نظام میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور اس کے نیچے کیا کیا دانائیاں چھپی ہوئی ہیں۔

جنگوں کا نقصان :

اب تک اہل اسلام اور اہل مکہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کی وجہ سے اہل مکہ ان فائدوں پر غور نہیں کر سکے تھے، جو اسلام کا انقلاب قبول کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس مطالعے کے لئے انہیں نہ وقت ملا تھا، نہ

آسانیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اس صلح کے بعد ان لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو سوچنا شروع کیا اور انہیں وہ فائدے نظر آئے جو جنگ اور نفرت کے گرد و غبار میں سے نظر نہ آسکتے تھے۔ اب اچھے اچھے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اس طرح قرآنی انقلاب کو ایسے کام کے آدمی مل گئے جنہوں نے آگے چل کر نہایت شاندار تعمیری کارنامے کئے۔

صلح کا فائدہ :

یہاں ایک اور بات بھی سوچنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ کہ قریش مکہ عرب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے، اگر ان کی اجتماعیت نہ ٹوٹتی اور کسی وجہ سے اپنے پہلے فکر سمیت اسلام میں داخل ہو جاتے تو اپنے قدیم (مشرکانہ) فکر پر نئی اجتماعیت پیدا کر کے اسلام کے اندر ایک مستقل کھینچا تانی کا باعث بنتے۔ لیکن اس صلح کے بعد انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسے عام انسانیت کے لئے مفید سمجھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے قدیم خیالات چھوڑ کر اسلام کا نظریہ لے لیا۔ اور اس کی مضبوطی کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

(تاکہ تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کرے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی پہلی اور پچھلی غلطیوں کی معافی کی اطلاع دی جا رہی ہے، جو لوگ نبیوں کو عام طور پر اور آنحضرت ﷺ کو خاص طور پر معصوم[1] مانتے ہیں۔ (اور عقلی طور پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ انہیں معصوم مانا جائے)۔ ان کے لئے دماغ میں چبھنے والا فکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

ہم اس ''معافی'' کے مسئلے کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہی نہیں۔ بلکہ ان کی کمی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلوی 'تفہیمات الٰہیہ' جلد اول ص : ۳۰۲ میں فرماتے ہیں کہ :

''واضح رہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ میں دو خصوصیتیں جمع ہو گئی ہیں۔

[1] جس سے کوئی غلطی نہ ہو سکتی ہو۔ (مرتب)

(۱) نبوت عامہ اور (۲) قریش کی سعادت کا سبب بننا۔

آپ کی نبوت میں مفہمیت ❶ کی تمام قسمیں آ گئی ہیں۔ اس سے ہر ایک رنگدار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکمت الٰہی کی مصلحت ❷ کلی کا تقاضا ہوا کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔

باقی رہی قریش کی سعادت تو ان کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔

میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہو کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت ❸ پیدا کریں۔ تو یقیناً قانون الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کر لیں۔ جیسے ترکوں نے قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں، کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔"

اسی فکر کو حجۃ اللہ البالغہ (مطبوعہ مصر) جلد اول ص ۱۲۴ اور ص ۱۲۸ میں یوں ظاہر فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ملت حنیفیت اسماعیلیہ میں پڑی ہوئی کجی کو ٹھیک کرنے اس کی بگڑی ہوئی شکل کو صاف کرنے اور اُس کا نور پھیلانے کے لئے تشریف لائے، جب حقیقت یہ ٹھہری تو لازم آیا کہ اس ملت کے اصول تو قائم رکھے جائیں اور اس کے طریقے نہ ہٹائے جائیں۔ کیونکہ جب نبی اپنی قوم کی طرف مقرر ہو کر آتا ہے تو اس قوم میں کچھ اچھے طور طریقے باقی ہوں تو وہ انہیں نہیں بدلتا۔ کیونکہ ان کو بدلنا بالکل بے معنی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرمؐ نے بھی ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی شریعت پر نظر ڈالی۔ تو جو چیز حجرت اسماعیلؑ کے اصل طریقے پر دیکھی اسے باقی رہنے دیا۔ اور جو چیز بدل چکی تھی اور جس میں فساد اور خرابی آ چکی تھی اسے ہٹا دیا۔ آپ نے ملت حنیفیہ کے اشاعت کی بے حد کوشش کی کہ یہ قانون تمام قوموں پر غالب آ جائے اس سلسلے میں ملت حنیفیہ میں جو تحریفات ❹ دیکھیں ان کو مٹا دیا اور بڑے زور سے ان کی نفی کی۔ اور جو ارتفاقات ❺ صحیح تھے، انہیں قائم رکھا۔ اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں جو خراب رسمیں آ گئی تھیں ان سے روکا اور جبراً منع کیا اور اس ملت کے

---

❶ جسے خدا کی طرف سے کوئی بات سمجھائی جائے۔ اسے مفہم کہتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے کئی درجے ہیں۔ ان میں معمولی القاء سے لے کر صاف لفظ وحی تک سب آتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۸۴

❷ سب انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیز یا بات (مرتب)

❸ ایسی حکومت جس کی بنیاد قومیت کی جگہ انسانیت پر ہو۔ (مرتب)

❹ تبدیلیاں

❺ زندگی گذارنے کے طور طریقے

اصول پر بین الاقوامی حکومت قائم کی اور جو لوگ اس بارے میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ان کی مدد سے جنگیں بھی کیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کی مخالفت دھری کی دھری رہ گئی اور خدا کا قانون سب قوموں پر چل کر رہا۔

اور خیر کثیر میں فرماتے ہیں کہ: ''حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی پہلی حیثیت میں اپنی قوم کے لئے نبی بن کر آئے۔ جب اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو آپ کی قوتیں چودھویں کے چاند کی جگہ سورج بن کر چمکنے لگیں۔ پھر ایک اور ترقی ہوئی کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا، جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے۔ اب آپ کرۂ زمین کے ہر ایک گوشے کے امام بنائے گئے۔''

آپ ﷺ کی ان دو حیثیتوں کی حکمت حجۃ اللہ البالغہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔ ''جو امام سب قوموں کو اپنی ملت پر جمع کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ وہ پہلے ایک قوم کو صحیح اصول کی دعوت دیتا ہے۔ انہیں غلط کاریوں سے پاک کرتا ہے، ان کی حالت درست کرتا ہے اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنا کر دنیا کی سب قوموں سے جنگ کرتا ہے اور اپنی قوم کے لوگوں کو سب قوموں کے اندر پھیلا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی امام کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اکیلا سب قوموں سے جنگ کرتا پھرتا۔'' (جلد اول ص ۱۱۸)

اس اصول نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں کس طرح کام کیا۔ اس کی تشریح آگے چل کر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مہاجرین اور انصار کی پہلی جماعت، قریش اور ان کے ارد گرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا۔ کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا۔ اسے اپنی اپنی قوم کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لئے تیار کیا گیا۔ پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں ایران اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے (کیونکہ انہیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی)۔ پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان اور رومیوں کی مدد سے حبشہ وغیرہ کے علاقے فتح کرائے۔''

معلم منتقم نہیں ہو سکتا:

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو عرصے تک ابراہیمی دعوت کے حامل رہے۔ اس اونچے رتبے سے گر چکے ہیں، اور حکمت الٰہی قریش یعنی بنی اسماعیل کو اس دعوت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جو دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (۱۲۹:۲) (یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے جس امت مسلمہ کو اپنی نسل سے اٹھانے کی دعا کی ہے ان میں انہی میں سے ایک رسول

بھیج) وہ پوری ہو۔ قریش میں بھی اس دعوت کے اصل مدعا پر ایمان موجود تھا۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ ہمارا وجود ابراہیمی دعوت کے اظہار کے لئے کمال رکھتا ہے۔ مگر جہالتوں کے سبب وہ بہت سی غلط باتیں اختیار کر چکے تھے۔ ان غلطیوں کو دور کرنا، ان کے اخلاق سنوارنا، انہیں صحیح ابراہیمی طریقہ ذہن نشین کرانا، پھر اس کی حکمت اور حکمت کے اندر قانون سازی سکھانا، تاکہ ساری دنیا کی مختلف قوموں میں یہ طریقہ "امام" کے طور پر مان لیا جائے، سب باتیں رسول اکرم ﷺ کے فرض منصبی میں داخل ہیں۔ اب اگر قریش غلطی کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جہالت اور نادانی کا معاملہ کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جن نبیوں کا ذکر آیا ہے ان کے حالات میں ان کی قوموں کا یہی سلوک دکھایا گیا ہے۔ اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ قریش کے مقابلے میں انتقامی جذبہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ معلم (استاد) ہیں۔ آپ کے فرض منصبی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ آپ قریش کو معاف کرتے رہیں۔ کیونکہ انتقام اور تعلیم جمع نہیں ہو سکتے۔ جونہی استاد میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا اسکی شان معلّمی ختم ہوئی۔ [1]

جماعت میں جذبہ انتقام:

لیکن رسول اکرم ﷺ ایک جماعت کے امام اور ایک پارٹی کے مرکز بھی ہیں۔ وہ جماعت یکایک اس بلند اخلاقی سطح پر نہیں آسکتی ان کے لئے بھی عام قاعدہ ہو سکتا ہے، کہ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے۔ (نحل ۱۲۶) وہ رفتہ رفتہ اس سطح سے اونچی اٹھے گی۔ اس اس لئے یوں فرض کر لینا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کے دل میں انتقامی جذبہ پیدا نہ ہوگا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے فلاں شخص قریش کی جہالت کا انتقامی جواب دینا چاہتا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کا اس پر خاموش رہنا اور اسے اس امر سے نہ روکنا کیا آپ ﷺ کو اس کے فعل کا ایک حد تک ذمہ دار نہیں بنا دیتا؟ لیکن سوسائٹی میں یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو اس کی طبعی رفتار سے ترقی کرنے سے روکا جائے۔ ایک شخص انتقامی جذبے سے جواب دیتا ہے وہ آخر تک پہنچ لے تو اس کے بعد تو درست کرنا ممکن ہے، لیکن اگر اس کے انتقامی جذبے ہی کو کچل دیا جائے تو وہ اپنی فطری

[1] قرآن حکیم میں ہے کہ وَ اصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (نحل:۱۲۶) اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو، ان کے فریب سے) (مرتب)

تکمیل سے عاجز آ جائے گا۔ اس کی تکمیل کی بہترین سبیل یہی ہے کہ اسے موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنا کام پورا کر لے۔ آخر میں اسے سمجھا دیا جائے گا کہ تم نے غلطی کی۔ اس کی تلافی کرو۔ اس طرح اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے۔ لیکن اس کی شخصیت میں سے انتقام کا جذبہ ہی نکال ڈالنا ممکن نہیں۔

جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر :

رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں مثال کے طور پر حضرت عمرؓ ہیں۔ وہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ ان کی فطرت یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی زیادتی کرے تو وہ دس گنا زیادتی کر کے اس کا جواب دیں گے۔ یہ تو ممکن ہے کہ انہیں زیادہ انتقام لینے سے روک دیا جائے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہیں نفس انتقام ہی سے باز رکھا جائے۔

کیا حضرت عمرؓ کے کاموں میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی شرکت نہیں مانی جائے گی؟ اور کیا آپ ﷺ ان کے ایک حد تک ذمہ دار قرار نہیں پائیں گے؟

یہ ہے ذنب اور اس کا تدارک کرنا اس کی معافی کا سبب ہے۔

صلح میں ایک پوشیدہ حکمت :

مسلمان دراصل عمرے کے لئے نکلے تھے۔ لیکن دشمن اسے ظاہری صورت کے لحاظ سے جنگی چال قرار دے سکتا تھا۔ کیا چپکے سے شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لینا لڑائی کی چال نہیں ہے؟[1] اس لئے قریش کا آپ کو روکنا ایک حد تک حق بجانب تھا اور اس پر حضرت عمرؓ کا برہم ہونا بھی طبعی چیز تھی۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کے طرف دار ہو جاتے تو لڑائی قطعی طور پر ہو کر رہتی۔ اور اگر لڑائی ہو جاتی تو نہ صرف قریش کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کام کرنا قیامت تک ناممکن ہو جاتا جس سے آپ کی فطرت کی تکمیل اس طریق پر نہ ہوتی جس کے لئے قدرت نے آپ کو پیدا کیا تھا، بلکہ مسلمانوں کی ان خفیہ جماعتوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا۔ جو مکے میں موجود تھیں (ان کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

[1] مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer) ٹرائی (Tray) کے شہر کی فتح کا حال لکھتے ہوئے یونانیوں کی اس چال کا ذکر کرتا ہے، جس میں انہوں نے ایک بڑا لکڑی کا گھوڑا بنایا اور پھر بہت سے یونانی نوجوان رات کے وقت اس کے پیٹ میں گھس بیٹھے۔ ٹرائے والے اس گھوڑے کو گھسیٹ کر اپنے شہر کے اندر لے گئے۔ رات کے وقت یہ نوجوان گھوڑے کے پیٹ میں سے نکل پڑے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ (مرتب)

صلح کا جواز :

اسلام جس انقلاب کا نام ہے۔ اس میں دفاع بھی ہے اور ہجوم بھی۔ دفاعی جنگ سے تو کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا اور اس میں حملہ آور کو جو نقصان پہنچے اس کی ذمہ داری مدافعت کرنے والوں پر عائد ہوتی ہی نہیں، لیکن ہجومی جنگ میں ہجوم کرنے والوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً جب انقلاب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو۔ ان ہجومی حملوں میں مخالفین کا جو نقصان ہوگا۔ اس کی ذمہ داری سے حملہ آور بچ نہیں سکتے۔ لیکن قرآن حکیم اس ذمہ داری کو ایک اونچی سطح پر لاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا ان حملہ آوروں کا مقصد لوٹ مار اور فتح تھا؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ نہیں، کیوں کہ اگر مسلمانوں کا مقصد اب اور پہلے فتح و غارتگری ہوتا تو وہ حدیبیہ کے واقعے میں جب وہ مکہ والوں سے یقیناً زیادہ طاقتور تھے، دب کر صلح نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ قرآنی انقلاب کا منشا لوٹ مار اور فتح نہیں اور نہ وہ کسی امپریلزم کا حامی ہے۔ جسے دوسروں پر جبراً ٹھونستا پھرے۔

اس موقعے پر خدا تعالیٰ نے آپ کو اتنی سمجھ دی اور اتنا دل گردہ عطا فرمایا کہ تنہا ساری جماعت کے فیصلے کے خلاف ڈٹ گئے اور قریش کی تمام شرطیں صرف اس لئے مان لیں کہ وہ "بیت اللہ" کی عزت کرانا چاہتے تھے۔ کیا آپ کے مشن کا مقصد یہ نہ تھا کہ ابراہیمی طریقہ رائج کیا جائے؟ جب قریش اس دین کے مرکز کی عزت کے لئے شرطیں پیش کرتے ہیں، چاہے وہ کیسی بھی نا معقول شکل میں ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں مان نہ لیا جائے، لیکن جماعت میں یہ سمجھ عام طور پر نہیں آسکتی تھی اس لئے قریش جارحانہ حملہ آور کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ صلح کی تجویز پیش کرنا ہی بڑی جرات اور ہمت کا کام تھا۔ صرف ایک حضرت ابو بکرؓ تھے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ متفق ہوئے۔ وہ آپ کی سوسائٹی میں نہایت سمجھدار اور اثر والے بزرگ تھے۔ ان کی سمجھ سب میں سرایت کر گئی جس نے سب کو ٹھیک کر لیا۔ اور فیصلہ وہ ہوا جس سے قریش رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ملنے پر تیار ہو گئے۔

پچھلی "غلطیوں" کا ازالہ :

جب میل ملاپ بڑھا تو قریش کو معلوم ہوا کہ آپ میں کوئی انتقامی جذبہ ہی نہیں۔ اور نہ آپ کا مقصد اپنا امپریلزم قائم کرنا ہے۔ جہاں ظاہر میں انتقام کی صورت نظر آتی تھی وہاں بھی اصل میں رحمت ہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جو آپ کی جان لیوا تھے۔ اب آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بعد میں آپ ﷺ کی تحریک کو عرب میں جو ترقی حاصل ہوئی اور قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک جو کام کیا اور صرف رسول

اللہ ﷺ کے اشارے کے ماتحت رہے، وہ سب اسی فیصلے کی برکت تھی جو حدیبیہ میں ہوا۔

غرض اسلامی انقلاب سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے، ان کا منبع حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک اور آپ کے قریب ترین ساتھی تھے اور اس صلح نے ثابت کر دیا کہ آپ ذاتی طور پر فتح اور شکست اور لٹ مار کے خیال سے بہت اونچے ہیں۔ لیکن آپ کی انقلابی جماعت کے کارکن آپ کی طرح غلطی کرنے سے پاک نہیں تھے، ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں، اس صلح نے آپ ﷺ کو ان سے بھی بری ثابت کر دیا اور یہ بھی دکھادیا کہ آپ ﷺ کے ساتھیوں کی غلطیاں بھی عام غارتگر جماعتوں کی خود غرضانہ غلطیوں سے زیادہ اونچی طرز کی تھیں۔ آگے چل کر آپ ﷺ کے ساتھیوں کے اس کیریکٹر پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

اگلی ”غلطیوں“ کا ازالہ :

قریش کے ساتھ آئندہ جو معاملات پیش آئیں گے، ان میں بھی انتقامی صورتیں اسی طرح آئیں گی۔ جس طرح پہلے آچکی ہیں۔ وہ بھی سب ظاہر ہیں ”ذنب“ ہوں گی۔ لیکن اس واقعہ نے جس طرح پہلی نام نہاد غلطیوں کے متعلق تمام شبہے دور کر دیئے اور انتقام کا الزام آپ ﷺ پر سے دھو دیا۔ اسی طرح آئندہ بھی جو شخص ظاہری انتقامی شکلوں کو اس فیصلے کے سامنے رکھ کر دیکھے گا وہ سوچ ہی نہیں سکے گا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے لئے کوئی انتقامی فکر پیدا کر سکتے تھے۔ اس طرح آئندہ انتقامی صورتیں بھی اس واقعے کی روشنی میں صاف ہو جائیں گی۔ اور نام نہاد ذنب کا گمان کلیتہ زائل ہو جائے گا۔

جس قوم کے ساتھ تم اب مل کر کام کرنا چاہتے ہو اس کی یہ نظیر ہے۔

انسان کی ارتفاقی زندگی اور انتقام :

امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ ایک ادنیٰ حصہ ہے کہ انسان ارتفاقات [1] کی ترقی سے اپنی حیوانیت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس تمام عمل کے نیچے انسان کی عقلیت یا ملکیت کام کرتی ہے، ارتفاقی زندگی میں پہلی منزل گھر کی زندگی ہے۔ گھریلو زندگی میں انتقامی جذبے کے ماتحت کوئی ترقی نہیں ہو سکتی، اور نہ گھر کے لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ کر کوئی کام ہو سکتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایک بادشاہ کی اطاعت کر رہے ہیں، مگر بادشاہ کون ہے؟ باپ میں انتقام نہیں ہوتا، صرف رحمت اور محبت ہوتی ہے، مگر بادشاہ کے حکم میں انتقام آتا ہے۔ جب ایک ہی شخص

[1] زندگی بسر کرنے کے طور طریقے۔ (مرتب)

بادشاہ بھی ہو اور باپ بھی ہو تو صورت یہ ہو گی کہ ظاہر میں انتقام ہو گا لیکن اندر سے رحمت اور محبت۔ اس طرح خانگی زندگی ترقی کرے گی۔ محلے، گاؤں، شہر، ملک اور ممالک یا بین الاقوامی زندگی میں بھی اسی طرح ترقی کرنی چاہئے۔ اگر انتقام کی صورت آجائے تو کوئی ہرج نہیں۔ مگر انتقام کی سپرٹ نہ ہو۔ جب مخالف لوگ ہمارے ساتھ مل کر بیٹھیں تو انہیں معلوم ہو کہ وہ انتقام نہیں تھا، بلکہ رحمت تھی۔ جب کوئی تحریک اس انداز پر ترقی کرتی ہے وہ انسانیت میں جائے گیر ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں نے اسلام کو فقط فاتحانہ انداز میں بند کر دیا ہے یعنی لڑے اور فتح پائی۔ تو یہ اسلام ہے اور شکست کھا گئے تو کفر ہے، وہ کبھی اسلام کو دنیا میں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ جب تک فتح و شکست میں ایک ہی جذبہ۔۔۔۔ محبت اور رحمت۔۔۔۔ کام نہ کر رہا ہو۔ اور اس کے نیچے فائدہ پہنچانا اور خدمت کرنا نظر کے سامنے نہ ہو، اس وقت تک اسلام مکمل نہیں ہوتا[1] مگر لوگوں نے رسول ﷺ کو ایسی ہستی بنا رکھا ہے جس کے کسی فعل یا نمونے کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ اس طرح وہ ایک نمونہ جو ساری انسانیت کے لئے پیش[2] کیا گیا تھا، نظروں سے او جھل کر دیا گیا!

(ب) ويتم نعمتهٔ عليك (اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کرے)

"اتمام نعمت" سے کیا مراد ہے؟:

قریش جو تیری اپنی قوم ہے، وہی تیرے دست و بازو بن کر کام کریں گے اور دعوت ابراہیمی کو دنیا میں اونچے درجے پر غالب کریں گے یعنی اسے بین الاقوامی مرکز میں لاکر غلبہ دیں گے۔

"اتمام نعمت" کے معنوں کے لئے امام ولی اللہ دہلوی کی وہ تشریح دیکھنی چاہئے جو وہ "بین الاقوامی سیاست" کے عنوان سے حجۃ اللہ البالغہ میں کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فلما كثر ذٰلك فى الملوك اضطروا الى الخليفة وهو من حصل له من العساكر والعدد مايرىٰ كالممتنع ان يسلب رجل اٰخر ملكه فانه انما يتصور بعد بلاء عام وجهد كبير و اجتماعات كثيرة وبذل اموال خطيرة تتقاصر الانفس دونها وتحيله العادة واذا وجد الخليفة واحسن السيرة فى الارض وخضعت له الجبابرة وانقادلهٔ الملوك تمت النعمة (حجة الله البالغه الجزء الاول ص ٤٧)

---

[1] حضرت نبی اکرم ﷺ نے احد کے ایک معرکے میں شکست کھاکر دانت شہید کراتے ہوئے فرمایا: رب اغفر قومى انهم لا يعلمون (خدایا میری قوم کو بخش دے، یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔) یہ تھا جذبہ محبت و الفت جس نے حدیبیہ کے بعد آپ کے مخالفین کے دلوں میں بھی اثر کیا۔ اور ثابت کر دیا کہ آپ معلم اور باپ، ہیں منتقم اور فاتح نہیں (مرتب)

[2] لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لئے اللہ کا یہ رسول ایک نمونہ ہے)۔ (سورۃ احزاب۔۲۱)

"یعنی جب قومی بادشاہوں میں حسد اور بغض بڑھ گیا۔ تو انسانوں کو خواہ مخواہ ایسے خلیفہ کی ضرورت پڑی جسے فوج اور سامان جنگ کی اتنی کثرت حاصل ہو کہ کسی شخص کا اس سے ملک چھین لینا ناممکن کے قریب ہو۔ کیونکہ ایسے بادشاہ سے ملک کا چھیننا اسی صورت میں تصور میں آتا ہے جب اس کے سب ملکوں میں عام بغاوت پیدا ہو جائے اور اسے ملک داری سے ہٹانے کے لئے بہت ہی کوشش کی جائے۔ بڑے بڑے اجتماعات کئے جائیں اور بے انتہا روپیہ صرف کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کوشش سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ناممکن کے قریب سمجھا جاتا ہے کہ ایسے بادشاہ کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ جب ایسا خلیفہ قائم ہو جائے اور اس کی سیرت بھی اچھی ہو، اور بڑے بڑے زبردست لوگ اس کے تابع ہو جائیں اور ارد گرد کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت اختیار کر لیں تو سمجھنا چاہئے کہ نعمت انتہا کو پہنچ گئی"۔

گویا حضرت امامؒ کے نزدیک بین الاقوامی غلبے ہی کا نام اتمام نعمت ہے۔

(ج) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ (اور تجھے سیدھی راہ چلائے)

سیدھی راہ:

رسول اللہ کی کامیابی کا صحیح پروگرام یہ ہے کہ قریش آپ کی تعلیم کے خادم بنیں۔ اور آپ ﷺ کے اصول پر جو حکومت پیدا ہو اسے چلائیں۔ تاکہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کی دعا عمل میں آئے۔[1]

اگر یہ صورت پیدا نہ ہو، اور آپ دوسری قوموں کی مدد سے اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھادیں۔ تو گو آپ انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان کرنے والے گنے جائیں گے۔ لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی دعا کا مصداق نہ ٹھہریں گے۔ پہلے نبیوں کی برکتوں کا مصدق بننا تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ قریش کو اپنا مددگار بنائیں۔ پہلے سب نبی اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں۔ اس لئے آپ کا بھی فرض ہے کہ اپنی قوم کو ساتھ ملائیں۔ کیوں کہ کام کرنے کا طبعی طریقہ یہی ہے۔ اس سے آپ کا طریقہ وہ ہو جائے گا جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آپ ؐ تک ایک ہی طرح قائم رہا۔ یعنی پہلے قومی انقلاب مکمل کرنا پھر اسے

---

[1] ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (اے ہمارے رب! (اسے) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا تابع بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے حکموں کے نیچے رہ کر زندگی بسر کرے۔ اور ہمیں مناسک سکھا اور ہم پر رحم فرما۔ تو رحمت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس نسل میں (جس کی ہم نے دعا کی ہے) انہی میں سے ایک (ایسا) رسول پیدا کر جو انہیں تیرے حکم پڑھ کر سنائے، قانون سکھائے (اس قانون کی) حکمت بتائے، اور انہیں پاک کرے بے شک تو عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

بین الاقوامی درجے تک کامیاب بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر آپ بھی اس طریق پر کام کریں تو یہ طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مستقل پروگرام بن جائے گا اگر آپ پہلے نبیوں کے طریق سے ہٹ کر طریقہ اختیار کریں، تو وہ آئندہ انسانیت کے لئے تبدیل ہوسکنے والا پروگرام نہ ہوگا۔ غرض حضرت نبی اکرم ﷺ یہی طریق اختیار کیا کہ پہلے اپنی قوم کو درست کیا اور انہیں اپنا دست و بازو بنایا۔ پھر ان کی مدد سے دوسری قوموں کے ایک ایک حصے کو ساتھ ملایا۔ پھر اس حصے نے اپنی اپنی قوم میں یہ انقلابی کام کیا اور قرآن حکیم کی تعلیم پھیلا کر اس انقلاب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی نے قوم بقوم اسلام پھیلنے کا جو طریق تاریخی طور پر ثابت کیا ہے اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب کو بین الاقوامی درجے پر کامیاب بنانے کا تہیہ کرے وہ اسی طریق سے اسلام کی تعلیم کامیاب بناسکتی ہے۔ یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے۔

(۳) وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (اور اللہ تجھے زبردست مدد دے)

کل قومی حکومت تیری اس کمزور جماعت ہی کے ذریعے سے مہیا ہوجائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے ان غریب اور بے کس عربوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ کر رکھ دئے۔ اور ان کی جگہ قرآن کا قانون چلایا۔ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فطرت کی ضرورتوں پر تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ سب قوموں کے عقلمند لوگوں نے اسے مان لیا۔ اس طرح یہ تحریک روز بروز بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ اس صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھا۔

هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ

(وہی ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا۔ تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھ جائے)

صحابہ کا ایمان:

نبی اکرم ﷺ کی جماعت نے یہ سن کر کہ، ”حضرت عثمانؓ شہید کردے گئے ہیں جو اہل مکہ کے پاس گفت و شنید کرنے گئے تھے تو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اس خبر سے صلح کا دروازہ کھلا۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ صلح کے لئے سب سے نچلے نقطے پر اتر آئے۔ یہ بات اس لڑنے والی طاقت کو جو موت پر بیعت کر چکی تھی سخت ناگوار گزری۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے سے سب کو ان ناگوار شرطوں پر اطمینان عطا کیا۔

ایمان موت کی بیعت سے ظاہر ہوا اور دوسرا ایمان ان ناگوار شرطوں پر صلح قبول کرنے سے۔

(ب) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں)۔

اب ان کی کیفیت وہی ہے جو آسمان پر خدا کے فرشتوں کی ہے۔ یہ جماعت رسول اللہ ﷺ کے لئے فرشتوں کی طرح ہے۔ کہ وہ آپ کے حکم کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں[1]

(ج) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (اور اللہ علم اور حکمت (دینے) والا ہے)۔

اللہ دنیا والوں کو حکمت دینا چاہتا ہے، اس علم و حکمت کے دینے کے لئے اس نے فرشتوں جیسے انسانوں کا لشکر تیار کر دیا ہے۔

آسمانی فرشتے حکمت لاتے ہیں، اور انسانوں کو دیتے ہیں، اب ان انسانوں (مسلمانوں) کا کام یہ ہے کہ حکمت الٰہی کو دنیا میں پھیلائیں۔ یہ لڑتے ہیں تو باغی طاقت کو تباہ کرنے کے لئے جو مسکینوں کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے، اور صلح کرتے ہیں تو مسکینوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے کے لئے۔ یہ خدا کی خوشنودی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انسانیت کی خدمت :

یہاں ہم اس جملے کو صراحتاً دہرا دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کی خدمت کرنا ہر ایک شریف انسان کا طبعی فرض ہے۔ جس طرح ماں باپ بچے کی خدمت بے غرضی کے ساتھ کرتے ہیں، اسی طرح ایک شریف انسان اپنے احاطہ انسانیت کی خدمت کرنا اپنا طبعی فرض جانتا ہے۔ یہ خدمت دو شکلیں اختیار کرتی ہے۔

ا۔ ایک انسان ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں سونے چاندی اور عزت کی شکل میں مانگتا ہے۔ یہ بادشاہوں کی جماعت ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں پیسے اور عزت کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتا، اس کی عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے۔ یہ نبیوں کی جماعت ہے۔

قرآن عظیم اس دوسری جماعت کو زندہ کرنا چاہتا ہے، وہ ہر ایک قوم میں اس قسم کے لوگوں کا نمونہ پیدا کر دے گا، اس کے لئے نمونے کی جماعت وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے تیار کی۔ اسی نمونے پر ہر ایک قوم میں جماعتیں بنی چاہئیں، یہاں تک کہ سب قومیں اسی نقطے پر جمع ہو جائیں، یہ ہے قرآن کا اصل مقصد۔

''اس خدمت'' سے اس جماعت کا مقصود کیا ہے؟ وہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] فرشتوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (وہ اللہ کے کسی حکم کی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) (التحریم:٦٦)

لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ‌ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ‏

(تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں پہنچادے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ان کی برائیاں ان پر سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے)

اس خدمت کا مقصد :

اس جماعت کا نصب العین دنیا کی عزت میں ہے وہ اپنی جان اور مال قربان کر کے اللہ کے قانون کو بلند کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہی قانون ہے جس کے ذریعے سے غریب اور مسکین طبقے کا انتفاع (Exploitation) ختم ہو سکتا ہے۔ وہ خدا کی مخلوق کی یہ خدمت کسی دنیاوی لالچ سے نہیں کرتے۔ وہ جنت عدن (ہیشگی کے باغات) کی زندگی چاہتے ہیں۔ گو ان کی خدمات کا طبعی نتیجہ یہ بھی ضرور ہو گا کہ وہ دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور زرخیز اور زر ریز علاقوں کے مالک بنیں گے۔

وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ (ان کی برائیاں ان سے اتار دے)

غلطی کی معافی کیوں؟ :

اب انہوں نے جس اطاعت شعاری کا اظہار کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غلطیوں سے فائدہ اٹھانا اپنا مقصد نہیں بنایا۔ وہ جنگ کرتے تھے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، تاکہ اس کا قانون چلے۔ اور مظلوم انسانیت ظالم طبقے کے ظلم سے چھوٹے اور صلح قبول کی تو فقط اللہ کے حکم کے تابع ہو کر تاکہ اس کا نام بلند ہو اور مظلوم انسانیت کچلی نہ جائے۔ ان کی اس ذہنیت کی وجہ سے ان کی غلطیاں جو انقلاب کے دوران میں ان سے ہوتی ہیں، معاف کر دی جائیں گی۔

اس قسم کی بخشش کا اعلان ان لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جنہوں نے سب سے پہلے معرکہ انقلاب یعنی جنگ بدر میں حصہ لیا۔ ان کی نسبت ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سب غلطیاں معاف کر دی ہیں۔ اس معافی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ان غلطیوں سے اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ان کا یہ مقصود تھا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ (یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے)

اللہ تعالیٰ نے حجاز سے ایک جماعت کو چن لیا ہے اور انہیں بہت سے امتحانوں میں آزما لیا ہے، اب یہ بہت اونچے درجے پر کامیاب ہوئے ہیں، اس لئے انہیں کل قومی غلبہ دیا جائے گا۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

(اور تاکہ دغا باز مردوں اور دغا باز عورتوں کو اور اللہ کے متعلق طرح طرح کے برے گمان کرنے والے مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ مصیبت کا پھیرا انہی پر پڑتا ہے۔ اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کی اور وہ نہایت ہی برے ٹھکانے پر پہنچے)

تھڑدلے : منافقین :

قریش میں سے جو لوگ اس قرآنی انقلاب کے نظریے کو پوری طرح بغیر کسی شرط کے مان چکے ہیں وہ غلبہ پائیں گے، لیکن جو اہل قریش کسی مصلحت کی وجہ سے اس انقلاب کو قبول کرتے ہیں۔ یا حنیفیت ---- تحریک ابراہیمی ---- پر پورا یقین نہیں رکھتے وہ قطعاً ناکام رہیں گے۔

آئندہ چل کر بھی جو لوگ قرآنی نظریہ انقلاب پوری طرح مانیں گے، وہی بین الاقوامی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ اور تھڑدلی کے ساتھ اطاعت کرنے والے (منافقین) یا اس پروگرام پر پورا بھروسہ نہ رکھنے والے جو اس میں ادھر ادھر سے اور چیزیں شامل کرنا چاہیں گے (مشرکین) ناکام رہیں گے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ (اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے)

مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ہے جو قرآن کی اطاعت کا نام تو لیتی ہے، لیکن صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو عزت کے ساتھ قبول نہیں کرتی، بلکہ اپنی مصلحتوں کے ماتحت مانتی ہے۔ اگر رسول اللہ کا فیصلہ ان کی اپنی ضرورتوں کے مطابق ہوا تو مان لیتے ہیں نہیں تو انکار کر دیتے ہیں۔ گو وہ کھلم کھلا انکار نہیں کرتے، لیکن عملاً اسے مانتے بھی نہیں۔ یہ منافقوں کی جماعت ہے، ان کا اصل مقصد دنیا کی عزت اور روپیہ حاصل کرنا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ان کے ذاتی فائدوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ اور ان کی ساری سکیمیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ ان کے لئے موت اور عذاب ہے۔

وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ (اور شرک کرنے والے مرد اور شرک کرنے والی عورتیں)

رجعت پسند مشرکین :

قریش میں مومنوں اور منافقوں کی جماعتوں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ہے۔ یہ لوگ حنیفیت پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ حنیفیت سے پہلے جو دور تھا اور جسے حضرت ابراہیمؑ نے آکر ارتجاعی (Reactionary) بنادیا۔ اس کے علموں اور ہنروں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ فقط اللہ پر بھروسہ کر کے دنیا اور دین اس کے حوالے نہیں کرتے، بلکہ اس میں تھوڑا سا شرک ضرور ملالیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ محض خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کیا جائے اور اس میں دنیا بھی شامل نہ ہو۔ تو دنیا سے بہتر زندگی (جنت میں) مل سکتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو محض خیال کے درجے پر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اس پرانی ذہنیت کو چھوڑ کر نئی انقلابی ذہنیت کو قبول نہیں کر سکتے۔ ان کا نام قرآن حکیم کی اصطلاح میں مشرکین ہے۔ جب مسلمانوں کو محض اللہ پر بھروسہ کر کے کامیابی ہوگی اور وہ آگے بڑھ جائیں گے، تو یہ مشرکوں کے اصول کے قطعاً خلاف ہوگا۔ وہ مسلمانوں کی کامیابی ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ مشرک لوگ بھی شکست کھاجائیں گے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اور عذب میں پھنس جائیں گے۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (اللہ کی نسبت طرح طرح کے بُرے گمان باندھنے والے)

مشرکین کی تحلیل نفسی :

یہ مشرک اللہ پر پورا بھروسہ نہیں رکھتے، انہیں یقین نہیں کہ خدا پر پورا پورا بھروسہ کر کے آخرت میں ہماری ایسی مستقل زندگی شروع ہو سکتی ہے، جس کے مقابلے میں اس عارضی دنیاوی زندگی کو قربان کر دینے میں کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کی کامیابی کے لئے خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً تناسخ کو ماننے والی قومیں موت کے بعد زندگی مانتی ضرور ہیں مگر اس زندگی کو اس دنیاوی زندگی ہی میں مجسم مانتی ہیں۔ وہ اس مستقل زندگی کا تصور کر ہی نہیں سکتے، جو اس دنیاوی زندگی سے آگے ہے۔ اس لئے انہیں دنیاوی زندگی قائم رکھنے کے لئے حکمران طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ اپنے دینی پروگرام کی مخالفت کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتہ کئے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتے۔ یہ نتیجہ ہے خدا کے متعلق ان کی اس بدظنی کا کہ وہ تنہا ہماری زندگی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ مشرکوں کی یہ بدظنی انہیں دنیاوی زندگی میں قدم قدم پر مصالحت (Compromise) کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنے نصب العین (Ideal) پر قائم نہیں رہ سکتے۔

خدا کے متعلق اس نیم منفیانہ ذہنیت کا آخری نتیجہ اس کا قطعی انکار ہی ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کے متعلق انسان کی ذہنیت یہ ہو کہ آدھا اقرار ہو اور آدھا انکار تو کامیابی ناممکن ہے۔ اور صحیح معنوں میں بین الاقوامی انسانی حکومت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو خدا کا قطعی انکار کر کے تو یہ نعمت (کل قومی حکومت) حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس وقت یورپ میں امپیریلزم (Imperialism) کے رد عمل کے طرز پر جو غلط سیاست اور غلط مذہبیت کی پیداوار تھا، کمیونزم (Communism) پیدا ہو چکا ہے، اس میں خدا کا انکار لازم ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے انکار کی وجہ ہی سے وہ بھی امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا قدم استعماریت (Cocaslaism) ہے جس کا لازم نتیجہ امپیریلزم ہو گا۔ اسے اس دوسری بڑی جنگ (1939-1945) میں امپریلسٹ طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا، جس کی وجہ سے اسے اپنا کمنٹرن (Commintern) یعنی بین الاقوامی نظام توڑ کر ان سرمایہ دار طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنی پڑی۔

نام نہاد کمیونزم میں جس قدر مسکین نوازی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مسکین نوازی امام ولی اللہؒ کے فلسفے میں ہے اور اس میں مزدور اور کاشتکار کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد خدا کے صحیح اور صاف تصور پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کارکن اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زندہ تصور کے ساتھ گزارتا ہے، کہ خدا تعالیٰ اس کے سامنے ہے یا کم سے کم یہ کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ تصور بھی ایک زندہ اور پائیدار شکل میں اپنے سامنے رکھتا ہے، کہ اگر اس نے کم تولا یا کسی کے حق کو ناجائز طور پر پاؤں تلے روندا تو وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا اور مرنے کے بعد بھی اسے خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ امام صاحب کی حکمت اسے یہ بھی سکھاتی ہے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے والے کارکن کو خدا کے سوا کسی سے اپنے عمل کا بدلہ لینا ضروری نہیں۔ انسان بیشک اس لئے پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت بین الاقوامی درجے پر چلائے، لیکن وہ اس حکومت کے ذریعے سے اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی حکومتیں بے نظیر ثابت ہوئیں اور آج تک دنیا ان کی مثال پیدا نہیں کر سکی۔ اب اس دور میں بھی امیر المومنین سید احمد شہیدؒ (1831-1886) اور ان کے ساتھیوں نے انہی اصول پر اس نمونے کی حکومت پیدا کر کے، ایک دفعہ پھر دکھادی اور ثابت کر دیا کہ اس قسم کی حکومت پیدا کرنا ہر زمانے میں ممکن ہے۔ قرآن حکیم کے ماننے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی عبرت اور ذمہ داری ہے۔

عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ (ان پر مصیبت کا پھیر پڑتا ہے)

وہ نہ دنیا پائیں گے نہ آخرت۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ (اللہ ان پر غضبناک ہوا اور اس نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا)

یہ انقلاب ان مذہبی قوموں کے لئے عذاب ہے، جو ابراہیمی طریق سے پہلے کے طریق کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ اس میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں اور ہندو اور بدھسٹ بھی، جو ابراہیمؑ کے نئے پیدا ہوئے طریق کو قبول نہیں کرتے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں، وہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

منافقوں اور مشرکوں کی جماعتیں الگ کر دینے کے بعد مؤمنوں کی جو خالص جماعت رہے گی، وہ زمین پر آسمانی فرشتوں کے مانند ہو گی۔

قرآنی سیاست کے بنیادی اصول:

قرآن حکیم کا پروگرام حقیقت میں پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کے اصول پر صحیح اترتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک خیال رکھنے والوں کو اکٹھا کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس اصول پر کام کیا۔ اور ان مٹھی بھر لوگوں کو جمع کیا جو قرآن کے سارے قانون کو دل و جان سے کامل طور پر بلا شرط مانتے تھے۔ اور صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوشی کے ساتھ قبول کر کے کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھے بغیر اطاعت کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں اب بھی جو لوگ سب "مسلمانوں" کو اکٹھا کر کے آگے بڑھنے کا پروگرام رکھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں ان مسلمانوں میں سے وہ جماعت بنانی چاہئے جو ذہن اور عمل کے لحاظ سے انقلابی ہو اور اس میں صرف ایک فکر کے لوگ شامل ہوں۔ صرف اسی صورت میں کام اچھا اور جلد ہو سکتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (اللہ عزت دینے والا حکمت والا ہے)

انٹر نیشنل طاقت کا وعدہ:

اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس جماعت کو عزت اور حکمت دینا چاہتا ہے یعنی یہ جماعت مضبوط حکومت قائم کرے گی، جس کی کوئی دوسری حکومت بے عزتی نہ کر سکے گی اور یہ حکمت و دانش کے مالک ہوں گے۔

آیت نمبر ۴ میں تھا علیماً حکیماً (علم اور حکمت دینے والا) یعنی یہ لوگ علم اور حکمت میں طاق ہو کر تمام علمی سوسائیٹیوں کو قائل کر لیں گے کہ ابراہیمی تحریک کے سوا کوئی تحریک انسانیت کو مجموعی طور پر آگے بڑھانے والی نہیں ہے، اس کے بعد وہ اتنی بلند انٹر نیشنل طاقت بنالیں گے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اس انٹر نیشنل طاقت کا ڈھانچہ بنا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اسے بہت دور تک پھیلا دیا۔ اور اس کی عزت اتنی بلند ہو گئی کہ دنیا کی تمام دوسری طاقتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

(۸)اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ

(ہم نے تجھے احوال بتانے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا)

نبی اکرم ﷺ بطور معلم اور نذیر

رسول اکرم ﷺ کی یہ دو حیثیتیں اس طرح ہیں۔

(۱) معلم (۲) جماعت کا لیڈر

معلم کی حیثیت سے آپ شاگردوں کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا ہے۔ اور فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا۔ یہاں آپ کی شان معلّمی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ شاگرد آپ کے ساتھ ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ آپ اس جماعت کے رہنما ہیں۔ یہ جماعت منافقوں اور مشرکوں سے بالکل الگ اور خاص صفتوں کی مالک ہے۔ یہ جماعت قرآن کے اس پروگرام پر چلتی ہے کہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرو، ظالموں کو گراؤ۔ اور مظلوموں کی داد رسی کرو۔ اور اس سارے کام کا بدلہ صرف اللہ سے مانگو۔ اس پروگرام پر جو ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتا ہے اسے حضرت نبی اکرمؐ کامیاب زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مُبَشِّرًا) اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے فوائد محفوظ ہیں۔ جو لوگ اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے، انہیں خبردار کرتے ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی ناکام رہے گی۔ وہ بہانے بنا کر دل کو خوش کر لیں، لیکن کامیابی نصیب نہ ہو گی۔ (نَذِيۡرًا)

(۵)لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۝

"تم ضرور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو۔ اور اس کا وقار قائم کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔"

خدا کی محبت کی معنی

حضرت نبی اکرم ﷺ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت ہے، انہیں ایک استاد کی ضرورت ہے، جو انہیں بتائے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے اور خدا کی محبت کی دعویٰ سے انسانوں کی خدمت کس طرح ہونی چاہیے۔

خدا کی طرف سے الزام :

مرنے کے بعد ہر ایک انسان سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے تجھ پر جو انعام کیا، تونے اس سے میرے لئے کیا کیا؟ وہ لمبی چوڑی باتیں بنائے گا۔ مگر اسے یہ کہہ کر جھوٹا کردیا جائے گا کہ میں تیرے دروازے پر بھوکا پیاسا اور بیمار ہو کر آیا۔ لیکن تو نے مجھے نہ کھانے کو دیا نہ پینے کو نہ میری تیمارداری کی، حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اپنی تعلیم میں اسے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے۔ اس چیز کو عام ذہنیت سے نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اسے پوری پوری اہمیت دینی چاہئے۔

معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک :

امام ولی اللہ دہلویؒ معاشی زندگی کے اس پہلو کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کھانے پینے کی فکروں سے آزاد نہ ہو جائے، وہ شائستگی کی ایک منزل سے دوسری منزل میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر وہ ان تفکرات میں پھنسا رہے تو اس کی طبعی ترقی رک جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امامؒ، بدور بازغہ ص ۵۰ میں فرماتے ہیں کہ :

"انسان شائستگی کے دوسرے درجے تک اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب وہ بھوک پیاس اور تسکین جذبہ جنسی، غیر طبعی حاجتوں سے فارغ البال ہو جائے۔"

اس حقیقت کو کہ، "انسان کی ابتدائی ضرورتیں پوری نہ ہوں، تو سوسائٹی پر کیا اثر پڑتا ہے؟" ایک تاریخی مثال کے ذریعے سے بھی واضح کرتے ہیں۔ جس میں ایرانی اور رومی سوسائٹی کی گراوٹ دکھا کر قرآنی انقلاب کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔ (دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۰۵)

معاشی مسئلے کے بعد :

غرض بھوک کا مسئلہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) کا بہت ضروری مسئلہ ہے، لیکن یہ مسئلہ فقط اسی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ کسی انسان کا ایک وقت پیٹ بھر دیا جائے۔ اس کے بال بچوں کا کون ذمہ دار ہے؟ پس ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو مستقل شکل میں حل کیا جائے اور بھوکوں کو اس قابل بنادیا جائے کہ انہیں خیرات کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اس کے بعد ہی وہ ترقی کرنے کے خیالات سوچ سکتے ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ ایک بھوکے کے پیٹ کی ضرورت پوری نہ کرنے پر ایک بڑے آدمی کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے، تو کیا ایک انسان کی دماغی ضرورت پورا نہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی حساب نہ ہوگا؟ ایک انسان کا

دماغ بھوکا ہے اسے علم چاہئے، جس کے پاس علم ہے وہ اسے علم کیوں نہیں پہنچاتا؟ خدا اور بندے کے درمیان بھوکوں اور پیاسوں کے متعلق جواب طلبی کے سلسلے میں جو بات چیت ہو گی، اس کے بعد یقیناً ان لوگوں سے بھی جواب طلبی کی جائے گی جو مظلوم انسانیت کو علم سے محروم رکھتے ہیں۔ جو شخص علم دینے کی اجرت طلب کرے گا وہ سارا بنا بنایا نظام بگاڑ دے گا۔

حجازی انقلابیوں کی افضیلت :

ہم نے اشتراکی کارکنوں (Communist Workers) کو کام کرتے دیکھا۔ ہم عش عش کر کے رہ گئے، لیکن جب ہم نے کمیونسٹ حکمرانوں کو دیکھا تو ہمیں ان پر لعنت بھیجنی پڑی۔ ہم نے دیکھا کہ زار کی قیصریت ان کے گھروں میں ناچ رہی ہے۔ اس مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی پہلی جماعت کی عزت سمجھ میں آتی ہے۔ ہم قرآن عظیم کے اس پروگرام کے سوا جسے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک کامیاب کر کے دکھایا گیا اور جس کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بیان کی ہے۔
اور کسی چیز کو قابل اطمینان نہیں پاتے۔ چنانچہ روس کی پنچائتی پر جاراج (USSR) کے آئین کی دفعہ ۱۲ میں ہے کہ :

"The Principle applied in the U.S.S.R. is that of Socialism: "From each according to his ablility، to each according to his work".

"روس کے پنچائتی پر جاراج میں اشتراکیت کا یہ اصول کار فرما ہے کہ ہر شخص پنچائت کا کام اپنی قابلیت کے مطابق کرے۔ اور اسے اس کے کام کے مطابق دیا جائے۔"
لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پہلے جانشین (خلیفہ) حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں یہ اصول کارفرما تھا کہ : "ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق خدمت کرے اور اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے"۔
چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو افضل قرار دینے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ :

اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذالك وانما ذالك شیءٌ ثوابه، علی الله جل ثناء ہ وھٰذا معاش فالا سوۃ فیه خیر من الاثرۃ (ابی یوسف۔ ص ۴۲۔ مطبہ بیروت)

"یعنی تم نے سب سے پہلے ایمان لانے والے اور بہت لمبے زمانے سے اسلام کی خدمت کرنے والے لوگوں کا جو

ذکر کیا ہے، تو مجھ سے کون بہتر جانتا ہے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز ہے جس کا ثواب انہیں ان کے پروردگار کے ہاں سے ملے گا۔ اور ہم تو معاش تقسیم کر رہے ہیں، اس میں تو فوقیت کی بہ نسبت مساوات بہتر ہے"۔

غرض ہم نے رسول کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے کہ یہ جماعت جو خدا سے محبت رکھتی ہے، اُس سے محبت کا پروگرام سیکھ لے۔ اور اسے کامیابی سے چلائے۔ خدا سے محبت کرنے کا مطلب ہے، خدا کی مظلوم مخلوق کی خدمت کرنا اور اس خدمت کا اجر اللہ سے مانگنا۔ اور یقین رکھنا کہ جو خدا تمہیں آسمان میں جنت دے سکتا ہے وہ تمہارے لئے زمین پر بھی راحت آرام اور عزت کی جنت پیدا کر سکتا ہے۔ یہ درجے طے کرانا رسول اللہ ﷺ اللہ کا کام ہے۔ اللہ پر یہ پکا ایمان ہونا چاہیے کہ اس نے جو تعلیم دی ہے، وہ ٹھیک ہے اور اس پروگرام پر عمل کرنے سے دنیا میں بھی ہمارے لئے جنت بن سکتی ہے۔ ہم یہاں بھی حکومت اور عزت کے لحاظ سے کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ (اس آیت میں غائب کی جتنی ضمیریں ہیں، وہ سب اللہ کی طرف پھرتی ہیں۔

تُعَزِّرُوْهُ: اللہ کی مدد کرو۔

رسول اللہ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے، اسے غالب کرنے میں جو مدد دی جائے گی، وہ اللہ ہی کی مدد ہے۔

تُوَقِّرُوْهُ: اللہ کا وقار قائم رکھو۔

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے، اس کا وقار دنیا میں قائم کرنا اللہ کا وقار قائم کرنا ہے۔

تُسَبِّحُوْهُ: اسے پاک سمجھو۔

یہ خیال نہ کرو کہ مدد مانگنے سے اللہ محتاج ہوگیا۔ یہ خیال غلط ہے، اسے عیب سے بالکل پاک سمجھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تعلیم کے غلبے کا مطلب ہے غریبوں اور مسکینوں کا غلبہ۔ پس اللہ کی مدد کرنے اور اس کا وقار قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسکینوں کی مدد کرو۔ اور وہ جس ظلم کے جوئے تلے آئے ہوئے ہیں، اس سے انہیں نکال کر ان کا وقار قائم کرو۔ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱۰) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے۔ اور جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔)

بیعت رضوان کی حقیقت :

یہ عہد اللہ سے براہ راست ہے۔ گویا تعزروہ اور توقروہ کی عملی تفسیر ہے۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے)

یہ ہے رسول اور مسلمانوں کا باہمی تعلق۔ رسول مسلمانوں کے سامنے خدا بن کر نہیں آتا، بلکہ وہ خدا کا نمائندہ ہے۔ اس لئے اس کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ جو عہد باندھا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہئے کہ وہ خدا کے ساتھ معاہدہ کیا جارہا ہے، اس کی پوری پوری اہمیت ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنی چاہئے، کسی معاملے پر خدا کے ساتھ معاہدہ کرنا بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لینا ہے۔

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ (جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے، وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے)

عہد شکنی کی سزا :

جو شخص خدا کے ساتھ عہد باندھ کر توڑتا ہے۔ وہ اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ جماعتی سیاست (Party Politics) میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پارٹی کے ڈسپلن کو قبول کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ جب وہ اپنی جماعت کے فیصلے کے خلاف کوئی حرکت کرنے لگے، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے خلاف ضابطے کی انتہائی کارروائی کی جاسکتی ہے اور وہ غداری کرکے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ مرنے کے بعد تو وہ خدا کے عذاب میں پڑے گا ہی، اس دنیا میں بھی وہ بڑی سے بڑی سزا پانے کے لائق ہے۔ جو جماعت خدا کے قانون کو چلانے کے لئے اٹھے اسے اس قسم کا انتہائی ضبط قائم کرنا پڑے گا اور کسی رکن کے متعلق کسی قسم کی رواداری، جانبداری اور رعایت نہیں کرنی ہوگی، چونکہ اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اس لئے معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے فیصلہ کرنا ہوگا اور پھر اسے انتہا تک پورا کرنا ہوگا۔ انقلابی جماعتوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ قرآنی انقلابی جماعت اس قسم کے شدید ضبط (Iron Discipline) سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتی۔ یہ ہر ایک انقلابی جماعت کی طبعی ضرورت ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے، جو اس نے اللہ سے کیا۔ تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا)

جو شخص اپنے عہد کو پارٹی ڈسپلن (جماعتی انضباط) کے مطابق پورا کرے گا۔ وہ ہر قسم کی عزت اور اختیارات کا مستحق سمجھا جائے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے ہاں سے بہت بڑا اجر پائے گا۔ یہ اجر جلدی ہی ملے گا۔ (اس میں ایک جنگ کی طرف اشارہ ہے جس پر مسلمانوں کو جانا ہوگا۔ اس کا ذکر آیت نمبر ۱۵ میں آئے گا۔)

جو لوگ جند اللہ (خدائی لشکر) کے مخالف ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔
(۱) منافق اور (۲) کافر
آیات ۱۱تا ۲۱ میں منافقون کا ذکر ہے اور ۲۲ تا ۲۶ میں کافروں کا۔

ارتجاعی ذہنیت

(۱۱) (ا) سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا (اوراب وہ لوگ جو گنواروں میں سے پیچھے رہ گئے، تجھے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھر والوں کے کاموں میں لگے رہ گئے)

منافقین:

جو بدوی (اعراب) اس سفر میں آپ ﷺ کے شریک نہ ہوئے، اب انہوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہم اتفاقاً مال اور گھر بار کے جھگڑوں میں پھنس کر پیچھے رہ گئے اور سفر میں آپ کے ساتھ نہ جاسکے۔

(ب) فَاسْتَغْفِرْ لَنَا (ہمارا گناہ بخشواؤ)

ہم اسے غلطی مانتے ہیں، کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں نہ جاسکے اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصور کو مان کر معافی مانگ لے، اس کا جرم اور قصور نہیں مانا جاتا، وہ گویا ایسا ہے جیسے اس نے جرم کیا ہی نہیں۔[1] تو گویا یہ لوگ اپنے آپ کو اس جماعت کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم انہیں اس غلط بیانی پر تنبیہ کرتا ہے۔

(ج) يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں ہے) چونکہ وہ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، اس سے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ سفر میں انکے نہ جانے کی وجہ گھر بار اور مال کے جھگڑوں میں پھنسنا نہیں تھا، بلکہ اصل میں ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی، کیوں اس پر سے اگلی آیت میں پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(د) قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (تو کہہ، کس کا بس چلتا ہے اللہ سے۔ اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ)

---

[1] التائب من الذنب کمن لاذنب لہ، (الحدیث) (جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے، جس سے گناہ ہوا ہی نہ ہو (مرتب)

یعنی ہمارا تو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں۔ تم اگر شوق سے ہمارے ساتھ چلتے ہو تو ہم تمہیں پیچھے نہ رکھ سکتے تھے اور نہ تمہیں کسی نفع سے روک سکتے تھے۔ اب اگر تم نے ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ نہ کیا تو ہم تمہیں اس نقصان سے نہیں بچا سکتے، جو اب تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ (اس نقصان کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۵ میں آتا ہے) نفع و نقصان تمہارے اپنے فیصلے کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام کو صحیح سمجھ کر خود آگے نہیں بڑھتا، اسے آگے بڑھانے کی نبی یا اس کی جماعت میں کوئی طاقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ کام صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(ہ) بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ (بلکہ اللہ تمہارے سب کاموں سے خبردار ہے)

توفیق باندازہ ہمت :

وہ تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے، ان کے مطابق تمہیں کام کرنے کی توفیق دے گا۔ پس اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے لگاتار نیکی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درجہ اس قسم کا نہیں ہے کہ اتفاقاً ہاتھ آ جائے۔

(۱۲) بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

(کوئی نہیں، تم نے تو خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مسلمان کبھی اپنے گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے اور کُھب گیا تمہارے دلوں میں یہ خیال اور تم نے طرح طرح کی بری اٹکلیں کرنی شروع کیں اور تم لوگ تباہ ہونے والے تھے)

منافقین کی نفسی تحلیل :

یہ لوگ جو اس سفر میں شریک نہ ہوئے تو اس لئے نہیں کہ مال و اولاد کے جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ بلکہ دراصل ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی۔ انہوں نے یہ خیال پکا رکھا تھا کہ قریش ان سے ضرور مقابلہ کریں گے۔ اس لئے جنگ ہوگی۔ یہ لوگ مارے جائیں گے، ہم کیوں مفت کی مصیبت سیہڑیں۔ یہ اب گھروں کو واپس نہیں آ سکتے۔

وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (تمہارے دلوں میں بات کھب گئی تھی)

تمہارے دلوں میں یہ چیز جچ گئی تھی۔ اور تم مان بیٹھے تھے کہ یہ لوگ شکست کھا جائیں گے اور زندہ نہ لوٹیں گے۔

وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ (اور تم نے یہ برا خیال پختہ بنا لیا تھا)۔ کہ بس اب اسلام ختم ہو گیا۔ جانے دو انہیں۔ ہم

انہیں کے ساتھ موت کے منہ میں کیوں جائیں۔

یہ منافقت کی ایک کھلی نشانی ہے۔ کہ منافق نفع کا تصور کئے بغیر کسی للّٰہی تحریک میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہ سب سے پہلے روپے اور پیسے کا حساب کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس تحریک میں شامل ہونے سے مجھے کتنا نفع حاصل ہو گا۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مالی نفع حاصل نہ ہو گا تو وہ بھولا بن کر کسی نہ کسی طرح اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سچ ہے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا
(اقبال)

ایک منافق سے بڑھ کر اس حقیقت کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿١٢﴾ (تم تباہ ہونے والے لوگ تھے)

یہ بات نہیں کہ تم سے اتفاقاً غلطی ہو گئی اور تم پیچھے رہ گئے، بلکہ تم جان بوجھ کر فیصلہ کر کے پیچھے رہے۔ تم نے ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے کا اردہ کیا ہوا تھا۔ لیکن ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے میں طاقت صرف کرنا اپنی محنت کو برباد کرنا ہے اور تمہاری حرکت ایسی ہی ہے۔

(۱۳) وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾ (اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لئے دہکتی آگ)

حجاز کو پاک کیا جائے:

جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان نہیں لاتا، جس طرح خالص مومنین ایمان لائے (جن کا ذکر آیت نمبر ۴ میں آ چکا ہے)، ان کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تکلیفیں اٹھانا اور تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے آخر میں جلنا، یہ انکے لئے طے شدہ ہے۔

یہ حجاز میں رہنے والے مخالفین کے لئے ہے۔ ان کے لئے اس سرزمین میں رہنے کے لئے زندگی کی کوئی صورت نہیں چھوڑی گئی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس طرح ایمان لے آئیں، جس طرح خالص مومنین ایمان لا چکے ہیں۔ چونکہ حجاز کو اس قرآنی انقلاب کا مرکز بنایا جانے والا ہے۔ اس لئے وہاں کی ارتجاعی طاقت کو زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اب تک مسلمانوں میں یہ تخیل باقی ہے کہ حجاز میں خلاف اسلام کام کرنے کو بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ اس لئے کہ (ع) چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی؟

(۱۴) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۴

(آسمانوں اور زمین کا راج اللہ ہی کے لئے ہے، بخشے جسے چاہے اور عذاب میں ڈالے جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

زمین پر اللہ کی بادشاہی :

آسمان کی بادشاہی تو فرشتوں کے ذریعے سے ہے، زمین کی بادشاہی اس جماعت کے ذریعے سے قائم ہوگی۔ وہ اللہ کے قانون کو زمین میں چلائیں گے۔

یہ انقلاب حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہا۔ اس وقت تک حجاز میں خدا کی بادشاہی قائم تھی۔ قرآن کا قانون تھا اور اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت تھی۔ وہ اپنے آپ کو قانون کا مالک نہیں سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کا نائب سمجھ کر اس کے حکموں کو بجا لاتی تھی۔ اور ان پر عمل کرتی کراتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بن کر اپنے ساتھیوں کو جو خدا کے قانون کی عزت اور وقار قائم کرنے میں آپ ﷺ کے شریک تھے، اپنے ذریعے سے خدا کا نائب (خلفیۃ) بنا دیا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ (تاکہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب میں ڈالے)

جو شخص اس قانون کو جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے قانون کی تعمیل کے قریب ہوتا جاتا ہے، اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ جو آدمی اس قانون سے ہٹتا اور درجہ بدرجہ پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہے، اسے عذاب دیا جائے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت کے ذریعے سے جو نظام قائم کیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک صحیح کام کرنے والے آدمی کے گناہ بخشے جائیں اور اللہ کی رحمت سے وہ پروگرام سامنے لایا جائے جس میں انسانیت کی ترقی ہے۔

(۱۵) سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵

(اب کہیں گے پیچھے رہ گے ہوئے۔ جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو آؤ ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ۔ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ دے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدے سے۔ کوئی نہیں لیکن وہ تھوڑی بات سمجھتے ہیں)۔

اخلاقی فتح کے نتیجے :

جب مسلمان حدیبیہ سے واپس آئے تو خالی ہاتھ گھر آئے۔ یہ تو نہ تھا کہ کوئی فتح کر کے آئے، یا کوئی معرکہ مار کر آئے تھے اور وہی آکر لوگوں کو بتاتے کہ ہم نے یہ فتح حاصل کی۔ وہ معرکہ مارا۔ بلکہ یہ صرف اخلاقی فتح (Moral Victory) ہے۔ وہ لمبی مدت کے لئے نتیجہ خیز ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ثمرات دیتی رہے گی، مگر وہ اس وقت تو کوئی چیز ہاتھ میں لے کر نہیں آرہے۔ ان لوگوں کو وعدہ دیا گیا۔ کہ چند روز گھر میں رہ کر تیاری کر لو۔ اس کے بعد تمہیں خیبر جانا ہوگا۔ اور وہ سارا ملک تمہیں مل جائے گا جو غنیمت یہاں (اس سفر میں) چاہئے تھی اور نہیں ملی، اس کی جگہ خیبر کا وعدہ انہیں مدینہ پہنچنے سے پہلے دے دیا گیا۔ گویا ان کے پاس آج قیمتی مال نہیں ہے۔ لیکن کل کو مل رہے گا۔ ورنہ گھر جا کر بال بچوں کو سمجھانا کہ ہم فتح پا کر آئے ہیں، سخت مشکل ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد انہیں خیبر جانے کا حکم دیا گیا۔ اب جو لوگ حدیبیہ جانے سے رہ گے تھے ان کی رال ٹپکنے لگی۔ کہ ہم بھی ساتھ جائیں گے، انہیں جواب دیا گیا کہ تم نہیں جاسکتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں صاحب! ہم سے تو حسد کیا جاتا ہے، اور ہمیں فائدہ حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کا جواب دو کہ یہ بات نہیں ہے، تم خدا کی بات جھٹلانا چاہتے ہو۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ہم حدیبیہ والوں کو خیبر بطور انعام دیتے ہیں۔ تم لوگ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے خیبر میں شریک ہو کر خدا کی بات کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ یہ تمہاری شرارت ہے تم اب نہیں جاسکتے۔

اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا (غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں حاصل کرو) یعنی خیبر کا مال غنیمت۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے)

خدا نے یہ حکم پہلے سے دے رکھا ہے۔ کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی دوسرا اس معرکے میں شریک نہ ہوگا۔ اس کا اشارہ آیت نمبر ۱۰ کے آخری حصے میں آچکا ہے، جہاں ان مسلمانوں سے جنہوں نے بیعت کی تھی اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ (یہ لوگ بات پوری طرح سمجھتے ہی نہیں)

خیبر کی فتح کا بھید :

وہ بات کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ وہ دنیاوی نفع کی باتوں کو تو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر نفع کے ملنے یا نہ ملنے کا حقیقی راز نہیں سمجھتے۔ خیبر یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کو مفت دینا تو مقصود نہیں۔ یہ دنیا کا ایک باغ ہے۔ جو یہودیوں کو ایک خاص خدمت پر مقرر ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا اور وہ خدمت یہ تھی کہ وہ حقیقی دین کو قائم

کریں۔ بعد میں انہوں نے نافرمانی کی۔ اب انہیں سزا دینا ہے۔ ایک دوسری قوم کو جو خدا کے حکموں کو فرشتوں کی طرح بجالاتی ہے یہ جنت ارضی (زمین کا باغ) دی جائے گی۔ جو شخص فرشتوں کی طرح کام نہ کرے اور وہ جنت چاہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ احمق ہے، وہ بات ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتا۔

کُل قومی انقلاب کی تیاری

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

(پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہہ دو کہ آئندہ تمہیں ایک قوم کے مقابلے میں بلائیں گے، جو بڑے سخت لڑاکو ہیں۔ یا تو تم ان سے لڑو گے، یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا اگر تم پلٹ جاؤ گے جیسے پہلی بار پلٹ گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا۔)

آنے والا امتحان:

جب آپ ﷺ عمرے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے تشریف لے جانے لگے، تو ﷺ آپ نے سب مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر بدووں نے سمجھا کہ یہ جو عمرے کو جارہے ہیں تو یہ چال ہے حقیقت میں لڑائی ہو گی اور یہ لوگ مارے جائیں گے۔ اس لئے بدو اس سفر میں ساتھ نہ ہوئے۔ پھر جب مسلمان صلح کر کے واپس آ گئے تو یہ بدو لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ہم نے ساتھ نہ جانے میں غلطی کی اور لگے طرح طرح کے بہانے اور عذر پیش کرنے، (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) اب ان سے کہا گیا۔ اگر تم سچے ہو کہ تم ہمارے ساتھ جانے اور اس وقت آنے والے خطرات میں پڑنے کے لئے تیار تھے لیکن کسی غلطی سے پیچھے رہ گئے، تو ایک دفعہ بات گزر گئی تمہیں دوسرا موقعہ دیا جائے گا۔ اگر تم نے اس وقت کام پورا کیا تو جو غنیمت خیبر کے معرکے سے نہیں ملنے والی تھی وہ بھی دلادی جائے گی۔

اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (ایک جنگجو قوم)

قیصر و کسریٰ سے مقابلہ ہو گا:

"ایک جنگجو قوم" سے قیصر و کسریٰ کی بادشاہتیں مراد ہیں۔ ان کے مقابلے کے لئے اعراب کو دعوت دی جائے گی۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (یا تو وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے، یا وہ اطاعت اختیار کرلیں گے)

یا تو تم انہیں قتل کرو گے، یا وہ اطاعت اختیار کر لیں گے، یعنی بعض لوگ مارے جائیں گے اور باقی اطاعت قبول کر لیں گے۔ ان دو باتوں میں سے ایک ہو کر رہے گی۔

فَاِنْ تُطِيْعُوْا (اگر تم نے اطاعت کی)

اگر تم نے اس وقت اعلان جہاد کی اطاعت کی اور لڑائی میں شریک ہوئے

يُؤْتِكُمُ اللهُ اَجْرًا حَسَنًا (تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی مزدوری دے گا۔ یعنی بے اندازہ غنیمت ہاتھ آئے گی، جس سے اب کی کسر بھی نکل جائے گی۔

(۱۶) وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

(اگر تم پلٹ گئے جیسے پہلے پلٹ گئے تھے، تو دردناک عذاب دے گا)

اگر تم پیچھے ہٹ گئے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے، جیسے اب حدیبیہ کے سفر سے ہٹ گئے تھے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے تھے تو تم کو سخت سزا دی جائے گی اور دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

امام ولی اللہ کے خیالات :

امام ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

''اجماع مفسرین کے مطابق اس آیت کے نزول کا موقع اور صحیح حدیثوں کے مضمون کے مطابق اس آیت کے آگے پیچھے کی آیات کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۶ ھ میں ارادہ فرمایا کہ عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپ نے بدوؤں کو اور وادیوں میں بسنے والوں کو دعوت دی کہ وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ پختہ گمان تھا کہ قریش مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اور بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں قریش کے جو آدمی مارے گئے تھے، ان کے سبب سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے خیال تھا کہ وہ کہیں جنگ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں عقل کا تقاضا ہے کہ بہت سے آدمی مل کر جائیں، تاکہ قریش کے شر سے بچے رہیں۔ بہت سے بدوؤں نے آنحضرت ﷺ کی اس دعوت پر کان نہ دھرا اور سفر میں ساتھ نہ گئے۔ بعض گھر بار اور کاروبار کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور نہ جاسکے، مگر مخلص مسلمان جو ایمان کی بشاشت میں سرتاپا غرق تھے آپ کے ساتھ جانے کو سب سے بڑی نیکی سمجھ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جب یہ قافلہ حدیبیہ کے مقام کے قریب پہنچا تو قریش جاہلیت کی حمیت میں مبتلا ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ قصہ مختصر وہاں مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح کرنی پڑی۔ مکہ مکرمہ کے باہر ہی قربانیاں کیں اور واپس آ گئے۔ چونکہ عمرہ ادا نہ کر سکنے اور مغلوبانہ صلح کرنے کی وجہ سے یہ مخلص مسلمان بہت ہی غمزدہ تھے۔ حکمت الٰہی نے چاہا کہ ان کے دلوں کے زخموں کو بھر دے۔ چنانچہ انہیں خوشخبری دی گئی کہ تمہیں خیبر کا بہت سامان غنیمت ملے گا۔ اور اسے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی گئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ

(تم غنیمتوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں لو) تو یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے، ہمیں اپنے ساتھ جانے دو۔ وہ اللہ کا فیصلہ بدلنا چاہتے ہیں تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرمایا ہے۔)

اور جس جماعت نے حدیبیہ میں بیعت کی، اس پر اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہوا فرماتا ہے کہ :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرتے تھے تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے الخ)

اور اس بیعت سے ایک شخص جد بن قیس کے سوا جو منافق تھا اور کوئی نہ پھرا۔ بغویؒ وغیرہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ مقام ان بہترین مقاموں میں سے ہے جہاں صحابہ کرام نے بلند مرتبے حاصل کئے اور وہ غنیمتیں حاصل کیں جو، کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاتھ لگیں۔ مثلاً حنین کی غنیمتیں اور ''دوسری غنیمتیں جن پر عرب کبھی قادر نہ ہوئے''۔ ان سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔ اس زمانے میں فارس اور روم کی وہ شوکت اور دبدبہ تھا اور لشکروں کی وہ کثرت تھی اور سامان جنگ کی وہ فراوانی تھی کہ عرب ان پر غلبہ پانے یا ان سے مال غنیمت حاصل کرنے کا خیال تک دل میں نہ لا سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً (اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کرتا ہے) یہ عرب کی غنیمتیں ہیں مثلاً حنین کے اموال غنیمت فعجل لکم ھٰذہ (پس جلدی کر دی تمہارے لئے یہ) یہ خیبر کی غنیمتیں ہیں جو حدیبیہ کے بعد ہی انہیں حاصل ہویں۔ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (اور دوسری وہ جن پر تم نے قدرت نہ پائی) یہ فارس اور روم کی غنیمتیں ہیں۔

اس کے علاوہ حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہیں دھمکائے اور ان کی فضیحت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قل للمخلفین (الآیہ) اور جنگجو قوموں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت پہلے ہی سے

دے دے۔ تاکہ وہ دعوت قبول کرنے نہ کرنے پر خوب غور کرلیں اور پہلے ہی بصیرت حاصل کرلیں اور طرح طرح کے عقلی قیاسات ان کے حال کو پریشان نہ کردیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ستدعون (تم کو عنقریب بلایا جائے گا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوؤں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے بلایا جائے گا۔ دیہ دعوت ان پر شرعی ذمہ داری ڈال دے گی۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے تو ثواب پائیں گے اور اگر اسے قبول نہ کریں گے تو عذاب پائیں گے۔'' (ازالۃ الخفا مقصد ص ۳۸)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

(اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف ہے اور نہ بیمار پر تکلیف ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اسے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جو کوئی پلٹ جائے اسے دردناک عذاب دے گا)

اجماعی جنگ :

یہ جو دعوت دی جارہی ہے کہ آئندہ جنگوں میں شریک ہو، یہ صرف اعراب (بدوؤں) کو دعوت نہیں دی جارہی، بلکہ قرآن کے ہر ایک ماننے والے کا فرض ہے کہ جنگوں میں شریک ہو۔ تیاری کے اس حکم سے کوئی شخص بھی باہر نہیں ہے، البتہ اندھے، لنگڑے اور مریض کو تکلیف نہیں دی جاتی کہ وہ میدان جنگ میں جاکر ہی جنگ میں شامل ہو۔

اعمیٰ (اندھے) اعرجّ (لنگڑے) اور مریض (بیمار) کے متعلق سورہ توبہ کی آیت نمبر ۹۱ سامنے رکھنی چاہئے جس کے الفاظ یہ ہیں :

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

(یعنی ضعیفوں اور بیماروں پر اور ناداروں پر جنکے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں)

ابوبکر جصاصؒ کا قول :

سورہ توبہ کی ایک آیت [1] کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی جو چوتھی صدی ہجری کے

[1] وہ آیت یہ ہے : اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ : ۴۱) (نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو، اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں) (مرتب)

نامور فاضل ہیں لکھتے ہیں کہ :

وقولہ، وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ) فاوجب فرض الجھاد بالمال والنفس جمیعا: فمن کان لہ مال وھو مریض او مقعد او ضعیف لایصلح للقتال فعلیہ الجھاد بمالہ بان یعطیہ غیرہ فیغزوبہ۔

(۱) جو شخص مالدار ہو اور بیمار یا بیٹھنے ہی کے قابل ہو یا کمزور ہونے کی وجہ سے جنگ کے نا قابل اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے جہاد کرے یعنی کسی شخص کو (جس کے پاس مال نہ ہو) مال دے دے۔ کہ وہ اس کے ذریعے سے جہاد کرے۔

کما ان من لہ قوۃ وجلد او امکنہ الجھاد بنفسہ کان علیہ الجھاد بنفسہ، وان لم یکن ذا مال ویسار لعد ان یجد ما یبلغہ۔

(۲) جو شخص مالدار نہ ہو لیکن وہ خود جہاد کر سکتا ہو اور مقام جنگ پر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ خود جہاد کرے یہ اس کا فرض ہے۔

ومن قوی علی القتال ولہ مال فعلیہ الجھاد بالنفس والمال۔

(۳) جو شخص تندرست بھی ہو اور مالدار بھی ہو وہ مال اور جان دونوں سے جہاد کرے اس کا یہی فرض ہے۔

ومن کان عاجزاً بنفسہ معدما فعلیہ الجھاد بالنصح للہ ولرسولہ بقولہ (لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) (احکام القرآن، الجزاء الثالث ص ۱۷۱)

(۴) جو شخص جسمانی لحاظ سے عاجز ہو اور مفلس بھی ہو تو اس آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے مطابق اس پر کم سے کم یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہی کرتا رہے۔ (یعنی بری خبریں نہ خود پھیلائے نہ حتی الامکان ایسی خبروں کو پھیلنے دے، بلکہ انکی تردید کرتا رہے۔ غرض اس سے جو بطور اصلاح بن پڑے اس میں کوتاہی نہ کرے)

''یعنی خدا تعالیٰ کے اس حکم ''وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ'' نے جہاد کا فرض مال اور جان دونوں سے ادا کرنا واجب کر دیا ہے۔

امام الحکمۃ امام ولی اللہ دہلویؒ ''حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۷۴ میں فرماتے ہیں کہ :

واذا اراد الخروج للغزو عرض جیشہ یتعاھد الخیل والرجال فلا یقبل من دون خمس عشرۃ سنۃ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذالک لا مخذلا وھو الذی یقعد الناس عن الغزو [1] ولا مرجفا وھو الذی

[1] گویا حضرت امامؒ کے نزدیک نام نہاد امن پسندوں (Pecifists) کی تحریک کا معاشرہ انسانی میں کوئی مقام نہیں، اگرچہ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ لوگ حق کی حمایت میں لڑنے سے باز رہیں۔ (مرتب)

یحدث بقوۃ الکفار)

(یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی جنگ پر تشریف لے جانے کے لئے نکلتے تو سارے لشکر کا جائزہ لیتے، چنانچہ آپ ﷺ پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لشکر میں شامل نہ فرماتے اور نہ مخذل اور مرجف کو ساتھ لیتے۔ مخذل وہ ہے جو لوگوں کو جنگ سے باز رکھے اور مرجف وہ ہے جو دشمن کے لشکر کی قوت اور طاقت بیان کر کے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرے)

اب اگر یہ اندھے اور لنگڑے وغیرہ مخذل اور مرجف ہیں تو کیا وہ خدا اور رسول کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ان کے خیر خواہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم اتنا کام ضروری کریں کہ لوگوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے رہیں۔ اور کفار کے زور کی جو باتیں ہوں، ان کی تردید کرتے رہیں۔ اور مسلمانوں کی کمزوریوں کو چھپائیں۔ گویا اس چوتھی جماعت (Category) کے لئے بھی جو نہ صحت سے مالامال ہیں۔ نہ مالدار ہیں۔ پراپیگنڈہ کرنے میں حصہ لینا فرض قرار دیا گیا ہے۔ آج کی دنیا جانتی ہے کہ جنگ میں پراپیگنڈہ نصف سے زیادہ طاقت کا مالک ہے۔ اس اصول پر کوئی شخص بھی جہاد سے فارغ نہیں ہو سکتا۔

گویا قرآن کے نزدیک جنگ اجماعی چیز (Total War) ہے، جس میں جہاں تک طاقت ہو اس میں حصہ لے۔ کوئی مرد اور عورت تندرست اور بیمار اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔

لڑنے والی طاقت (Battle Force) کو سامان جنگ اور روٹی کپڑا وغیرہ بہم پہنچانا اور ملک کے انتظام کے لئے پیچھے سے نظام خانگی (Home Front) کو قائم رکھنا جنگ جیتنے کے لئے ضروری ہے۔ ہماری عورتیں اور بچے، مریض اندھے اور لولے لنگڑے ہوم فرنٹ (Home Front) کے کام میں مصروف رہیں گے۔

وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد (شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) فرما چکے ہیں کہ تم اکیلے جہاد کر سکتے ہو۔ اور دنیا پر فتح پا سکتے ہو۔ افسوس ہے کہ ہمارے استادؒ کے ارشاد کے لئے جس سند کی ضرورت تھی، وہ وقت پر ہاتھ نہ آ سکی۔[1] ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس شخص کے جو سچ مچ منافق ہوتا کوئی پیچھے نہ رہتا۔ اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کے لئے تیار نہیں ہے، وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

غرض، "اولی باسٍ شدیدٍ" (سخت جنگجو لوگوں) سے لڑنا پڑے گا۔ ان سے یہ لڑائی قیامت تک جاری رہے گی۔ اس مقابلے کے متعلق قرآن حکیم کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اور بھرتی کے متعلق مذکورہ بالا حکم پر

[1] یعنی جصاص الرازیؒ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر (مرتب)

عمومی اور دائمی حیثیت رکھتا ہے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے گا، اسے اللہ باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)

دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل :

اس حصہ آیت میں خالدین (ہمیشہ) کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے اس سے مراد دنیا کی جنات ہیں۔ جہاں خالدین کا لفظ آئے گا وہاں مراد یہ ہوگی کہ مومن اس دنیا کے باغوں سے نکل کر سیدھے ان جنات میں پہنچ جائیں گے جو دائمی (خالدین) ہیں۔

ایک شخص (مثلاً فرعون) دنیا میں غرق کردیا گیا اور اس کے بعد ہی عذاب میں ڈال دیا گیا گویا اس کا عذاب لگاتار رہا اور اس عذاب کو خلود (ہمیشگی) حاصل ہوگیا۔ ہمیشگی کے باغات میں داخلہ بھی اسی طرح ہوگا کہ یہاں دنیا میں حکومت امن اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید ہوئے تو سیدھے جنات عدن (ہمیشگی کے باغات) میں پہنچ گئے۔

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (جو شخص پیٹھ پھیرے گا، اسے دردناک عذاب دیا جائے)

غلامی کا عذاب :

جو لوگ ہمت اور طاقت کے باوجود جہاد میں حصہ نہیں لیں گے، انہیں دوسری قوم کی غلامی کے عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا اور جو لوگ اس عذاب غلامی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی پوری کوشش نہ کریں گے، انہیں اس میں مبتلا رکھا جائے گا۔

افسوس ہے اس قوم کے حال پر جو غلامی کا احساس بھی کھو بیٹھے اور بڑے اطمینان سے غیر فکر کی حکومت کا جُوا برداشت کرتی رہے! اس کے عوام انقلاب یا جہاد میں کیا حصہ لے سکتے ہیں؟

صلح حدیبیہ میں ایک بھید

(۱۸) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا

(یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے، اس درخت کے نیچے پھر ان کے دلوں میں جو تھا وہ اللہ نے معلوم کیا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا قریبی فتح کا)

موت سے مصافحہ :

جب حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ پہنچی۔ رسول اکرم ﷺ نے سب صحابہ کو بلا کر موت پر بیعت طلب کی۔ سب نے بن پوچھے بیعت کرلی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے آنے والی خونریز جنگوں کے پیش نظر مسلمانوں کو موت کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ جو جماعت اہل مکہ کے مقابلے میں موت قبول کرلیتی ہے کیا، وہ قیصر و کسریٰ سے مذاق کرنے جائے گی؟ سلطان محمد کی فوج قسطنطنیہ کے بادشاہ کے مقابلے میں کھیلنے کے لئے گئی تھی یا موت سے ہاتھ ملانے؟ واقعہ یہ ہے کہ جس دن سے مسلمانوں نے موت قبول کرنے کا یہ فکر چھوڑا ہے، اسی دن سے ان کی حکومتیں برباد ہونے لگی ہیں۔ اب ہم اس حالت کو دیر تک برداشت نہیں کرسکتے۔ ہماری زندگی ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہے، اب ہم اپنے ملک میں اپنی مضبوط حکومت بنائے بغیر دم نہیں لے سکتے، اب ہمیں بین الاقوامی جھگڑوں میں زیادہ دیر تک پھنسا کر منتظر نہیں رکھا جاسکتا۔ اور نہ ہم مخذلوں کی اطاعت کرسکتے ہیں، کوئی پیر ہو، کوئی لیڈر ہو، کوئی حاکم ہو، وہ اپنے اپنے گھر جا کر مریں۔ اب ہمارے سر پر حکومت چلانا چھوڑ دیں۔ اب ہم ان کی نہیں سن سکتے۔ اب ہمیں اپنے ملک میں اپنی طاقت سے اپنی حکومت چلانی ہوگی۔ اس کے پروگرام پر غور کرکے اس کی مدات کو آگے پیچھے کرنا ہمارا کام ہوگا۔ اب ہم کسی ایسے آدمی کی جو ہماری مصیبت میں شریک نہ ہو کوئی تجویز یا مشورہ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اب ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ہم خلافت باطنہ کی مدد سے خلافت ظاہرہ کے قیام کے ساتھ اپنا قدم آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہم اس اصول کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اس طریق تنظیم کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں میں مل گئی۔ یہ ہماری ضرورت تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری رہنمائی فرمائی۔ جو شخص ہماری مصیبت میں ہمارا شریک نہیں ہے، وہ بھلا ہماری ضرورت کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ ہماری سکیم میں ایک زبان بولنے والا گروہ جو کلچر میں ایک قسم کی یک رنگی رکھتا ہے ایک اکائی ہے، جو شخص ان کی زبان نہیں بولتا وہ ان کی مصیبت میں شریک بھی نہیں ہوسکتا۔

قومی حکومت :

ملک کے ایک مستقل ٹکڑے میں جس میں ایک زبان بولنے والا گروہ رہتا ہے۔ اور جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، ہماری فقط یہ کوشش ہے کہ یہ اکثریت قانون سازی کی طاقت کی مالک بن جائے اور اس کے ووٹ کے بغیر وہاں کوئی حکومت نہ چل سکے۔ اس کے لئے ہمیں اس کی اکثریت کو تعلیم دینی ہوگی۔ اسے مختلف سیاسی

مسالک فکر (Schools of Politics) سمجھا کر اپنا مسلک معین کرنا ہوگا۔ جب ہم اس پروگرام سے فارغ ہو جائیں گے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ

(بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔اس درخت کے نیچے)

اللہ کا اظہار خوشنودی:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اظہار خوشنودی ان کے موت قبول کرنے پر ہوا ہے۔ان لوگوں نے جس ضبط اور قربانی کا اظہار کیا ہے، وہ یقیناً قابل فخر ہے، کوئی جماعت اس اعلیٰ درجے کے ضبط اور قربانی کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے نمونے کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور یہ ہر اس جماعت کے لئے جو کامیابی کی خواہش کرے قیامت تک نمونے کی جماعت رہے گی۔

فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ (جو کچھ ان کے دلوں میں تھا،اللہ اسے جانتا تھا)

یعنی وہ گھٹا ہوا جوش اور طاقتور ہونے کے باوجود مغلوبانہ صلح کے ماننے پر مجبور ہونے سے پیدا ہونے والے جذبات، جو ڈیڑھ ہزار کی عظیم الشان منظّم جماعت کے دلوں میں اندر ہی اندر لہریں مار رہے تھے۔

فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡھِمۡ (ان پر اطمینان اتارا)

محض جوش کافی نہیں:

محض جوش کامیابی کا کفیل نہیں ہو سکتا، محض جذبہ قربانی منزل مقصود تک پہنچانے کی ہمیشہ کی گارنٹی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ٹھنڈے دل سے سوچنے اور غور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ و صلح کی مصلحتوں پر غور کرنے میں مدد دینے والی فضا پیدا کر کے ان کے دلوں کو سکون بخشا، انہیں موت قبول کرنے میں کوئی تشویش پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے ان کا موت قبول کرنے کا جذبہ عارضی ہیجانی حالت کا فیصلہ نہیں ہے، بلکہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے جس پر انہیں پورا پورا اطمینان ہے۔ اس قسم کے فیصلے سے ایک مستقل مزاج جماعت کبھی نہیں پھرا کرتی۔

وَ اَثَابَھُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا (اور انہیں قریبی فتح کا بدلہ دیا)

خیبر کی فتح کا وعدہ :

انہیں یہاں لوٹ سے روک کر خیبر کی جنگ میں کامیابی کا یقین دلایا۔

(۱۹) وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا (اور بے شمار غنیمتیں جو وہ لیں گے)۔

اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ انہیں خیبر میں بہت سا مال ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہونے پر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کی اس جماعت نے جو حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھی تین ہفتے کے قریب مدینے میں قیام کیا اور پھر خیبر پر دھاوا بول دیا۔ وہاں سے بہت مال ہاتھ آیا۔

(ب) وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ (اور اللہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

"عزت دینے" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سلطنت اتنی مضبوط اور وسیع بنادے گا کہ کوئی ان پر حملہ نہ کر سکے گا، ظاہر ہے کہ اتنی بڑی سلطنت بہت سی قوموں کے ساتھ لڑ کر اور فتح پا کر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

(۲۰) (ا) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا (اللہ نے تمہیں وعدہ دیا بہت سی غنیمتوں کا جو تم لوگے)

اللہ نے تم سے وعدہ کیا۔ کہ تم بہت سی غنیمتیں حاصل کرو گے۔

(ب) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ "اس نے یہ (خیبر کی فتح) قریب کر دی تمہارے لئے"۔

یعنی خیبر کی فتح جلد ملے گی، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسری فتوحات حاصل ہوتی رہیں گی۔

(ج) وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے)

وہ تم سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

(د) وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (تاکہ یہ مومنوں کے لئے ایک نشانی ہو)

یہ بات مومنوں کے لئے ایک نشانی ہو گی۔ کہ اگر ہم موت کے لئے تیار ہو کر گئے، تو لوگوں کے ہاتھ رک جائیں گے۔ اور وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ جیسے حدیبیہ اور خیبر میں ہوا۔

(ہ) وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (اور تمہیں سیدھی راہ پر چلائے گا)

تمہیں انسانیت کی بنیادی ہدایت عطا کی جائے گی، جس کی آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام نبی دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور تمہیں اس کل قومی قانون کے چلانے کی طاقت دی جائے گی۔

(۲۱) (ا) وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (اور ایک اور فتح جو تمہارے بس میں نہیں آئی)

روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ :

تم نے ابھی ایران اور روم سے لڑنے کی تیاری نہیں کی، جب تم اس جنگ کے قابل ہو جاؤ گے، تو اور غنیمتیں

بھی حاصل کرو گے۔

(ب) قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

''وہ (فتح) اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے''

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ان کے مقابلے کے لئے بھی تیار ہو جاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حدیبیہ کے واقعے تک اپنی قومی تنظیم کر چکے تھے۔ اب انہیں بین الاقوامی غلبہ حاصل کرنے کے لئے تیاری کرنے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

(۲۲) (الف) وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ (اگر کافر تم سے لڑتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر جاتے)

اس وقت کافر نہیں لڑے۔ گو بعض لوگ لڑنا چاہتے تھے، اگر وہ لڑتے تو انہیں شکست ہوتی۔

(ب) ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (پھر وہ کوئی حمایتی اور مددگار نہ پاتے)

انہیں کسی قبیلے کی طرف سے مدد نہ ملتی۔

(۲۳) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

(اللہ کی یہی سنت ہے اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے تو اللہ کے اس قاعدے کو بدلتے ہرگز نہ پائے گا)

نبی کے مقابلے میں کافروں کا شکست کھانا قانون الٰہی ہے۔ یہ کبھی نہیں بدلتا۔ اسی طرح نبی کی تعلیم پر چلنے والی قوم بھی کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔

(۲۴) وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے مکے کی گھاٹی میں روک رکھے بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا انہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھتا ہے)

اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ:

چند آدمی لڑنے کی کوشش کرنے کے لئے آئے تو دونوں جماعتوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دئے گئے۔ اہل مکہ ڈر گئے اور انہوں نے مسلمانوں کا غلبہ مان لیا اور مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی حکمت عملی نے روک رکھا۔ اور لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

(۲۵) (ا) هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ، (یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے انکار کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور نیاز کی قربانی بند پڑی رہ گئی اس بات سے کہ اپنی جگہ پہنچے)

یہ لوگ مجرم تھے، انہوں نے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مسجد حرام سے روکا۔ اور ھدی (قربانی) کو اپنے مقام پر پہنچنے نہ دیا۔ یہ حقیقت میں شکست کے مستحق تھے۔ ان کی شرارت کے باوجود انہیں شکست کیوں نہ دلائی گئی؟

(ب) وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ
(اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور عورتیں ایمان والیاں جن کا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم انہیں پیس ڈالتے۔ پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑتی بے خبری سے)

بات یہ ہے کہ چند کمزور اور محتاج مرد اور عورتیں جو ایمان والے ہیں [1] مکے میں موجود ہیں۔ وہ اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے۔ تم میں سے عام مسلمان انہیں نہیں جانتے۔ اگر لڑائی ہوتی تو انہیں بھی کفار کی طرف سے شریک ہو کر خواہ مخواہ تم سے لڑنا پڑتا اور وہ مارے جاتے۔ یا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو خود کفار انہیں قتل کر ڈالتے۔ دونوں صورتوں میں وہ مقصد جس کے لئے تم کھڑے ہوئے ہو یعنی دنیا سے ظلم دور کرنا بے خبری میں خود تمہارے ہاتھوں برباد ہو جاتا۔ اس طرح تمہیں بھی نقصان پہنچتا انہیں بھی۔

جنگ مقصود اصلی نہیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک لڑنے کا اصل مقصد جنگ کرنا نہیں ہے، اصل مطلب مظلوموں سے ظلم دور کرنا ہے، چاہے وہ جنگ کے ذریعے سے ہو یا جنگ کو روک کر۔ اگر لڑائی سے ظلم زیادہ ہو جانے کا ڈر ہو تو لڑائی روک دی جائے گی، اگر صلح سے ظلم دور ہوتا ہو تو صلح کر لی جائے گی، چاہے وہ کیسی بھی کمزور شرطوں پر کیوں نہ کرنی پڑے۔

حکمت قرآنی کا ایک نکتہ:

حکمت قرآنی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں اس قوم کے لوگوں کے ہاتھوں انقلاب لایا جائے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا۔ اس کی تفصیل حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان

[1] چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ بھی حکم دیا کہ مکے میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مومن ہیں ان سے مل کر انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں خبر دے دیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا پھر وہاں ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔" (زاد المعاد جلد دوم ص ۱۴۳)

فرمائی ہے۔ [1] آپ فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کا طبقہ قریش اور ان کے ارد گرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرائے۔ [2] پھر ان کے ہاتھوں فارس اور روم فتح کرائے [3] پھر ان کے ہاتھوں ہند، ترکستان اور سوڈان فتح ہوئے۔ [4]

خود قرآن حکیم میں بھی اس حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ صف کے آخر میں ہے کہ :

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ؀

(یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری مدد اللہ کی راہ میں کرے؟ حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ (ان کی کوششوں سے) بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایمان لے آیا اور ایک فرقہ منکر ہی رہا۔ پھر ہم نے بنی اسرائیل کے ایمان لانے والے طبقے کو قوت دی ان کے دشمنوں پر اور وہ غالب آئے)

گویا بنی اسرائیل کے اندر کام کرنے والی جماعت کی کوشش سے اس قوم کے اندر انقلاب لایا گیا۔ اور یہ طبعی بات بھی ہے کیونکہ عرب اٹھ کر چینیوں میں انقلابی تحریک نہیں پھیلا سکتے۔ انقلاب لانے کے لئے ہر قوم میں وہی لوگ کام کر سکتے ہیں، جو اس قوم کی زبان اور معاشرت میں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عربوں میں عربی بولنے والی جماعت کے ذریعہ سے انقلاب پھیلایا اور ایران میں فارسی بولنے والوں کے ذریعے سے۔ گو انقلاب کی ابتدائی تعلیم دینے والے عرب ہی تھے۔ اب ہندوستان میں بھی ہر ایک مسلم لسانی گروہ میں اسی طرح الگ الگ انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

(ج) لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ

(تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جسے چاہے)

---

[1] جلد دوم باب الجہاد

[2] عراق اور شام میں ملی جلی قومیں بستی تھیں، ان میں عرب بھی تھے، ان عربوں کو ساتھ ملا کر عراق اور شام میں انقلاب برپا کیا گیا۔ ہمارے زمانے میں اس کی مثال آذربائیجان کے انقلاب کی ہے، جس میں روسیوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن انقلاب کرنے والے آذربائیجانی خود تھے۔ روسیوں نے ان ایرانیوں سے کام لیا جن کا تعلق روسی علاقے میں بسنے والے ایرانیوں سے تھا (مرتب)

[3] یعنی اہل عراق کے ہاتھوں فارس کو فتح کرایا۔ کیونکہ ان کا تعلق ایران کے ساتھ تھا اور اہل شام کے ہاتھوں روم کو فتح کر دیا۔ کیونکہ شامیوں کا تعلق رومیوں کے ساتھ تھا۔ (مرتب)

[4] چنانچہ ایرانیوں نے ہندوستان اور ترکستان فتح کئے اور رومیوں کے ہاتھوں حبشہ فتح ہوا کیونکہ ان کا آپس میں تعلق تھا۔ (مرتب)

اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں :

قرآن حکیم کو ایسی ہی جماعت کی ضرورت تھی جو اپنا فکر چلانے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی ظاہری شکست کو جس کی مصلحت امام اور اس کا مشیر خاص یعنی صدیق اکبرؓ ہی سمجھتا تھا قبول کر کے اس امام کی اطاعت پر قائم رہے۔ اسی قوت اطاعت نے انہیں آگے چل کر تمام دوسرے دینوں کے ماننے والوں پر غلبہ عطا کر دیا۔ اس قسم کا نظام اطاعت نہ یہودیوں میں موجود تھا نہ عیسائیوں میں۔ مجوسیت بھی اس سے خالی تھی اور دوسرے دین والے بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز تھے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اس نے بنی اسماعیل کی اس چھوٹی سی جماعت کو اپنی رحمت میں شامل کر کے انہیں ایسی شاندار طاقت ضبط عطا کی۔

دوسری جماعت جسے اللہ نے اپنی رحمت میں جگہ دی، مسلمانوں کی وہ خفیہ جماعتیں تھیں جو مکہ معظّمہ میں موجود تھیں۔ اب صلح کے بعد انہیں اپنے اظہار کا موقعہ مل جائے گا۔

اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھانے والی تیسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اس صلح کے بعد مسلمانوں سے میل جول پیدا کریں گے اور ان سے اثر لے کر اسلام قبول کر لیں گے اور ان کے بعد وہ قومیں ہوں گی جو اسلام قبول کر کے قیامت تک قرآن کی خدمت کرتی رہیں گی۔

(و) لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا انہیں ہم ضرور دردناک عذاب دیتے)

لڑائی کیوں رکی؟ :

اگر وہ کمزور ایک طرف ہو جاتے تو ہم ان کافروں کو سخت عذاب دیتے۔ اور انہیں خوب پٹواتے۔ لیکن اب وہ مظلوم بھی ان کافروں میں ملے جلے موجود ہیں۔ اگر لڑائی ہوتی تو وہ بھی پٹ جاتے۔ اس لئے لڑائی روک دی گئی۔

(۲۶) (ا) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (جب کافروں نے جاہلی کد اپنے دل میں رکھی تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اطمینان اتار دیا)

جب لڑائی ٹلنے کا فیصلہ معلوم ہو گیا تو کافر جاہلیت کی حمیت میں ان سے شرطیں منوانے بیٹھ گئے۔ ممکن تھا کہ ان شرطوں کی سختی ہی کی وجہ سے لڑائی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں پر دل کا اطمینان نازل کیا، اور بڑے سکون سے بیٹھے رہے۔ اور انہوں نے وہ سب شرطیں مان لیں اور جاہلیت کے ان حامیوں کو موقعہ نہ دیا کہ لڑائی چھیڑیں۔

(ب) وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (انہیں انصاف کی بات پر قائم رکھا)

ان مؤمنوں کا طریقہ یہ رہا کہ ابراہیمی دین کے احترام کے لئے انہوں نے سب کچھ قبول کر لیا۔ اگر لڑائی میں مومنوں کی طرف سے نفسانیت مقصود ہوتی تو جیسے کافر چڑا رہے تھے یہ ضرور لڑ پڑتے، لیکن یہ اپنی انصاف کی بات پر جمے رہے۔

(ج) وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور وہی انصاف کے زیادہ لائق اور قابل تھے)

یہ انصاف قائم کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ انصاف کی خاطر لڑتے ہیں اور انصاف ہی کی خاطر (ضرورت پڑے تو) دب کر بھی صلح کرتے ہیں۔ وہ جاہل جو ملت حنیفی کی شکل ہی شکل لئے بیٹھے ہیں اور مر رہے ہیں اقتدار پر، انصاف کیا قائم کریں گے؟

(د) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ (اللہ ہر ایک بات جانتا ہے)

اس نے جو لڑائی روکنے کا حکم دیا ہے تو بھی علم ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کونسی زیادہ اس قابل ہے کہ حق قائم کر سکے۔

قرآنی انقلاب کا نصب العین

(٢٧) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط

(اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب، تحقیق تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں، اگر اللہ نے چاہا آرام سے، بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے، بے کھٹکے)

نبی اکرم ﷺ کا خواب:

اب واقعے کا مختصر بیان آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم مکے میں پہنچے ہیں۔ عمرہ ادا کیا ہے۔ کوئی بال منڈا رہا ہے۔ کوئی چھوٹے کرا رہا ہے۔ اور سب امن و امان سے وہاں بیٹھے ہیں۔ مہاجرین کی جماعت یہ خواب سن کر بے تاب ہو گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ وحی ہے۔ اس یقین کے ساتھ لوگوں نے مکہ جانے کی تیاری کر لی۔ آپ ﷺ بھی تیار ہو کر عمرے کے لئے آ گئے۔ مگر حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک دیا۔ اور آپ رک بھی

گئے۔ اس پر لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوا کہ یہ کیا ہوا؟ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر ہوگا اور ضرور ہوگا اس آیت میں اسی خواب کا ذکر ہے۔

اٰمِنِيْنَ امن وامان سے بغیر لڑے بھڑے داخل ہو جاؤ گے۔

لَا تَخَافُوْنَ تمہیں یہ خوف نہ ہوگا کہ تمہیں کوئی وہاں سے نکال دے۔

(ب) فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا (اسے معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے)

مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں :

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ اگر تم لڑتے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا۔ یعنی تمہاری اپنی پارٹی کے آدمی مارے جاتے۔ تمہیں ان کی خبر بھی نہ ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے والی خفیہ سوسائٹیاں مکہ میں موجود تھیں۔ انہی کے زور پر مکہ فتح ہوا۔ اگر اب لڑائی ہو جاتی تو وہ پس جاتے۔ ان کی نجات کا ذریعہ سوچ کر لڑائی ہونی چاہئے تھی۔ صلح کے بعد قریب قریب سب لوگ نکل آئیں گے۔ اور مدینہ پہنچ جائیں گے، یا اپنا کوئی اور انتظام کر لیں گے۔ اس لڑائی میں اچانک نہیں پسیں گے۔

اگر وہ پس جاتے تو مسلمان اپنے ہاتھوں اپنی طاقت برباد کرنے والے ہوتے۔ یہ چیز اللہ جانتا ہے۔ عام مسلمان اس بات سے بے خبر تھے۔

(ج) فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

(پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک نزدیکی فتح) "نزدیکی فتح" سے خیبر کی فتح مراد ہے۔

(۲۸) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو سیدھی راہ اور سچا دین دے کر بھیجا کہ اس دین کو ہر ایک دین پر غالب کر دے اور اللہ حق ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے)

قرآن کا مقصد :

جس طرح حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ کے واقعات ہیں، ان کی جزئیات (Detail) کو یاد رکھو اور ان کے مطابق تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرو۔ اس قسم کے ضبط اور ایثار والی جماعت ہی غلبہ حاصل کر سکتی ہے۔، خداوند تعالیٰ اس بات

کی گواہی دیتا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

هُدٰی۔ دین کی اصل روح اور حکمت۔

دِیْنِ الْحَقِّ۔ سچا دین جو دائمی قانون پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ انسانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ اس دین (قرآن) کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنا ضروری ہے اور اسے ہمیشہ غالب رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غالب آیا پھر قیامت سے پہلے غالب آجائے گا اور غلبے سے محض علمی غلبہ بھی مراد نہیں ہے، بلکہ سیاسی غلبہ بھی اس میں شامل ہے یعنی قرآنی قانون، قانون کی حیثیت سے بھی ہمیشہ غالب اور نافذ رہے اور علمی لحاظ سے بھی ہر ایک دین پر فوقیت حاصل رہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ اگر مسلمان اس صورت کو اپنی سیاست کی بنیاد بنالیں تو یہ ساری دنیا میں کام کرنے کے لئے کافی ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ کے خیالات :

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :

''دین حق خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں باقی تمام دینوں پر کلی طور پر غالب نہیں آیا۔ کیونکہ ابھی نصاریٰ اور مجوس اپنے طمطراق کے ساتھ قائم تھے۔ اس لئے عام مفسرین اس آیت کی تفسیر سے عاجز رہے۔ چنانچہ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت ہوگا۔ حسن بن فضل کا قول ہے کہ ''واضح دلائل سے غالب کرنا'' مراد ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے ان سب لوگوں سے زیادہ مضبوط بات پیش فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

''خدا نے اپنے رسول کو تمام دینوں پر غلبہ دیا جس نے سنا اسے یقین ہو گیا کہ یہ دین سچا ہے۔ اور اس کے خلاف جو کوئی بھی ہے وہ باطل پر ہے۔ دنیا میں شرک کا مجمع دو ہی دینوں میں ہے اہل کتاب کے دین میں اور امیوں کے دین میں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے امیوں پر غلبہ پالیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے تابع ہو گئے اور بعض اہل کتاب نے مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اور ان پر اس دین کا قانون نافذ ہو گیا۔ تمام دینوں پر اس دین کے غلبے کے یہی معنی ہیں۔''

فقیر عرض پرداز ہے کہ [1] ۔۔۔۔ان سب صحیح احادیث کا لب لباب یہ نکلا کہ دین کا کامل غلبہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس زمانے میں زمین کی حکومت دو بادشاہوں کے درمیان بٹی ہوئی تھی جو بہت شان و

[1] یہاں حضرت امام نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن کی مدد سے آپ اظہار دین (غلبہ دین) کے معنی معین کرنا چاہتے ہیں ہم نے بات مختصر کرنے کی غرض سے وہ حدیثیں چھوڑ دی ہیں۔ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ (مرتب)

شوکت والے تھے۔

(۱) کسریٰ ایران

(۲) قیصر روم

ان دونوں بادشاہوں کے دین دوسرے دینوں پر غالب تھے، اور ان دونوں دینوں کا اباحت[1] کی طرف میلان تھا اور عقیدہ ارجاء[2] دونوں پر غالب تھا۔ خود کسریٰ اور قیصر بھی ان دینوں کے حامی تھے اور ان کے امراء اس قاعدے کے مطابق کہ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اپنی باتوں اور اپنے کاموں میں انہی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ قیصر کے اتباع میں روم، روس، جرمنی، افریقہ، شام، مصر یعنی مغربی ممالک اور حبشہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ اور خراساں، توران، ترکستان، زادلستان اور باختر وغیرہ کسریٰ کے اتباع میں مجوس تھے اور یہودیت، مشرکوں کا دین، ہندوؤں کا دھرم اور صابیوں کا مذہب ان دونوں بادشاہوں کے دبدبے کے نیچے تھے اور کمزور ہو کر ان کے مطیع ہو چکے تھے۔ پس ظہور دین اسلام اور کافروں اور قانون شکنوں کو برباد کرنے کے داعیہ نے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں کو برباد کرنے کی شکل اختیار کی۔ کیونکہ جب یہ دونوں حکومتیں برباد ہو جائیں گی سب سے بڑے اور سب سے مشہور دین شکست کھا جائیں گے۔" (ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۴۳)

اس کے بعد ہر زمانے میں اس قانون کو غالب رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

(۲۹) (۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ، (محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی)

نبی اکرمؐ کی اجتماعی حیثیت

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی تحریک ہے۔ اکیلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں ہے۔ وہ مزمل۔ رفقاء کار جمع کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ ان کی نبوت کی حیثیت جداگانہ، مستقل حیثیت ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ان کا کوئی مشیر ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت نبی اکرمؐ کی اس اجتماعی حیثیت کی طرف جابجا اشارے موجود ہیں۔ مثلاً

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (آل عمران ۱۹۵)

(جن لوگوں کو گھر بار سے ہجرت کرنی پڑی اور جن کو اپنے وطن سے نکالا گیا)

---

[1] کھانے پینے اور نکاح کے معاملے میں کسی قاعدے کی پابندی نہ کرنا اور ہر چیز کو جائز سمجھنا (مرتب)

[2] یہ عقیدہ کہ جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ (مرتب)

ظاہر ہے کہ وہ تنہا حضرت نبی اکرمؐ نہیں تھے، بلکہ آپ اور آپ کے ساتھی سب مراد ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال ۶۴)

''اے نبی! اللہ تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کے لئے کافی ہے''

اس میں بھی نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو ملا کر ایک جماعت ظاہر کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین سب پر اطمینان قلب نازل فرمایا (توبہ ۲۶)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

یعنی رسول اور وہ لوگ جو اس کے شریک ایمان ہیں۔ اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ جملہ بھلائیاں ان سب کے لئے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

یہاں بھی صحابہ کرام کو رسول کا شریک ایمان یا رفیق فکر اور جہاد میں شریک یعنی رفیق عمل ظاہر کر کے کامیابی کے نمونے کے لئے ساری جماعت کو پیش کیا گیا۔

یہی وہ چیز ہے جسے حضرت نبی اکرمؐ نے اپنی زبان مبارک سے بھی، مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ (جس اصول کار پر میں اور میرے ساتھی ہیں) کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مشورہ کرنا آنحضرتؐ کے لئے ضروری تھا

آپ کی یہی اجتماعی حیثیت ہے جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کر سکتی ہے، جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں آیا ہے؛

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران ۱۵۹)

(ان سے معاملات ملی میں مشورہ (ضرور) لیا کرو۔ اور جب پختہ ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو)

امام ابو بکر جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

''حضرت نبی اکرمؐ پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی امور میں بھی اور ان امور میں بھی جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں بھی ۔ یہ غلط کہا جاتا ہے کہ یہ مشاورت محض ان کا جی خوش کرنے اور ان کی قدر بڑھانے کے لئے تھی اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت اسی طرح کرے۔ کیونکہ جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے

پوچھی جارہی ہے اس کے متعلق میں نے ایک مشورہ اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کرلیا۔ یا سوچ بچار کر کے کوئی صحیح رائے قائم کرلی تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اسے قبول کیا جائے گا۔ تو بھلا اس مشاورت سے اس کا جی کیا خوش ہوسکتا ہے اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا اثر الٹا یہ ہوگا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی۔ کیونکہ اسے علم ہوگا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :

"نبیؐ کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان معاملات میں مشورہ کرتے جن میں کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔البتہ صریح احکام کے بارے میں مشورہ ناجائز تھا۔ مثلاً یہ پوچھنا کہ نماز ظہر یا عصر کے بارے میں یا زکواۃ یا روزے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بالکل غیر ضروری تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشورے کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ فلاں بات میں مشورہ کرو اور فلاں میں نہ کرو۔اس لئے لازم تھا کہ ہر دو معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیتے"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :

"عزیمت (پختہ ارادہ) کا ذکر مشاورت کے بعد آیا[1] ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو۔" (احکام القرآن جلد دوم ص ۴۱ طبع بیروت)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (مشاورت اهل الرأی ثُم اتباعُهُم) یعنی جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں، ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنے کا نام عزم ہے۔

مشاورت کی اہمیت :

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس بلند اجتماعی تصور کو آپ ﷺ کی انفرادیت میں گم کردیا۔

مشاورت کا مسئلہ اسلام میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اسلامی حکومتوں کو مشورے سے خالی کر کے مطلق العنان، جاہل حکمرانوں اور امیروں کا کھیل بنادیا گیا۔ وہ مسلمانوں کی امانت (سرکاری خزانے) سے اپنی شہوت پرستیوں پر

[1] الفاظ کی ترتیب یوں ہے : وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله -ظاہر ہے کہ اس میں شاورهم (ان سے مشورہ لیا کر) پہلے واقع ہوا ہے اور (فاذاعزمت جب تو پختہ ارادہ کرے) بعد میں آیا ہے۔(مرتب)

روپیہ صرف کرتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی مصلحت کے مقابلے میں خیانتیں کرتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس قسم کی غلطیوں کا خمیازہ مسلمانوں کو صرف اس غلط تفسیر کی وجہ سے بھگتنا پڑا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان ایک حاکم کے اوپر ننگی تلوار ہے۔ وہ حاکم کیوں قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا؟ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو کس بنا پر ہم سے اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ طاقت مسلمانوں میں پھر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ان کی جماعتی زندگی آسانی کے ساتھ قرآن کے مطابق بن سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ کو مستحب [1] کا درجہ دیکر اسے سیاست اسلامی سے نکال ڈالنے والے لوگوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

صحابی سے کون مراد ہیں؟ :

ایسے ہی صحابی کی وہ تعریف عوام میں مشہور ہو گئی ہے جس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ صحابی کی یہ تعریف کہ اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہؐ کو دیکھا ہو حدیث کی روایتیں جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہے۔ ورنہ اصل میں سیرت نبوی کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپ کی معیت لازم پکڑی اور آپ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا۔ تکلیفیں اٹھائیں اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کر لیا کہ انسانیت کے لئے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔ [2]

(۲) اور اسی پر پورا اترنے والے وہ لوگ ہیں جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴ (انفال : ۷۴)

(یعنی جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)

---

[1] مستحب وہ امر ہے کہ اس پر عمل کریں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی ہرج بھی نہیں (مرتب)

[2] چنانچہ محدث مازری شرح برہان میں رقمطراز ہیں کہ :

لسنا نعنی بقولنا "الصحابہ عدول" کل من راٰہ ﷺ یوماما، اوزارہ لماما، او اجتمع بہ لغرض وانصرف مکثا انما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولائک ھم المفلحون) منقول از اسوہ صحابہ از مولانا محمد سعید انصاری جلد اول ص بحوالہ "فتح المغیث" ص ۳۷۷) یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ الصحابۃ عدول (صحابی سب عادل ہیں) تو اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص نہیں جس نے آنحضرتؐ کو کسی روز دیکھ لیا یا کبھی زیارت کر گیا۔ یا کسی کام سے آیا اور فوراً واپس لوٹ گیا۔ بلکہ ہماری مراد ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے آپ کی معیت لازم پکڑی، جہاد میں آپ کی مدد کی۔ آپ کی حمایت میں آپ کے دشمنوں سے لڑے۔ اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر نازل ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوئے۔ (مرتب)

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی جنہوں نے آپ ﷺ کی سیرت (حالات زندگی) کے بنانے میں حصہ لیا چند صفتیں ہیں۔

(۱) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (کافروں پر سخت)

نبی ﷺ کے ساتھی اشداءُ علی الکفار ہیں:

ان کی سختی کے دو پہلو ہیں: (۱) یہ لوگ مخالفوں سے لڑنے میں بڑے سخت ہیں۔ کہ موت قبول کر کے لڑنے کے لئے جاتے ہیں۔ (۲) جو لوگ اس تحریک کے کھلم کھلا دشمن (کافر) ہیں۔ یہ لوگ ان کافروں کو انتہائی سزا دینے کے طرفدار ہیں۔ قتل کی ضرورت ہو تو قتل کردئے جائیں۔[1] ورنہ جو اس سے کم سزا ضروری ہو وہ دی جائے۔

قتل ہمیشہ اسی وقت کیا جائے گا جب انہوں نے قتل کیا ہو یا وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے ہوں۔ ورنہ ان کی انتہائی سزا یہ ہے کہ ان کی سیاسی تحریک روک دی جائے اور انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ ان کی عقلمندی سے جو ارتقاقی اور تمدنی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، ان سے جماعت کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے۔

(۲) رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحمدل)

وہ "رحماءُ بینھم" بھی ہیں:

جو لوگ اس تحریک کی تائید میں ان کے ساتھی ہیں ان کے لئے ان کے پاس سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر رحمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحمت سے پیش آتے ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے بھی رحمت کے دروازے کھولتے ہیں جس شخص کے متعلق امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس تحریک کی تائید کرے گا اسے مخالف بننے کا موقعہ نہیں دیتے۔

ان کے جو ساتھی مظلوم اور ضعیف ہیں۔ اگرچہ یہ انہیں پہچانتے بھی نہیں۔ مگر ان پر رحم کرنے کے لئے اپنی تمام عزت قربان کردیتے ہیں۔ جیسے انہوں نے حدیبیہ کی صلح میں کیا۔ یا حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے سے اس بناء پر انکار کردیا تھا کہ ان اراضی کا فائدہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ملنا چاہیئے۔

(ازالۃ الخفا: امام ولی اللہ دہلوی مقصد دوم ص ۱۲۷)

[1] جنگ بدر میں جو کافر قیدی گرفتار ہو کر آئے حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق تجویز کیا کہ ہر ایک مسلمان ان میں سے اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کردے۔ (مرتب)

فائدہ: یہ ایک طبعی چیز ہے کہ اگر کسی جماعت میں مخالف جماعت کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر دئے جائیں، تو خود اس جماعت کے اندر محبت و رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو جماعت قرآن حکیم کو تمام دینوں پر غالب کرنے کے لئے اٹھے، اسے اپنے اندر انتہا درجے کی محبت و رحمت پیدا کرنی چاہئے۔ اور اس آپس کی محبت کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں۔ یعنی آپس میں کامل تعاون اور ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت۔

(۳) تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تو دیکھتا ہے، انہیں رکوع میں اور سجدے میں)

خدا پرست لوگوں کی اصطلاح میں رکوع اور سجدہ، خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ ہے۔

رکوع کیا ہے:

رکوع کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ ذمہ داری کا جو بوجھ اللہ نے ہم پر ڈالا ہے ہم اسے برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جو دل و دماغ دیتا ہے اسی نسبت سے اس پر فرض عائد کرتا ہے۔ یہ فرض اس پر ایک بوجھ ہے جسے وہ رکوع کی شکل میں اٹھاتا ہے۔ گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ میری جو ڈیوٹی مقرر کی گئی ہے میں اسے خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اور اس پر اسی طرح کاربند رہوں گا۔ جیسے ایک حیوان ایک انسان کے آگے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

سجدہ کیا ہے؟:

سجدہ یہ ہے کہ میں کامل اطاعت کا اعلان کرتا ہوں۔ سجدہ کر کے اعتراف کرتا ہوں کہ میری جان تیری راہ میں حاضر ہے۔ دوسرے سجدے کے ذریعے اس امر کا اعتراف مقصود ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق میری جان کے ساتھ ہے۔ مال و اولاد۔۔۔ سب کچھ تیری راہ میں قربان کرتا ہوں۔ یہ تکمیلی درجہ ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ [1] (التوبہ: ۱۱۱) کی عملی تفسیر ہے۔

جو انسان اپنے فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہا وہ انسانیت سے گر گیا۔ اگر اس نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا تو وہ تعریف کے قابل ہے۔ یہ رکوع کی تکمیل ہے لیکن ایک شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے فرض سے بھی زیادہ کام کرتا ہے، وہ جان و مال اور سب کچھ مکمل طور پر اس انقلاب میں جھونک دیتا ہے یہ سجدہ ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (۴۸: ۲۹) (تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اور اسے انتہا تک پورا کریں

[1] بیشک اللہ نے مومنوں کے جان و مال مول لے لئے ہیں۔

گے وہ اس کی تکمیل پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

اسی آمادگی اور عمل کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۵ : ۳)

(میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

بقول امام ولی اللہ دہلویؒ اتمام نعمت سے مراد بین الاقوامی حکومت دینا ہے۔ یہ درخت قیامت تک پھل لاتا رہے گا۔

(۴) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ (وہ اللہ سے فضل مانگتے ہیں)

فضل کیا ہے ؟ :

اگر وہ محض فرض ادا کرتے تو وہ اپنا حق پورا پاتے۔ مگر وہ زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اس لئے تکمیلی کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اس فضل کی وجہ سے قوموں کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ جائیں گے، کہ وہ سب کے امام مان لئے جائیں گے، اس لئے انہیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ :

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان : ۷۴)

(بال بچے ایسے ہوں کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یعنی اپنے گھر میں جو پروگرام چلانا چاہتے ہیں۔ وہ انہیں پورا ہوتا نظر آئے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر انصاف کرنے والے متقیوں کے امام بنیں)

(۵) وَ رِضْوَانًا (اور اللہ کی رضا)

رضوان سے کیا مراد ہے ؟ :

اللہ کی رضا اس کی تجلی میں محویت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے کمالات کے دو حصے کر دیئے ہیں :

(۱) ارتفاق، یعنی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ

(۲) اقتراب، یعنی قرب الٰہی میں ترقی کرنا یا دوسرے لفظوں میں حظیرۃ القدس میں مقام حاصل کرنا۔

رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے قلب میں ایک آئینہ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عکس آتا ہے۔ اس آئینے کو جتنا زیادہ صاف کیا جائے اتنا ہی یہ عکس زیادہ روشن اور صاف آئے گا۔اس تجلی کا جو نزول انسان کے قلب میں ہوتا ہے، اسے قرب الٰہی (اقتراب) سمجھنا چاہئے۔ اور تجلی کا نازل ہونا ہی اللہ کی خوشنودی (رضوان) کی علامت ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتا ہوا، ''ملاء اعلیٰ'' کے ساتھ تعلق قائم کرلیتا ہے۔ اور وہ اللہ کی شانوں کا ہر وقت احساس کرتا رہتا ہے اور جامد نہیں ہو جاتا۔ صالح انقلابی ذہنیت کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے ایسا انقلابی مرنے کے بعد حظیرۃ القدس میں جگہ پاتا ہے۔

اللہ کا فضل انسان کی ارتقاقی زندگی کا انتہائی درجہ ہے۔

اللہ کا رضوان انسان کی اقترابی زندگی یعنی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا آخری درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ، (محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی) سے جو جماعت پیدا ہوئی ہے اس کی زندگی ارتفاق اور اقتراب دونوں کے لحاظ سے نمونے کی زندگی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی حکومت بھی پیدا کی اور قرب الٰہی کے بھی اونچے سے اونچے درجوں تک پہنچے۔ ان کا یہ کارنامہ قیامت تک کے انقلابیوں کے لئے اعلیٰ درجے کا نمونہ ثابت ہوگا۔ بیچ میں اس نمونے پر اور نمونے ڈھلتے رہیں گے۔ لیکن اصل نمونہ یہی ہوگا۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نمونے کے اس اولین دور کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم مانتے ہیں۔

اور اس دور کی تاریخ کے جس اعلیٰ پائے کے وہ شرح کرنے والے ہیں، اس سے بہتر کوئی دوسرا عالم نہیں مل سکتا۔

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن کا قانون بین الاقوامی درجے پر غالب رہنا چاہئے۔ یہ جماعت اپنے فیصلے سے اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔یبتغون (چاہتے ہیں) سے یہی مراد ہے کہ اپنی مرضی اور فیصلے سے ''چاہتے ہیں''۔

(۶) سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (ان کی نشانی ان کے مونہوں پر ہے سجدے کے اثر سے)

سجدے کی روح۔۔۔۔۔ قربانی۔۔۔۔۔ ان کے اندر داخل ہو چکی ہے اور اس سے وہ اس قدر نڈر ہو چکے ہیں کہ ان کے چہرے سے ایک نور ابلتا ہے۔ وہ ہر ایک مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ انہیں راہ حق سے کوئی مصیبت ہٹا نہیں سکتی۔

(۷) ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ (ان کی یہ تمثیل تورات میں (پہلے ہی) بیان کردی گئی ہے۔)

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر :

تورات میں اس کا اشارہ مجمل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ میں بنی اسماعیل کو اتنا ہی بڑھاؤں گا جتنا بنی اسحاق کو۔ میں انہیں ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(۸) وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

(اور انجیل میں ان کی تمثیل، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا، پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو)

اس سلسلے میں انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات لائق توجہ ہیں :

انجیل مرقس باب ۴ آیات ۳۔۹ میں ہے کہ :

”سنو، دیکھو، ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی، اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا۔ اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبالیا۔ اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا۔ وہ اگا اور بڑھکر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سوگنا پھل لایا“۔

پھل لانے کی مزید کیفیت آگے چل کر آیات ۲۶، ۲۷، ۲۸ میں اس طرح بیان کی گئی ہے :

اور اس نے کہا : خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، بعد اس کے بالوں میں تیار دانے''

(۹) لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ (تاکہ ان سے کافروں کا جی جلائے)

خدا نے قوموں کو رسولوں کے ذریعے سے اپنی کتابیں اور ہدایتیں دیں۔ وہ لوگ اس دین کی عزت کرتے اور اپنی کتاب پر عمل کرتے تو ان کی عزت قائم رہتی اور ان پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہو سکتا، مگر انہوں نے ان کتابوں کی عزت نہ کی اور اپنے دین کا احترام قائم نہ رکھا۔ بلکہ اس کی عملاً مخالفت کی، یہ کفار ہیں۔

اب ایک دیندار جماعت پیدا ہوتی ہے جو ان پر غالب آجاتی ہے۔ کفار اپنے آپ کو بھی دیندار سمجھتے ہیں۔ انہیں غصہ آتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے دین پر غالب کیوں آگئے؟ لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہ باعمل جماعت جو مرنے پر آمادہ ہے۔ ان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں یا نیم دلی سے اپنے دین کے ماننے والوں پر غالب آجائے۔

ان نام نہاد ”دیندار“ قوموں کو مغلوب کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔

کیا مہاجرین کی پہلی جماعت کے ذریعے ہندوستان، ترکستان اور سوڈان فتح ہو سکتے تھے؟ پس قرآنی تحریک کی ترقی ایسی ہے، جیسے کھیتی کا نشو و نما پانا۔ یہ چھو منتر کا کام نہیں ہے۔ ارتقائی کام ہے۔ یہ طبعی چیز ہے ہو کر رہے گی۔ مگر بعض لوگ جن کی نظر قرآن پر گہری نہیں ہے طبعی رفتار کو دین سے الگ کرتے ہیں، لیکن ہم امام ولی اللہ کے واسطے سے نیچر اور دین کو ایک ہی چیز مانتے ہیں۔ یہ تحریک اس کی مثال ہے یعنی جس طرح بیج بونے کے بعد کھیتی طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہے۔ ایسے ہی یہ قرآنی تحریک طبعی طور پر ترقی کرے گی۔ اور تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

یہاں تک حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان کی کامیابی کے کفیل بنے۔ اب ایک کُلیے کے طور پر جامع اصول بیان کیا جاتا ہے۔

(۱۰) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِيْماً۔ (ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں معافی ملے گی اور بڑا اجر ملے گا)

یہ نمونے کی جماعت ہے :

اس انٹر نیشنل تحریک کو چلانے والی جتنی جماعتیں ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ ان سب سے وعدہ ہے کہ ان کی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی۔ بشر طیکہ وہ اس پروگرام پر چلتی رہیں۔ وہ اس تحریک سے بڑے بڑے فائدے حاصل کریں گے۔ اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔

رسول اللہ کی جماعتی کامیابی جو نمونے کے طور پر قرآن کی عملی زندگی پیش کرتی ہے وہ سورہ فتح کی آخری آیت میں ضبط کر دی گئی ہے۔ اس نمونے پر قیامت تک عمل کرنا ہوگا۔ اب قرآن شریف کو کسی اور نمونے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ انسانیت کو کسی اور کتاب الٰہی کی حاجت ہوگی۔ تمام مسلمانوں پر ایسی جماعت کا قائم رکھنا فرض ہے۔

سورۂ فتح کا خلاصہ اور سورۂ حجرات کے ساتھ ربط

سورۂ فتح کا خلاصہ :

سورۂ فتح میں قرآن حکیم کے عظیم الشان نصب العین کا اعلان کیا گیا ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ قرآن حکیم کا قانون تمام دوسرے قانونوں پر غالب رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ نصب العین قرآن حکیم کے بین الاقوامی غلبے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس صورت میں آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی طرف بھی صاف الفاظ میں اشارہ

کر دیا گیا ہے۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قومی انقلاب کی تکمیل کے بغیر کوئی بین الاقوامی انقلاب سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اور قومی اور بین الاقوامی انقلابوں کے لئے نہایت اعلیٰ درجے کے ضبط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اس قسم کے ضبط کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کی انقلابی جماعت میں شامل ہو کر اس کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے، اسے سخت سے سخت سزا دی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ آخری حالت میں موت کی سزا بھی مل سکتی ہے۔ پھر اس قانون کے ماننے والوں کی حالت بھی یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ان لوگوں پر بڑی سے بڑی سختی کرنے کو تیار ہیں، جو اس قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے علانیہ میدان جنگ میں اتر آئیں۔

اس قسم کی نئی جماعت جب فاتح ہو کر پرانے رجعت پسندی کے دور کو ختم کر دینا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں نئی تہذیب کی بنیاد رکھے۔ وہ نئی تہذیب اس نئے نظام کی پوری طرح مناسب ہوتی ہے۔ جب سوسائٹی اس نئی تہذیب میں پرورش پانے کی عادی ہو جاتی ہے تو اسے نئے نظام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر فقط حکومت میں تبدیلی پیدا کی جائے اور تہذیب پہلی ہی قائم رکھی جائے تو چند دنوں کے بعد ویسی ہی رجعت پسند جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت رجعت پسندی کا دور ختم کرنے کے لئے عموماً نیا مرکزی شہر بساتی ہے جس میں نئی تہذیب منظّم کی جاتی ہے۔

اسلام کی سیاسی قوت فتح مکہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور مکہ حجاز کا پرانا مرکز تھا۔ نئی تہذیب کے لئے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے واسطے مدینہ طیبہ میں رہنا آسان کر دیا۔ مدینہ منورہ کی حالت شروع میں شہر کی نہ تھی۔ وہ چند بستیوں کا مجموعہ تھا۔ جن میں نصاریٰ و یہود کے قبیلے بستے تھے۔ انہی میں بنی نجار کی بستی تھی جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مسجد بنائی۔ اور اس مسجد اور بستی کو نئی تہذیب کا منبع بنایا۔

سورہ حجرات کے ساتھ ربط :

اس نئی سوسائٹی کی تہذیب جن قاعدوں پر چلے گی ان کا ذکرہ سورۂ حجرات میں آتا ہے۔

سورۃ المجادلہ
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

یہ سورۃ، حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت ثابت کرتی ہے۔ یہ عقلی طور پر طے ہو چکا ہے کہ کوئی انقلاب، پارٹی ڈکٹیٹر شپ (Party Dictator Ship) کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم جو انقلاب لانا چاہتا ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ کتاب الٰہی کی حکومت تمام قوانین پر غالب ہو جائے۔ اس مضمون کو پورا کرنے والی جماعت حزب اللہ کہلائے گی۔ یہ سورت حزب اللہ کی ضرورت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتی ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں :

(۱) مکے کے مشرکین اور (۲) منافقین مدینہ

خلافت باطنہ :

مسلمان، مشرکین مکہ پر ایک حد تک بدر میں فتح پا چکے ہیں، مکہ معظّمہ میں حزب اللہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی اور ایک لحاظ سے مخفی جماعت کو منظّم کر لیا گیا تھا، تو اطراف مکہ معظّمہ میں اسلام پھیلایا گیا۔ یہ لوگ اسلام لانے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ سمجھتے کہ قرآن حکیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ماننی چاہئے۔ اس طرح قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے والی جماعت منظّم ہو گئی، مگر شروع شروع میں اس کی تنظیم مخفی تھی۔ اس لئے لوگوں کو اب تک عام طور پر علم نہیں ہے کہ مکہ معظّمہ ہی میں حکومت پیدا ہو چکی تھی، اس لئے شاہ ولی اللہ اسے خلافت باطنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ (فیوض الحرمین و تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۱۳)

اس جماعت کے نظام سے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (۹ : ۱۰۰) خوب واقف تھے۔

"حزب اللہ" کی ضرورت

دوسری جماعت جس سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا، وہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے طرفدار منافقین تھے۔ وہ مخفی چالیں چلتے، مگر بظاہر اسلام کا دعویٰ بھی کرتے جاتے۔ اندیشہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کے خاص لوگ ان غلط کاروں

کی تدابیر کے رد کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے، اسلام میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ پس ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت تھی جو قباحتوں اور شرارتوں کا سد باب کرتی رہے۔ اس جماعت کا نام حزب اللہ رکھا گیا۔ سورۃ مجادلہ میں اسی جماعت کی تشکیل کا اعلان کیا گیا ہے اور اس کی ضرورت سمجھائی گئی ہے۔ اب قرآن حکیم کی خدمت کرنے والی جماعت کا نظام مکمل ہو گیا۔ اگر کوئی لڑے یا کوئی پروپیگنڈا کرے، یہ اس کے خلاف لڑائی اور پروپیگنڈہ کرے گی۔

ایک اسلوب نزول:

قرآن حکیم کے نزول کا عام اسلوب یہ رہا ہے کہ عام عرب کی ذہنیت میں حکمت کا کوئی اعلیٰ مسئلہ مرتکز کرنے کے لئے اس امر کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے، جو اس مقصد سے کسی قدر قرب رکھتا ہو۔ اس واقعہ سے لوگ متاثر ہو جائیں تو ذہن عامہ کو اس توجہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے قرآن ایک اعلیٰ اصول سمجھا دیتا ہے۔ اور عوام کو اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ترتیب نزول و کتابت:

نزول قرآن میں جس قسم کی تقدیم و تاخیر منقول ہے، کتابی صورت میں وہ ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اس لئے کہ نزول کے وقت عوام کی ذھنی حالت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ وہ جلدی سمجھ جائیں، مگر واقعات کی ترتیب ایسی نہیں ہو سکتی کہ ان کے مطابق ایک کتاب مرتب ہو سکے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ جب نازل شدہ آیتیں کتابی صورت میں لائی جائیں گی، تو جو لحاظ مخاطبین اولین کی ذہنیتوں کا پہلے رکھا گیا تھا اب وہ ملحوظ نہ رکھا جائے گا۔ اس لئے اب ان کو ایسے ابواب و سورتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جس کا سلسلہ نیا فکر پیدا کرنے کے لئے مفید ہو، اس میں گہرا فکر کرنے والے پیش نظر رکھے جائیں گے۔ پس سورتوں کی کتابی ترتیب کا، نزولی ترتیب سے مختلف ہونا ضروری ہے۔

ایک بڑھیا (خولہؓ) کو اس کا خاوند (اوس بن ثابتؓ) ایسے لفظوں میں طلاق دے دیتا ہے کہ اب وہ کسی حالت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ وہ بڑھیا بال بچے لے کر کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟ رجوع نہ کرنا جاہلیت کی پرانی رسم تھی، یعنی کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ "انت علی کظھر امی" (اسے اصطلاح میں "اظہار" کہتے ہیں) تو جاہلی خیال کے مطابق وہ عورت کسی شکل میں بھی مرد کے گھر نہیں رہ سکتی تھی۔

جس عورت پر مصیبت کا یہ پہاڑ ٹوٹا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر آتی ہے اور علیحدہ بیٹھ کر اپنی مصیبت کا

اظہار کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ، "بتایئے میں کہاں جاؤں اور بچوں کو کس طرح پالوں!۔ رسول اللہ ﷺ اسے کوئی خلاصی کا طریقہ نہیں بتاتے اور فرماتے ہیں کہ اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ قانون یہی ہے، مگر بڑھیا ہے کہ برابر بپتا کہے جاتی ہے اور دم نہیں لیتی۔ وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ خدا کے لئے بتایئے اب میں کیا کروں؟

بڑھیا کی فریاد کا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پیش آیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں پاس ہی بیٹھی تھی، مگر وہ خاتون اتنی دبی زبان میں باتیں کرتی تھی کہ میں اس کی بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ اس پر اسی سورۃ مجادلہ کی آیات نمبر ۱ تا ۴ نازل ہوئیں، جن میں حکم دیا گیا کہ ظہار کے کفارے کے بعد عورت اپنے شوہر کے گھر بس سکتی ہے۔

اسلوب قرآن :

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ اجتماعی سیاسی امور کے سمجھانے کے لئے گھریلو واقعات کو عنوان بناتا ہے، کیونکہ عرب اپنے گھر پر حاوی تھے۔ اگر ملک کو ایک بڑا گھرانا فرض کر لیا جائے، تو جو اصول تدبیر منزل میں کام دیتے ہیں، وہی تدبیر ملک میں کام دے سکتے ہیں۔

یہ ایک مخصوص واقعہ ہے عام طور پر اس قسم کے حادثات پے در پے نہیں ہوا کرتے۔ اس حادثے کے واقع ہونے پر قرآن حکیم نے عرب کے ایک مسلم قانون میں مناسب ترمیم کر دی، اس قسم کی جتنی ترمیمیں قرآن حکیم میں نازل ہوتی ہیں، وہ سب ایسے وقتوں میں نازل ہوئی ہیں۔

جب لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے لئے ایک آسانی کر دی گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ حکم کے نزول کا سبب خفی ہی بن سکتا ہے، گویہ قوم کے ذہن میں جلی ہو کر نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس قسم کی مشقت کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے اور ترمیم کو سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حکم نے سوسائٹی کے لئے کتنی سہولت کر دی ہے۔ یہاں سے انتقال ذھنی کیا جاتا ہے اسے عربی فن شعر میں "راعۃ الاستہلال" کہتے ہیں، یعنی ایک غیر متعلقہ چیز کہہ کر شاعر لوگوں کی توجہ نہایت لطیف انداز سے ایک اور مضمون کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں سننے والوں کو بڑا لطف آتا ہے، عرب ذہنیت اس طرح کے تکلم سے بخوبی آشنا تھی۔

واقعہ ظہار اور قیام "حزب اللہ" میں ربط :

سیاست اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور عرب شعوب و قبائل میں متفرق ہیں۔ ایک قبیلے کی اجتماعیت اپنے ہی اندر

محصور ہے۔ بین القبائل کوئی اجتماعیت نہیں ہے۔ جو جماعت اس قسم کی محدود اجتماعیت رکھتی ہے، وہ رفتہ رفتہ تفرقہ اور انفرادیت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ہر گھر دوسرے گھر سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مصالح میں منہمک ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ منزل آتی ہے کہ خود اس گھر کے اندر کی اجتماعیت میں تفرق وتشتت پیدا ہونے لگتا ہے اور افراد خانہ میں انفرادیت آجاتی ہے۔ اس طرح فطرت انسانیہ جو اجتماعیت پر پیدا کی گی ہے خراب ہو جاتی ہے۔ عرب میں رسم ظہار کے ذریعے مرد اپنی بیوی سے کنارہ کشی کرلیتا تھا، پھر ایک ایسی ہی رسم "ایلاء" تھی اور تیسری رسم 'طلاق' تھی ان کے ذریعے سے اجتماعیت خانگی کو توڑا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے ان تخریبی رسوم کو یا تو بلکل منسوخ کردیا یا نہایت محدود کردیا اور ایسی شرطوں سے مشروط کردیا، جن سے ان کی مضرت محدود ہو گئی۔ چنانچہ اس سورت میں جو مجادلہ اور شکوہ مذکور ہے اس سے مقصود اس تخریبی حالت کی اصلاح ہے۔ وہ عورت رسم ظہار کی مضرت محسوس کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ وہ ان سینکڑوں عورتوں میں سے ہے جن کو یہ مصیبت پیش آچکی ہے یا آسکتی ہے۔ خود حضرت محمد ﷺ بھی اس کی مضرت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے جس سے اجتماع ملی کو نفع پہنچے اور یہ رسم ختم ہو جائے۔ اس احساس کے جواب میں سورۃ مجادلہ کی آیات نمبر ۱ تا ۴ نازل ہوئیں۔ اس طرح اجتماعیت قومی میں ایک خرابی موجود ہے کہ عرب لوگ ایک غیر عرب قوم کے ایماء پر ایک ترقی کن جماعت (مسلم) میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اجتماعیت خانگی کی خرابی دور کرنے کے ساتھ اجتماعیت قومیہ کی اس دشمن طاقت کا بھی استیصال کر دیا جائے۔

چنانچہ آیت نمبر ۴ کے آخری الفاظ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور آیت نمبر ۵

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ ۝۵

ان دونوں چیزوں کی مشابہت پر دال ہیں۔ آیت ۴ کے آخر میں 'عذاب الیم' ہے۔ آیت نمبر ۵ کے آخر میں عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ہے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتماعیت ملیہ کو برباد کرتے ہیں وہ عذاب الیم کے مستحق ہیں اور جو لوگ اجتماعیت ملیہ کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کے سزاوار ہیں۔ اول الذکر لوگوں کے لئے حزب اللہ کا قیام و قوام ضروری قرار دیا گیا۔ آگے چل کر حزب اللہ کی تفصیل اور حزب الشیطان کے ساتھ مقابلہ بیان کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

تفسیر سورۃ المجادلہ

آیت نمبر (۱) : قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

(بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت پیش کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا یقیناً اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔)

ایک غلط رسم کی اصلاح

آیت نمبر (۲) : اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

(تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، تو وہ ان کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا۔ ان کا اپنی بیویوں کو ماں کہہ دینا بری بات اور جھوٹ ہے، مگر اللہ اس قسم کی لغو حرکت کو معاف کر سکتا ہے اور بخش سکتا ہے۔)

آیت نمبر (۳) وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

(جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں، اس سے پیشتر کہ وہ اپنی بیویوں کو چھوئیں۔ تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے ورنہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔)

یعنی اگر تم اس قانون کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کو دھوکہ نہ دے سکو گے اور وہ تم کو اس کی ضرور سزا دے گا۔

آیت نمبر (۴) فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④

(جس شخص کے پاس آزاد کرنے کے لئے غلام نہ ہو تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے اس سے پہلے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوئے۔ اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ قانون اس لئے بنایا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان قائم رہے اور رسول (ﷺ) پر بھی ایمان قائم رہے۔ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ ان حدود کی پابندی قبول کرنے سے انکار کریں گے، وہ دردناک عذاب پائیں گے۔)

اب یہاں سے آگے "حزب اللہ" کی تشکیل کی ضرورت بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر (۵) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ ⑤

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے، جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقینا ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے ان کو بے عزتی کا عذاب چکھایا جائے گا۔)

منافقین کی شکست

مذکورہ آیت نمبر ۵ میں "الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ" سے مراد منافقین ہیں۔ "كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہیں بدر میں شکست اور ذلت نصیب ہو چکی ہے۔

"قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ" یعنی: (ہم نے یہ اٰیات واضح نازل کی ہیں) اس دوسری جماعت (منافقین مدینہ) کو ذلیل کرنے کے لئے یعنی تمہاری جماعت کے اندر جو رخنہ پیدا ہو سکتا ہے، اس کا سد باب کرنے کے لئے ہم نے واضح اور صاف اصول بیان کر دیئے ہیں کہ تم یوں اپنی جماعت منظّم کر لو۔ "وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" اس پارٹی کا نیا نظام منظّم ہو جانے کے بعد یہ منافقین منہ نہ دکھا سکیں گے۔

آیت نمبر (٦) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۧ ⑥

"یہ لوگ اللہ کے سامنے اکٹھے کئے جائیں گے تو ان کا جماعتی حساب ہو گا (فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا) اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مخفی اعمال بتائے گا۔ (اَحْصٰىهُ اللّٰهُ) اللہ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے۔

(وَنَسُوْهُ ۭ) حالانکہ وہ بھولے ہوئے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز منافقین کو ان کے اعمال بتائے گا، اللہ چاہتا ہے کہ مومن بھی کوشش کر کے ان کو بتائیں اور جس طرح یہ خفیہ خفیہ کام کرتے ہیں، مومن بھی ان کے کام پر تنقید کر کے ان کو یہیں دنیا میں بتادیں۔ (یہ ہمارا استنباط ہے) اس سے حزب اللہ کے منظّم ہونے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

مسلم خفیہ جماعت

آیت نمبر (۷) : اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے؟ جب تین آدمی آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو چوتھا خدا ہوتا ہے اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے، اگر ان سے کم یا زیادہ ہوں تو بھی وہ جہاں کہیں ہوں، وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، وہ قیامت کے روز ان کے اعمال انہیں بتائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔)

چھوٹی سے چھوٹی جماعت تین یا پانچ آدمیوں کی بنائی جاسکتی ہے اور اگر اتنے بھی میسر نہ ہوں تو ان سے کم بھی بنائی جاسکتی ہے۔ غرض جتنے آدمی ملیں کام شروع کر دینا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حزب الشیطان کام کر رہی ہے اس کے مقابلے میں حزب اللہ بھی اپنا کام شروع کرے۔

حزب الشیطان کے اصول

آیت نمبر (۸) : اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو خفیہ مشورہ بازی سے روکا گیا، مگر وہ وہی کام کرتے ہیں، جن سے ان کو روکا گیا اور گناہ، سرکشی اور رسول (ﷺ) کی نافرمانی کے لئے مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن سے اللہ تجھے سلام نہیں کرتا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں کرتا؟ ان کے لئے جہنم کافی ہے وہ اس میں پڑیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔)

یعنی، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو بعض ذو معنی فقرے استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوتی تو اللہ ہم پر عذاب کرتا، اس طرح وہ اپنی خفیہ جماعت کے کارنامے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

اس آیت میں حزب الشیطان کے کام بیان کئے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے کہ جن باتوں کے لئے خفیہ سوسائٹی بنانا ممنوع ہے، وہ یہ ہیں (۱) اثم (گناہ)، (۲) عدوان (سرکشی)، (۳) معصیت الرسول (رسول (ﷺ) کی نافرمانی) آگے آیت نمبر ۹ تا ۱۱ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کس قسم کی خفیہ سوسائٹی بنائیں، نیز اس کے قوائد بھی بتائے گئے ہیں۔

حزب اللہ کے بنیادی اصول

آیت نمبر (۹) : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹

("اے مسلمانو! تم جب آپس میں مشورے کرو تو اثم، عدوان اور معصیت الرسول کے لئے مشورے نہ کرو، بلکہ نیکی (بر)، اور انصاف (تقویٰ) پھیلانے کے لئے مشورے کرو۔ اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف اٹھاکر لوٹائے جاؤ گے۔)

مسلمانوں کو جس قسم کی جماعت بنانے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مقصد متعین کرلینا چاہئے یعنی بِر (اخلاقی قانون) اور تقویٰ (انصاف) کے قیام کے لئے۔

قانون کے بعض حصے اخلاقی ہوتے ہیں، یہ قانون کی روح ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جس کے چلانے میں حکومت قوت بھی استعمال کرسکتی ہے، اسے تقویٰ بھی کہا گیا ہے۔ پس وہ جماعت قانون کی شکل (تقویٰ) اور روح (بِر) دونوں کو قائم رکھنے کے لئے ہو، نہ کہ اثم، عدوان اور معصیت الرسول کے لئے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ یعنی اپنی سوسائٹی کا اصل حاکم اللہ ہی کو سمجھو وہ غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے۔ جب مسلمان اس قسم کی سوسائٹی بنالیں گے تو ان کا ڈر جاتا رہے گا۔

حزب اللہ کا فائدہ

آیت نمبر (۱۰) : اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

(شیطانی مشورہ بازی مسلمانوں کو غم میں ڈالتی ہے، مگر یہ ان کو اللہ کے حکم کے بغیر ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مومن صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔)

منافقین نے خفیہ جماعت بناکر مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا شروع کر رکھا ہے کہ ہمارا تعلق یہودیوں کے ساتھ ہے، جن کے آگے قیصر روم کے ساتھ تعلقات ہیں، اس لئے ہم اور یہودی قیصر کی طاقت استعمال کر کے مسلمانوں کو برباد کردیں گے، لیکن اسے معمولی چیز سمجھنا چاہئے اور جب ان کے پروپیگنڈے کا استیصال کرنے والی حزب اللہ قائم ہو جائے گی، تو اس حزب الشیطان کا ضرر ختم ہو جائے گا۔ جیسے ایک چیز سے بیماری پیدا ہوتی ہے تو اللہ نے اس کا علاج پیدا کر دیا ہے وہ علاج کرنا چاہئے، اس سے فائدہ ہوگا۔ ایسے ہی سوسائٹی میں حزب الشیطان کا دنبل پیدا ہوگیا ہے۔ یہ حزب الشیطان ضرر پہنچانے کے لحاظ سے اصل چیز نہیں ہے، بلکہ نفع و ضرر اصل میں اللہ کے دست قدرت میں ہے، حزب الشیطان کا پیدا ہوجانا حزب اللہ کے قیام کا معمولی سبب ہے پس مسلمانوں کو اللہ کے بھروسے پر کام

کرنا چاہئے اور اسلامی سوسائٹی کو ان بادشاہوں کے پراپیگنڈے کے اثرات سے محفوظ و مطمئن کرنے کے لئے ایک جماعت بنالینی چاہئے۔ جیسے عام مضر اسباب کا توڑ سوچنے کے لئے انسان اللہ پر بھروسہ کرکے کام کرتا ہے، ویسے ہی اس صورت میں بھی کرنا چاہئے۔

خفیہ تنظیم :

آیت نمبر (۱۱) : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں کھلے کھلے بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جاؤ! اللہ تمہیں پھیلا دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جاؤ! تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔)

اس آیت میں خفیہ سوسائٹی کے اندرونی نظام پر بحث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں ایک شخص حکم دینے والا ہونا چاہئے، تم اس کے حکم کے مطابق بیٹھو اور اس کے حکم سے جلسہ برخاست کرو۔ وہ "صدر" کون ہوگا؟؟ وہ شخص ہوگا جسے ایمان اور علم زیادہ دیا گیا ہو پس ایسے شخص کو "صدر" بنالو اور اس کے حکم کے مطابق جلسہ کیا کرو۔

جس طرح ایک عورت نے اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلیا تم بھی اسی اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کرلو۔

آیت نمبر (۱۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول اللہ سے مشورے کا ارادہ کرو تو تم اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو یہ تمہارے لئے اچھی اور زیادہ پاک بات ہے، اگر صدقہ دینے کے لئے نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس مالی قربانی کی شرط سے اکثر منافقین جھڑ جائیں گے۔ پھر باقی، ایمان اور علم کی شرط کے ماتحت رک جائیں گے۔ اس طرح سوسائٹی کا اندرونی نظام منافقین سے پاک ہو جائے گا۔ اس جماعت کے فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔

آیت نمبر (۱۳) : ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

(کیا تمہیں خوف ہوا اس چیز کا کہ اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقات دو؟ تو جب تم نے یہ نہ کیا درآں حالیکہ اللہ تمہیں معاف کرچکا ہے، تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔

اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے)

یعنی جو شخص صدقہ نہ دے سکے یہ نہیں کہ وہ اس وجہ سے اپنا حق رکنیت ہی کھو بیٹھے گا، بلکہ وہ اپنا استحقاق اپنے علم و عمل سے پیدا کر سکتا ہے، یعنی اس مجلس کے مقاصد پر عمل پیرا ہو کر دکھائے اور لوگوں کو خیرات اور اطاعت رسول پر جمع کرے!

ان میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے دونوں محکم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس جماعت کا مالی نظام الگ ہونا چاہئے۔ اور انہی لوگوں کی کمائی میں سے اس کے فنڈ کی بنیاد پڑنی چاہئے۔ اگر کسی کے پاس روپیہ نہ ہو تو اس کے ایمان اور عمل صالح کی بناء پر اسے ممبر بنایا جاسکتا ہے۔ یہاں حزب اللہ کی تشکیل اور اندرونی نظام کے متعلق ہدایات پوری ہو گئیں۔ اس کے بعد آیت نمبر ۱۴ تا ۲۰ حزب الشیطان یعنی مسلمانوں کے مخالف کام کرنے والی جماعت کی تصریح آتی ہے۔

آیت نمبر (۱۴) : اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

(کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے اس قوم سے رشتہ الفت استوار کیا ہے جو اللہ کی مغضوب علیہ ہے؟ وہ لوگ نہ تم میں سے ہیں، نہ ان میں سے۔ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ اس چیز کو بھی جانتے ہیں۔)

'الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا سے مراد منافقین ہیں "قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" سے مراد یہود ہیں۔

جب قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں غالب ہوگا تو منافقین یہ باتیں سن کر یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں جو یہ باتیں قیصر تک پہنچا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال پورا ہونے سے پہلے قیصر کی طاقت عرب کو ہڑپ کرلے۔ یہودی نہ مسلمانوں کے دوست ہیں (مَّا هُمْ مِّنْكُمْ)، کہ ان کے فائدے کی بات کریں گے۔ نہ منافقوں کے دوست ہیں (وَ لَا مِنْهُمْ)، کہ عرب کی ترقی کی حمایت کریں گے۔ وہ جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت نمبر (۱۵) اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

(اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ نہایت ہی برا ہے)

یعنی ان منافقین اور یہود کو عنقریب نہایت دردناک سزائیں ملیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

آیت نمبر (۱۶) : اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

(ان لوگوں نے قسموں کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے اور اس طرح وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک لیتے ہیں، ان کے لئے بے عزت کرنے والا عذاب ہے۔)

آیت نمبر (۱۷) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

(ان کے اموال اور اولاد ان کے کسی کام نہ آئیں گے، اللہ کے مقابلے میں۔ یہ لوگ آگ کے مستحق ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

منافقین اور یہود سے سلوک

یہ لوگ مسلمانوں میں شامل ہو کر قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر سگالی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ حزب اللہ جب مضبوط ہو جائے تو ان کو ذلت آمیز شکست دے کر نکال باہر کرے گی۔

اس وقت ان کے اموال اور اولاد جن کے بھروسے پر وہ اس قسم کی کارروائیاں کر رہے تھے کسی کام نہ آئیں گے اور موت کے بعد اپنے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر (۱۸) : يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

(جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا یہ اس کے سامنے بھی اس طرح قسمیں کھائیں گے، جیسے اب تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بات بن جاتی ہے۔ خبردار! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔)

یعنی یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم کر لیتے ہیں اللہ کے سامنے بھی اپنا صدق ثابت کریں گے۔ لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ اس دن سے پہلے ہی اللہ مسلمانوں کے سامنے ان کے جھوٹے وقار کا بھانڈہ پھوڑ دے گا اور وہ یوں کہ حزب اللہ ان کا پردہ فاش کر دے گا۔

منافقین اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مذہبی کام کچھ نہ کرتے تھے اس پر بھی گمان کرتے تھے کہ ' اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ' یعنی ہم ایمان پر ہیں یعنی ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں اس لئے وعدہ انعام یعنی فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے اور آخرت میں بھی ہمیں بلند درجات نصیب ہوں گے مگر وہ اسلام کی خاطر جانی اور مالی قربانی نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے :

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (النساء۔۸۴)

ترجمہ : ((اے پیغمبر!) راہ حق میں لڑیئے! آپ اپنی ذات کے ہی مکلّف ہیں اور مسلمانوں کو آمادہ قتال کیجئے،)

تو وہ پیغمبر کہتا ہے "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ" (فرمانبرداروں میں سب سے) مگر یہ منافق اس کے خلاف کرتے ہیں۔

آیت نمبر (۱۹) : اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(ان پر شیطان چھا گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی بھیجی ہوئی یاد دہانی بھلا دی ہے۔ یہ حزب الشیطان ہے اور خبردار! یہ حزب الشیطان ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہے۔)

شکست کی مکرر پیش گوئی

یعنی شیطان نے ان کو تورات بھلادی ہے اور ان کی کوششیں صرف کھانے پینے اور دنیاوی عزت و جاہ کے حصول تک محدود رہ گئی ہیں تورات کو زندہ کرنے والا نبی آیا ہے تو یہ اس کی مخالفت کرنے لگے ہیں۔ یہ کیسے احمق ہیں! یہ حزب الشیطن ہیں یہ حزب اللہ کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

آیت نمبر (۲۰) : اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ﴿۲۰﴾

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں)۔

بھلا اس سے ذلیل تر کون ہو سکتا ہے جو اپنے دین اور اپنی قوم کی مخالفت شروع کر دے؟ پس یہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔

آیت نمبر (۲۱) : كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ﴿۲۱﴾

(اللہ نے لکھ دیا ہے کہ بلاشک و شبہ میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کرتے ہیں، یقیناً اللہ قوت و عزت دینے والا ہے۔)

اللہ کا یہ قاعدہ تمام آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے پس رسول اللہ ﷺ کا غلبہ مقدر ہے اور ان کا غلبہ گویا تمام رسولوں کا غلبہ ہے۔

آیت نمبر (۲۱) : لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۲۲﴾

(تجھے ایسے آدمی نہیں ملیں گے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی گانٹھیں!! چاہے یہ مخالفین ان کے آباء، بیٹے اور بھائی بند اور اہل قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان رقم کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ذریعے مدد دی۔ ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے پانی کے سوتے بہتے ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ حزب اللہ ہے اور یقیناً ہمیشہ حزب اللہ ہی غالب رہتا ہے۔)

"رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ" اللہ ان سے راضی ہے، اس لئے جب قرآن کی حکومت پیدا ہو گی تو وہ اس کے حاکم ہوں گے۔ "وَرَضُوْا عَنْهُ" وہ اللہ کی اس کتاب کو چھوڑ کر اور کچھ نہیں چاہتے، وہ اس پر راضی ہیں۔

"الْمُفْلِحُوْنَ" حزب اللہ ہی ہمیشہ غالب رہا ہے اور قاعدے کے مطابق اب بھی کامیاب و کامران ہو گا۔ "حِزْبُ الشَّيْطٰنِ" ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔

سورۃ الحشر
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

غزوہ بنی النضیر

یہ غزوہ ۴ھ میں غزوہ احد اور بیر معونہ کے بعد ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں بنی کلاب کے دو اشخاص کا قتل ہو گیا۔ یہ قبیلہ چونکہ بنی نضیر کا حلیف تھا (بنو نضیر یہود کے تین قبائل میں سے ایک تھا)۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ ان دونوں کی دیت (خون بہا کی رقم) سے متعلق گفتگو کرنے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضٰی سمیت کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی تھے۔ وہ لوگ بظاہر بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آپ کو ایک دیوار کے پاس بٹھا دیا۔ بعد ازیں یہ سازش تیار کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپ پر گرا کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ اس منصوبہ کی بذریعہ وحی اطلاع ملتے ہی آپ وہاں سے فوراً خاموشی سے چلے آئے، آپ کے جانے کی اطلاع پا کر صحابہ کرام بھی چلے آئے، آپ نے ان کو بنی نضیر کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے بنو نضیر کو دس دن کے اندر مضافات مدینہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس مدت کے بعد تم میں سے جو شخص علاقہ میں پایا جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ جانے پر آمادہ تھے، لیکن حزب منافقین کے سربراہ عبداللہ بن ابی نے یقین دہانی کرائی کہ اس کی جماعت کے دو ہزار ارکان امداد کے لئے تیار ہیں۔ حتیٰ کہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں قلعہ کے اندر ایک ساتھ مرنے پر بھی کمربستہ ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ کا گروپ اور بنو غطفان کا گروہ بھی اس مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لٰہذا نبوی حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بنو نضیر نے مضافات مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں آپ ﷺ نے ان پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو فوج کا عَلم دیا۔ چنانچہ بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور منافقین، بنو قریظہ اور بنو غطفان میں سے کسی نے بنو نضیر کا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر بنو نضیر نے اپنے مضافات اور قلعہ چھوڑ کر باہر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ رسول اکرم ﷺ نے اجازت دی کہ آلات حرب کے سوا اونٹ پر جس قدر

اسباب لادا جاسکے، اس کو معہ اہل و عیال لے کر علاقہ خالی کردیں۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر منتقل ہوگئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ سورہ حشر، سورۃ بنی النضیر ہے۔ (ماخوذ از، اصح السیر)

موضوع

سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ کی جس تشکیل کا ذکر آیا ہے وہ منافقین کی سازشوں کی روک تھام کے لئے ہے۔ اب اس کے ساتھ حربی قوت کا نظام بھی ملادیجئے تو یہی حزب اللہ سیاسی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی حربی حریفوں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ سورۃ الحشر میں حزب اللہ کی اس جدید توسیع کا ذکر ہے۔

حزب کا سیاسی ارتقاء

جب ایک حزب ایک خاص نظریئے پر قائم ہوجاتا ہے، وہ اندرونی مزاحمتوں کو بھی دور کرتا ہے اور بیرونی حملوں کو برداشت کرکے ان کا مقابلہ بھی کرسکتا ہے۔ اس قسم کے حزب کے مرتب ہوتے ہی اس کا اپنے مخالف نظریات کے احزاب کے ساتھ اعلان جنگ ہوجاتا ہے۔ وہ دنیا میں صرف اپنی ہستی اور اپنے ساتھیوں کی ہستی برداشت کرتا ہے، مثلاً جو حزب اس حزب کی قیادت کو تسلیم کرلے، اسے تو وہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے، مگر کسی خودمختار مخالف حزب کی ہستی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے مخالف احزاب کی مخالفت کرنا اس کا فرض ہوجاتا ہے۔ ان مخالف احزاب کے خلاف اعلان جنگ کرنا اس کی طبعی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ سیاسی احزاب کے ارتقاء کا یہ فلسفہ ہے۔

حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظّمہ میں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حزب، مکہ معظّمہ میں پیدا ہوا، وہاں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ماننے والے نہ تھے، بایں ہمہ ایک دنیا ان کے نام سے کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اس حزب کو فنا کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم ﷺ کی متابعت میں حنیفی دین کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اور کسی مخالف قوت کو نہیں مانتا تھا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ تھی۔ یہ حزب مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے اپنا نظام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے فی الحال طرح دیتا جاتا تھا۔ جس نے مخالفت کی یا ضد، اس سے ہٹ گئے یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک لڑنا جائز نہ تھا۔ بارہا ایسے مواقع آئے کہ لوگوں نے خواہش کی

کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔ مگر قرآن نے اس وقت یہی حکم دیا کہ "کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ" (۴: ۷۷) (اپنے ہاتھ روک کر رکھو) اس سے بھی واضح سند یہ ہے کہ سورۃ کافرون مکی سورت ہے اور وہ تمام دنیا کی مخالفین کے لئے الٹی میٹم ہے کہ، "تم سے صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ جو لوگ دین کے اندر، "سیاست کیسے ترقی کرتی ہے" کے سیاسی اصول پر مطالعہ نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کو اخلاقی نقطہ نگاہ سے حل کرنا چاہتے ہیں وہ محمد رسول ﷺ کی زندگی اور قرآن حکیم کی تعلیم کو منظّم طور پر کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔

حزب اللہ مدینہ منورہ میں

حزب اللہ جس کی بنیاد مکہ معظّمہ میں رکھی گئی تھی، اب اپنا مرکز بدل کر مدینہ منورہ میں جمع ہوتا ہے۔ وہ یہاں نسبتاً آزاد ہے۔ یہاں کمزور طاقتوں نے حزب اللہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ سورۃ مجادلہ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ان مخالفین کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر ان کا سد باب نہ کیا گیا تو یہ اس نئی سوسائٹی کو کھا جائیں گے۔ اس پر مسلمان سنبھلے اور منافقین ڈر گئے۔

منافقین سے مقابلہ

منافقین جس طاقت کے بل بوتے پر باتیں بناتے تھے، وہ یہود کی طاقت تھی جن کے قریے پاس ہی تھے۔ ادھر حجاز کی تمام سرمایہ داری یہود کے قبضے میں تھی۔ اور جاہلیت میں قریش بھی تاجر ہونے کی حیثیت میں سرمایہ داری سے کسی قدر اُنس پیدا کر چکے تھے۔ اس لئے یہود اور قریش ہم پیشگی کی وجہ سے آپس میں ملتے رہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے ادھر تو مدینہ میں مسلمانوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے لئے خفیہ سازشیں شروع کر دیں اور ادھر کسریٰ اور قیصر تک اپنے پیام پہنچانے شروع کر دیئے۔ اب اس سیاسی پارٹی کا جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہو ایسی حالت میں صبر سے بیٹھے رہنا جائز نہ تھا۔ اگر مخالفین حملہ نہیں کرتے تو یہ سیاسی حزب حملہ کرے گا۔ یہ ہے وہ حملہ جسے "لِاَوَّلِ الْحَشْرِ" (۵۹: ۲) کہا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ اقدامی حملہ تھا۔ اس سے پہلے جتنی جنگیں تھیں وہ سب مدافعانہ تھیں۔ بعض لوگوں نے صرف ان مدافعانہ جنگوں سے قاعدہ بنالیا کہ حزب اللہ کا کام صرف مدافعانہ جنگ کرنا ہے۔ یہ لوگ ان اقدامی جنگوں کو بھی دیکھیں جو پیغمبر ﷺ اور آپ کے خلفاء نے کیں (غزوہ بنی نضیر اس قسم کی اقدامی جنگوں کی پہلی مثال ہے)۔

کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟

مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں۔ ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحقق نا ممکن ہے، اسی طرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں۔ اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا۔

بر صغیر میں انگریزی غلبے کے بعد مسلمانوں میں دو تحریکیں چلائی گئیں۔

بعض نے قرآنی حکمت کو سمجھتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام نے کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مدافعت ہی کی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی آیت "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" (۹: ۳۳) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی صورت میں انقلابی ذہنیت والے استاد ہر طبقے میں موجود رہے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن میں قرآن اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کا انقلابی تخیل پایا گیا۔

اسلام اور جنگ :

الغرض انقلابی جماعت دیکھے گی کہ وہ مخالفوں کا مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ اقدامی حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرے گی۔ اس مسئلے کو یوں حل کیا گیا کہ حملہ کرنے میں پیش قدمی کرنا یا مدافعت پر اکتفا کرنا یہ دوسرے درجے کی چیز ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا قائد لشکر کا کام ہے۔ یہ اصولی بحث نہیں ہے۔ کمانڈر اپنی فوج کی حالت کے مطابق مدافعت ہی کو کافی سمجھے گا تو فقط مدافعت ہی کرے گا، اور اگر حملہ کرنا ضروری خیال کرے گا تو حملہ کرنے میں پیش قدمی کرے گا۔

دنیا میں مذہبی پروگرام دو طریقوں پر چل رہے ہیں۔ بعض مذاہب وہ ہیں جو لڑنا اور حملہ کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں سمجھتے جیسے بدھ دھرم والے جو اصولاً اہنسا کے قائل ہیں اور جنگ کو کسی شکل میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔

دوسرے وہ مذاہب ہیں جن کے نزدیک حسب ضرورت لڑنا جائز ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے نزدیک جنگ جائز ہے یا نہیں۔ اس معیار کے مطابق قرآن حکیم جنگ کو بالکل جائز رکھتا ہے۔ قرآن حکیم ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کا زبردست حامی ہے۔ قرآن فقط انقلابیوں کی چیز ہے جو مناسب موقع پر اپنے انقلاب کی کامیابی کے لئے لڑنا جائز سمجھتے ہیں۔

تفسیر سورۃ الحشر

۱۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

(جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔)

سورۃ مجادلہ کے ساتھ ربط

سورۃ مجادلہ میں مسلمانوں کو حزب اللہ کی تنظیم جدید کی جو دعوت دی گئی تھی اور جس کی توسیع کی طرف اس سورۃ (الحشر) میں ان کی توجہ دلائی گئی ہے، وہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمان کا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام پورے غلبے اور حکمت کے ساتھ چلا رہا ہے۔ مگر وہ مسلمانوں کو حزب اللہ کی توسیع کے ذریعے سے غلبہ (عزت) دینا چاہتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ

(وہی ہے جس نے ان کو جو اہل کتاب میں سے منکر ہیں، لشکر کے پہلے ہی اجتماع پر ان کے گھروں سے نکال دیا تم خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے پھر اللہ نے ان کو آن لیا جہاں سے انہیں خیال نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے!)

یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب

خدا کا عزیز اور حکیم ہونا یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ کے قیام کے بعد پہلے ہی اجتماع عسکری اور اقدامی حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے فضل سے یہود کو اپنے گھروں سے نکل جانا پڑا۔ مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہودی نکلیں

گے نہیں اور خود یہودی بھی اپنے قلعہ نما مکانوں میں اپنے آپ کو محفوظ اور مستحکم سمجھتے تھے۔ مگر اللہ نے مسلمانوں کی دھاک ان کے دلوں میں بٹھادی اور یہود نے خود ہی اپنے مکانوں کو گرانا شروع کر دیا اور اس تخریب .... Scorched earth policy میں وہ حکمت الٰہی کام کرتی تھی جو مسلمانوں کو عزت اور یہودیوں کو ذلت دینا چاہتی تھی۔ مسلمانوں نے بھی ان یہودیوں کو برباد کیا اور ان کے قلعوں کے توڑنے پھوڑنے میں کمی نہ کی۔
فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۝ (اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو!)

مسلمانوں کے لئے عبرت

یعنی مسلمانوں میں ایسی (سست اور ڈرپوک) جماعت کبھی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور مسلمان قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اور تورات حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ جب تورات کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو تورات سے بعید کر لیا، تو ان کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گھر بار برباد کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ وہ دنیا میں انقلابی کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں اور خدا نے انہیں کامیاب ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ اگر وہ اس انقلاب سے پیچھے ہٹیں گے تو دوسری قومیں ان سے ضرور انتقام لیں گی۔ پس ایسی حالت کبھی پیدا ہی نہ ہونے دی جائے۔

۳۔ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ۝
(اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کیلئے آگ کا عذاب ہے۔)

یہود کی جلاوطنی

تورات میں یہود کو بتایا گیا تھا کہ اگر تم نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی پر ضد کی تو تم سے حکومت چھین لی جائے گی۔ اور پھر یا تو تم جلاوطن کر دیئے جاؤ گے یا قتل کر دیئے جاؤ گے۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک کا مستحق ہونا ضروری ہے۔

بنی نضیر کو، تورات کی دو سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی۔ پس اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "اگر اللہ نے انہیں جلاوطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا"۔

اکثر تفاسیر پڑھنے والے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جلاوطنی خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھا۔ مگر ہم

یوں سمجھتے ہیں کہ تورات میں دو سزاؤں میں سے ایک کا ملنا محق ہے یعنی جلاوطنی یا قتل۔ اس لئے آیت کا ترجمہ یوں کریں گے کہ "اگر ان یہود کو تورات کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزا دینے میں جلاوطنی داخل نہ ہوتی تو قتل کردیئے جاتے، مگر چونکہ قتل کی متبادل سزا جلاوطنی بھی تھی اس لئے ان کو جلاوطنی ہی کی سزا دی گئی جو دونوں میں سے نرم سزا تھی۔" مسلمانوں کی حالت کے اس وقت یہ مناسب سزا تھی جو وہ دے سکتے تھے۔

دنیاوی عذاب

اگر یہود اپنے شقاق کے بعد مدینے میں رہتے تو ضرور قتل کردیئے جاتے.... "لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا" اب مسلمانوں کے تمکن کے بعد ان کا مدینے میں رہنا دشوار تھا۔ انقلاب کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ مخالف فکر کو برداشت نہیں کرتا جیسا کہ آپ نے فرمایا: "اخرجوا الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب" (جزیرہ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دو) سے مراد جہاد علی سبیل الوجوب ہے اور باقی عرب سدا الذریعہ ہے۔

۴۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝

(یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوئے اور جو کوئی اللہ کا مخالف ہوا تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔)

جلاوطنی کیوں؟

ان کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی بلکہ تورات کے احکام کی خلاف ورزی بھی کی۔ جو لوگ خدا کے احکام کی نافرمانی کریں ان کو خدا تعالیٰ سخت سزا دیا کرتا ہے۔

۵۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝

(جو کھجور کا درخت تم نے کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا تو وہ اللہ کے حکم سے ہے اور اس لئے کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔)

میدان جنگ میں صحیح فیصلہ

مسلمانوں نے یہودیوں کے بعض درخت کاٹ ڈالے اور بعض یونہی چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ کاٹنا ضروری تھا یا چھوڑنا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ دونوں ہی درست ہیں، پس میدان جنگ میں کام کرنے والے لوگ جو فیصلہ بھی کریں صحیح مانا جاتا ہے، اس پر تنقید کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ فوج

کی ایک کمپنی ایک طرف سے حملہ کرتی ہے اور دوسری دوسری طرف سے ان کے کمانڈر اپنی ہی کمپنیوں کو جو حکم دیتے ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان پر یہ بحث کرنا کہ فلاں نے درست حکم دیا اور فلاں نے غلط، یہ اصول جنگ کے خلاف ہے۔ یہ ترجمہ ہے "فَبِاِذْنِ اللّٰهِ" کا یعنی جنگ کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کو دیا ہے یہ اس کے اندر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ نے کاٹنے کا حکم دیا اور کسی کو نہ کاٹنے کا۔ اللہ حزب اللہ کے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے کام کو اللہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

۶۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(اور جو مال اللہ نے اپنے رسول پر ان (کفار) سے لوٹا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔)

الحشر کا اصل موضوع

یہ آیات نمبر ۶ تا ۱۰ اس سورۃ (الحشر) کا مبحث اصلی ہیں۔ سورہ مجادلہ میں صحیح اصول عقلی اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر حزب اللہ کے قیام کی توضیح کی گئی تھی، مگر ایسی جماعت اموال و اقتصادیات کے اشتراک کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں حزب اللہ کے فنڈ کی تشریح کی گئی ہے۔ یہود جب خارج البلد ہوئے تو وہ تمام اٹھانے کے قابل چیزیں لے گئے اور اراضی اور چاہات (کنویں) باقی رہ گئے، یہ چونکہ لڑائی کے بغیر ہاتھ آئے تھے اس لئے ان کو "فے" کا مال قرار دیا گیا۔ ان آیات نمبر (۶ تا ۱۰) میں مال فے کی تقسیم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ مال غنیمت کی تقسیم سورہ الانفال میں کی گئی ہے اور مال فے کی تقسیم اس سورت (الحشر) میں کی گئی ہے۔

فے کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چونکہ تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر یہ مال حاصل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اس رعب میں ان مسلمانوں کا بھی کچھ اثر ہے، جو اس وقت جنگ میں شریک نہیں ہیں، اس لئے اس طرح حاصل شدہ مال فقط سپاہیوں کا حق نہیں ہوگا بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہوگا۔

فے کی اراضی کس کی ہیں؟

اپنے رسولوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ غالب کرتا ہے۔ وہ اس فتح کا معاوضہ اپنی ذات کے لئے نہیں چاہتے کہ اب یہ

زمین ہماری ملکیت ہو گئی، بلکہ اب وہ اس حزب اللہ کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس حزب اللہ نے اپنے اپنے تھوڑے تھوڑے صدقات سے مالی اساس قائم کی تھی۔ (المجادلہ: ۱۴)

اب خدا نے اپنے فضل سے زمین دے دی۔ یہ زمین اس حزب کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حزب اللہ کی ترقی کی رفتار ہے یعنی پہلے حملہ کرنا جائز ہوگا اور نیز فتوحات میں سے اجتماعی فائدہ پہنچا۔ پہلی فتوحات میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ سب سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، اب وہ اجتماعی بن گیا۔

انقلاب کی حقیقت

یہ ہے انقلابی قوت، اس کا نام لڑائی نہیں ہے، اس کا نام انقلاب ہے۔ لڑائی تو لڑائی کے اصولوں پر لڑی جائے گی اور سپاہیوں کو مال غنیمت دیا جائے گا یا تنخواہ دی جائے گی۔ مگر انقلاب میں فقط میدان جنگ میں لڑنے والا حصہ کام نہیں کرتا، بلکہ نہ لڑنے والا حصہ بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً وہ پروپیگنڈہ کر کے فوجوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ جو مخالفین کے دلوں میں رعب پڑا یہ پروپیگنڈہ کرنے والے حصے کی برکت سمجھنی چاہئے، اسی کی طرف آیت نمبر ۵ میں اشارہ ہے کہ کاٹنا اور نہ کاٹنا دونوں جائز ہیں، کیونکہ لڑنے والا حصہ فوجی ضرورت کے پیش نظر درختوں کو کاٹتا ہے۔ اور نہ لڑنے والا حصہ مستقبل کے استفادے کے پیش نظر نہیں کاٹتا۔

۷) مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ ۝

(جو مال اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے لوٹایا تو وہ اللہ کیلئے، رسول کے لئے، قرابت والوں کے لئے، یتیموں کی لئے، محتاجوں کے لئے اور مسافر کیلئے ہے۔ تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان گردش میں نہ رہے۔ اور جو تم کو رسول دے تو لے لو اور جس سے منع کرے تو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔)

مال فے کے پانچ حصے

مال فے کے مندرجہ ذیل پانچ حصے ہوں گے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ جب تک زندہ رہیں

(۲) رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ بحیثیت رسالۃ

الف (۱) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

(۲) وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ

(ب) وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ

(۳) وَالۡیَتٰمٰی

(۴) وَالۡمَسٰکِیۡنِ

(۵) وَابۡنَ السَّبِیۡلِ

اللہ کا حصہ تبرکاً ہے۔

اللہ کا حصہ تبرکاً ہے۔ گویا مال فے کسی کا ذاتی اور شخصی حق نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں اللہ ہی کا سب کچھ ہے۔ کیونکہ بادشاہی اللہ کی ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ اس لئے ملکیت بھی اللہ کی ہے۔ پس اللہ کے بندوں کو تغلب دکھانے کا کون سا موقع ہے۔

اس کے بعد مال فے کے عملی طور پر پانچ حصے کئے گئے۔

رسول اللہ کا حصہ، آپ کے بعد کس کا؟

(۱) ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا۔ خاندان نبوی اور جو ذوالقربیٰ ہوئے، وہ اس حصہ میں سے حصہ پائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا جانشین ان کے حصے کا حقدار ہے یا نہیں؟ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے اپنے آپ کو اس حصے کا حقدار مقرر نہیں کیا مگر سیدنا حضرت عثمانؓ نے حصے کا مالک قرار دیا۔

ذوی القربیٰ:

(۲) ذَوِی الۡقُرۡبٰی یعنی وہ لوگ جو امور رسالت میں شریک کار ہیں، اور وہ حضور ﷺ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ انہیں آپ ﷺ کے حصے میں سے ملے گا۔ پس ذوالقربیٰ سے مراد پیغمبر ﷺ کا سٹاف ہے۔ اصل میں رسول اللہ ﷺ کا رشتہ دار وہ ہے جو آپ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے، جتنا وہ اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (الحدیث)

پس رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کریں گے اور ان کی حاجات کی کفالت ذوی القربیٰ کی

طرح کریں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے خادمہ طلب کی تو فرمایا کہ انصار کے یتیموں کو تم سے زیادہ ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الٰہی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کر لیا جائے، جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کرتے ہیں اور انسانی عقلمند جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا، تو انبیاء کرام کی کامیابی کو ان کی پارٹی کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر ہوتے ہیں اس لئے دنیا غلطی سے رہنما کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقاء کی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منازل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۲۶ ملاحظہ ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(اللہ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے، وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر!)

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پر ربط آیات میں تحریر فرمایا: اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہو گئے ہیں، تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لٰہذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تا کہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مر جائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو، وہ جا کر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جمالے۔

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔

(الف) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (توبہ: ۸۸-۸۹)

(لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے

نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔)

(ب) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ۛ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾ (سورہ الفتح: ۲۹)

(محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔ یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے۔ مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا۔ پھر موٹی ہوگئی۔ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کسانوں کو خوش کرنے لگی۔ تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی کامیابی ان کے حزب کی کامیابی ہی ہوتی ہے، اس کے بعد اگر یہ پوچھا جائے کہ رسول ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں؟ تو بلا تامل یہی جواب دیا جائے گا کہ "اس ﷺ کی پارٹی کے ممبر" مگر ایک ایسا آدمی جس نے انبیاء کی کامیابی کا اس نقطہ نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا۔ کہے گا "رسول اللہ کے شخصی رشتہ دار!" کہا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے نسبی قربیٰ

نبی اکرم کے نسبی رشتہ دار اولاد بنی ہاشم اور پھر اولاد علیؓ اور اولاد عباسؓ ہیں۔ ان کی سیاست کا مخصوص انداز یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے طریق پر خلافت قائم کرکے آپ اس کے مرکز میں آنا چاہتے تھے، مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کے استحقاق کی ہرگز صراحت نہیں فرمائی۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں بنی ہاشم حزب مخالف کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اب انہوں نے جماعت کے ذریعے سے کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد دو حصے ہوگئے۔ (۱) بنی عباس (۲) علویین

نسبی قربی کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں :

بنی عباس نے مرکزی خلافت پر قبضہ کرلیا اور علویوں نے اطراف مملکت پر، علوی، آیت :

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ (۲۳ : ۴۲)

(کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے) . . . . میں 'ذوی القربیٰ' سے اپنی ذات مراد لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اجر یہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی حکومت قیامت تک تمام مسلمانوں کے گلے میں پڑی رہے خواہ وہ حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ کی محنت کا اجر یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء سے محبت سے پیش آنے لگیں۔)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (نساء : ۱) میں دیکھیے :

(اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کے بارے میں سے خبردار رہو، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔)

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ دعوۃ الی اللہ ہے، اللہ کے احکام کا اتباع ہے اور ان کا انصاف کے ساتھ قیام ہے۔ شریعت الٰہیہ کا دوسرا جزو اعظم جو اس سے متفرع ہوتا ہے صلہ رحمی ہے یعنی اہل حق کے حقوق بے کم وکاست ادا کئے جائیں۔ انسانی فطرت اسی پر مجبور ہے اور قرآن حکیم اس فطرت انسانی ہی کے تقاضے پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر یہ فطرت خراب ہو جائے تو انسانیت خراب ہو جاتی ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ میری رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم آپس میں صلہ رحمی کرو اور اس باب میں گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ واضح موجود نہیں ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ مودۃ ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کا اصل مفہوم

اس دعوت کی کہ لوگ اپنے اپنے اقربا کے حقوق ادا کریں، یہ حکمت تھی کہ لوگ اس پر مطمئن تھے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ پس اہل بیت اور سب مائیں اس دعوت کو سنتی تھیں کیونکہ قطع رحم سے سب سے زیادہ نقصان امہات ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی تبلیغ و سعی اصلاح کا اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ ہماری اولاد ہماری خدمت کرے تو وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہو جاتی تھیں۔ جو شخص مکہ معظمہ میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار کا مطالعہ کرے وہ اس چیز کو

نہایت ییّن پائے گا۔اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ (سبا:۴۷)

(کہہ دیجئے میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تم ہی رکھو)

پس نبی اکرم ﷺ بھی دوسرے انبیاء کی طرح امت سے کوئی مادی یا غیر مادی اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ تو ساری عمر یہی فرماتے جاتے ہیں کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللهِ ؕ (سبا:۴۷) ۵۷:۲۵، ۱۲: ۱۰۴، ۱۰: ۲۷، ۱۱: ۵۱) اور یہی سنت انبیاء ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ متقدم فی الاسلام ہونے کی وجہ سے بنو ہاشم عجمیوں سے افضل واولیٰ ہیں، بشرطیکہ ان میں شرائط خلافت پائی جائیں۔

الغرض قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کے نسبی رشتہ داروں کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس لئے ان سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو حضور ﷺ کی تحریک میں جان و مال لٹا کر شریک ہوتے ہیں۔ وہ حزب اللہ کے مندرجہ ذیل تین اجزاء ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تین قسم کے ذوی القربیٰ:

۱۔ مہاجرین۔ آیت نمبر ۸

۲۔ انصار۔ آیت نمبر ۹

۳۔ تابعین باحسان۔ آیت نمبر ۱۰

رسول اللہ ﷺ کی صحیح پوزیشن

یہ تینوں قسم کے لوگ ذوی القربیٰ کی تفسیر ہیں۔ فے میں سے جو حصہ ۱/۵ رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے وہ کافی بڑی مقدار ہے۔ یہ اس لئے دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی یعنی نسبی رشتہ دار بہت سے ہیں جن کے رسول اللہ ﷺ پر طبعی حقوق ہیں۔ ان کے مصارف اس حصے میں سے نکلیں گے۔ ذی القربیٰ کا جو ۱/۵ حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اور نسبتی رشتہ داروں کے لئے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذاتی پانچواں حصہ بھی کبھی پورا وصول نہیں کرتے بلکہ ازواج مطہرات اور قریبی رشتہ داروں کے واجبی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ رقم پھر یتامی اور مساکین کے حصے میں لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ خیال بنانا کہ رسول اللہ

ﷺ ۱/۵ حصہ اپنے ذاتی نام سے اور ۱/۵ حصہ اپنے ذوی القربیٰ کے نام سے لیتے ہیں یہ اس پرانی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے شہنشاہیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی ہاشم میں چند آدمی اس خیال کے ضرور پیدا ہوگئے تھے مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا نسلی حق جس کے بعض بنی ہاشم مدعی تھے قائم نہ ہو سکا۔ یہ اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا اشرف ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بعض بنی ہاشم کی پالیسی چل جاتی تو ساری دنیا یہی کہتی کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کا دعویٰ کر کے اپنے خاندان کے لئے چند روزہ شہنشاہی پیدا کر لی۔

حضرت ابوبکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

بعض بنی ہاشم نے بہت عقلمندی سے اپنی اس رائے کی رہنمائی کے لئے حضرت فاطمہ الزہرا کا انتخاب کیا اور انہیں میراث کا مدعی بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے اہل بیت کو نفقہ دیتے تھے میں بھی دیتا رہوں گا اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق قائم نہیں ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی عقلمندی اور استقامت نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔ بعض بنوہاشم کے اَتباع اسے اچھا نہیں سمجھتے مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ روپیہ کیوں نہیں کماتے؟

یتامیٰ کے لئے روپے کی ضرورت

(۳) الْیَتٰمٰی ۔ جو لوگ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہوں، ان کے بچوں کی کفالت اور تربیت کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا ضروری ہے۔

مساکین کے لئے روپے کی ضرورت

(۴) الْمَسٰکِیْنَ ۔ اسباب و موانع کی وجہ سے جو لوگ کامیاب نہ ہو سکیں انہیں اتنی مدد دی جائے کہ وہ اپنے پیشے اور کام کے آلات فراہم کر کے اپنا کام جاری کر سکیں۔ ایک کاریگر کے پاس اپنے کام کرنے کے اوزار نہ ہوں تو وہ ضائع ہو جائے گا اسے اس فنڈ سے روپیہ دینا جائز ہے۔ اس کے بعد وہ قوم کا ایک مفید فرد بن جائے گا۔

ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟

(۵) ابْنَ السَّبِيْلِ۔ پراپیگنڈہ جس قدر ضروری ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ پراپیگنڈہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی خوشی سے ملنے آئیں اور سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کا خرچ اس فنڈ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی سیاحت مسلمانوں کا عمومی فرض ہے۔ "يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" (۲۲:۴۶) کی بار بار تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص یہ فرض ادا کرنا چاہتا ہے اس کا نفقہ مسلمانوں کے ذمے ہے۔ قرآن حکیم میں "السَّآئِحُوْنَ" (۹:۱۱۲) کے علاوہ "سٰٓئِحٰتٍ" (۶۶:۵) کا بھی ذکر ہے کیونکہ تنظیم ملت محض مردوں ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں سے ہوتی ہے۔ سیاحت سے غیر مسلم اقوام کے مکائد (غلط چالوں) کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ اطلاعات مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ بعض اوقات ممالک غیر سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ ملت اسلامیہ میں اسے شائع کیا جائے۔ حج کی تشریح اس غرض کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (۵۹:۷) (تاکہ وہ تمہارے اغنیا ہی میں دست بدست منتقل نہ ہوتی رہے)

اسلام اور سرمایہ داری

پارٹی کا جو مرکزی خزانہ جمع ہو رہا ہے اگر اس میں یتیم، مسکین اور ابن السبیل کو بھی وہی حق دے دیا جائے جو رسول اللہ ﷺ کے متعلقین و متوسلین کو دیا جاتا ہے تو سرمایہ داری کی ظاہری صورت بھی ختم ہو جائے گی۔

سرمایہ دار لوگ اپنا تفوق جتانے کے لئے اپنی سوسائٹی علیحدہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریق بتدریج سرمایہ داری کے تغلب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب روپیہ ان کے ہاتھوں میں سے علیحدہ نہیں آتا بلکہ یتیم اور مسکین کو بھی اس میں برابر کا شریک بنا دیا گیا ہے تو سرمایہ داری بنیادی طور پر اسلام میں نہیں آئے گی۔

عادلانہ تقسیم

اس تقسیم سے فیئ کی دولت غربا اور مساکین میں بٹ جائے گی۔ جو غنائم قتال کے بعد حاصل ہوں ان کا ۴/۵ حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ لیکن فے کا کل مال فقراء میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح فقراء اور اغنیاء دونوں کے لئے آمدنی کے مستقل ابواب معین ہوں گے اور یوں حزب اللہ کا قیام تقوی پر رہا۔ یعنی منصفانہ تقسیم پر (المجادلہ: ۹)

اراضی، فے اور حقوق کاشتکاری

فے میں جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آئے گی، ان میں زمین پر کاشتکاروں کے حقوق مسلّم رہیں گے۔ اس کی صورت یوں خیال کی جاتی ہے کہ "ملک میں ایک حکومت متغلب تھی اسے اس پارٹی نے شکست دے کر زمین کی حکومت کا چارج لے لیا یہ اراضی ان کاشتکاروں کے قبضے میں سے نہیں نکالی جائے گی۔" کیونکہ وہ اس اسلامی انقلابی پارٹی سے براہ راست نہیں لڑے، وہ ایک متغلب حکومت کے ماتحت تھے۔ اس کے دباؤ سے جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ جب اس حکومت کو شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلم حکومت کو اپنے اوپر اس طرح تسلیم کرلیا جس طرح پہلی متغلب حکومت کو مانتے تھے۔ ان لوگوں کو جو زراعت پیشہ ہیں زراعتی حقوق سے محروم کرنا خطرناک غلطی ہوگی۔ پس یہ زمین اپنے کاشت کاروں سمیت اس نئی حکومت کے قبضے میں آئے گی۔ یہ گورنمنٹ کاشت کاروں سے جو حق وصول کرے گی، وہ اس پارٹی کے ارکان میں تقسیم ہوگا۔ زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ کاشت کار نااہل ثابت ہوں تو دوسرے کاشتکار ان کی جگہ لگا دیئے جائیں گے، مگر وہ ہوں گے اسی ملک کے لوگوں میں سے۔ اس طرح اسلامی انقلاب نے اپنے ماتحت ہوم رولر جماعتیں پیدا کرلیں۔ اسلامی حکومت اصل میں وحدانی حکومت نہیں جیسے ایک قوم کی ہوتی ہے بلکہ وہ ایک انٹر نیشنل حکومت ہے۔

زمین پر ملکیوں کا حق مسلّم

ہر ایک ملک کی زمین سے سب سے پہلے اہل ملک فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حق ملکیوں کے لئے مسلم رکھا گیا ہے، مگر وہ کاشتکاری کر کے ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ حکومت اس پارٹی کی ہوگی، جو ملک کو فتح کرے گی۔ ملکیوں میں سے جو لوگ اس پارٹی میں شامل ہوتے جائیں گے، وہ حکومت میں حصہ لے سکیں گے۔ اس طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ کاشتکار اسلام قبول کر کے اپنے ملک کے پورے مالک بن جائیں گے۔

اسلام کو ان لوگوں کی اصلاح پیش نظر ہے۔ ان کی اراضی پر قبضہ کر کے کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ ان کے ملک میں ایک غلط نظام حکومت کرتا تھا، اسے توڑ کر صحیح نظام پر چلنے کی آسانیاں بہم پہنچادیں۔

اراضی کی کاشت سے دو حصے حاصل ہوں گے

(۱) ایک حصہ پیداوار کا کاشتکاروں کے قبضے میں جائے گا، اس سے حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہوگا اور

کاشتکاروں سے زمین چھین کر دوسرے ملک کے کاشتکاروں کو نہیں دی جائے گی۔ جب تک وہ حکومت کا حق ادا کرتے رہیں، ان کی اراضی ان کے قبضے میں رہے گی۔ خود اس ملک کے دوسرے کاشتکاروں کو بھی ان کی اراضی چھین کر نہیں دی جائے گی۔

(۲) پیداوار کا دوسرا بڑا حصہ حکومت کے خزانے میں جائے گا۔ ہماری فقہی اصطلاح میں اس کا نام "خراج" ہے۔ اس کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ یہ کاشت کار اور حکومت کے درمیان مصالحت سے طے ہوسکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جنس میں ادا کرنا اسے "مقاسمہ" کہتے ہیں (۲) نقدی کی صورت میں ادا کرنا اسے "خراج مؤظف" کہتے ہیں۔

خراج کا مصرف

خراج سے جو آمدنی سرکاری خزانے کو ہوگی، وہ عام مسلمانوں کے فوائد میں استعمال کی جائے گی، جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کسی خاص شخص کا کوئی حق نہیں مانا جائے گا۔ یہ فقہ حنفی کے عام مسائل ہیں، جو ممالک اسلامیہ میں معمول بہ ہیں۔ جس پارٹی نے اپنا خون دے کر انقلاب برپا کیا ہے، اسے زندہ رکھنے کے لئے اسے روٹی دینا ضروری ہے، اس لئے یہ اس کا حصہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

جب عراق کی اراضی فتح ہوئیں تو وہاں کسریٰ کی حکومت متغلب تھی اور ملکی کاشتکار ہی اراضی کے مالک تھے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ زمینیں ہمیں تقسیم کردی جائیں۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت دوراندیشی سے کام لے کر مجاہدین کا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کردیا۔ ان کی رائے تھی کہ ان زمینوں کی آمدنی مسلمانوں کی فوجی قوت اور سلطنت کا نظام قائم رکھنے والی طاقت کے لئے وقف کردی جائے تاکہ انقلاب کو اور آگے بڑھا سکیں۔ مگر جن لوگوں کا تقسیم اراضی کا مطالبہ تھا وہ راضی نہ ہوتے تھے اس پر بارہ ماہ برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ کو یہ آیت (الحشر: ۷) یاد آئی، سیدنا عمرؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ چیز تو سارے مسلمانوں کی ہے، فقط مجاہدین کی نہیں ہے اس لئے تقسیم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس تشریح پر سب متفق ہوگئے۔

درس واعتبار

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں شخصی ملکیت میں نہیں دی جاسکتیں اور یہاں سرمایہ داری ذبح ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی کی رائے

یہ مسئلہ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی اساس ہے، انہوں نے "ازالۃ الخفاء" میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں حضرت عمر بن الخطاب کا جو مذہب لکھا ہے اس میں حضرت امام شافعی کی یہ رائے بتائی ہے کہ یہ زمین قابل تقسیم مانی چاہیے، یہ عربی نیشنلزم ہے۔ وہ عرب نیشن ہی کو ساری دنیا پر غالب بنانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام ممالک پر عربوں کا مستقل قبضہ ہو اور وہی ساری دنیا کے جاگیر داری کے اصول پر مالک مان لئے جائیں، اس لئے کہ انہوں نے ملک فتح کیا ہے۔ کیا یہ وہی شہنشاہی نہ ہو گی جو قیصر و کسریٰ کی تھی اور جسے برباد کرنے کے لئے قرآن آیا؟ مگر شاہ صاحب حضرت امام شافعی کے اس فکر کو نہایت عقلمندی مگر نہایت شدت سے رد کرتے ہیں اور یہاں سے ان کی قوت اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ائمہ احناف کی رائے اور شاہ ولی اللہ

اتفاق کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف امام شافعی کے موافق نہیں ہیں۔ شاہ صاحب بھی ان کی طرف داری کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنت کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی تھی۔ ہندوستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تقسیم شخصی نہیں ہوسکتی۔ مگر پچھلے بادشاہوں نے اپنی کمزوری کے سبب سے اس اصول کو توڑ دیا، اس لئے ان کی سلطنتیں برباد ہو گئیں۔

کیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟

اسلام ایک انقلاب لاتا ہے۔ اس کی انقلابی پارٹی اپنی ڈکٹیٹر شپ پیدا کرنے کے لئے لڑتی ہے۔ ہم اسے اعلانیہ قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے قانون کی اتنی بھی عزت نہیں کر سکتے کہ اس کے جبری غلبے کے حامی ہوں، تو پھر ہمارے انقلاب کی کامیابی معدم! قرآنی قانون کے ماتحت جو غلبہ حاصل ہو گا، قرآن اسے جبر قرار نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (۲:۲۵۶)، اس آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے یہ کیا ہے کہ، قَدْ

تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ کو لَآ اِکْرَاہَ کی علت بنایا ہے، یعنی چونکہ قرآنی ہدایت اس کی مخالف قوتوں کی گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے اس لئے تھوڑے سے جبر کو جبر نہیں کہنا چاہئے۔ کیا انسانوں کو تباہی کے منہ میں دے دیا جائے، اس لئے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ جبر کر رہے ہیں؟ جب غلامی، طبیعتوں میں راسخ ہو جائے تو آزادی ان کو جبراً ہی دینی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ اگر رباء (سود) کو جبراً بند کرنے کا حکم بھی ملا دیا جائے تو یہ دو حکم سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔

فلسفہ ولی اللہ اور انقلاب

اسلام کا یہ وہ انقلاب ہے جسے حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ اپنا اساس قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ انسان کی تمام ضرورتیں تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً خدا شناسی اور رشتہ داروں کے حقوق کو انسانی فطرت کے مطابق تسلیم کرتا ہے، مگر اموال میں یہ انقلاب، تمام دنیا میں عدل کو جاری کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس فلسفے کو اساس بنا کر تمام دنیا کو مسلمان بنا سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو اس تحریک کو ظاہراً اور باطناً قبول کرے گا اور باقی ہمارا دوست ہو جائے گا۔ اور پھر وہی مسلم اور ذمی کی تقسیم ہو کر اسلام آج کے زمانے میں بھی غالب آ سکتا ہے۔ (وما ذٰلك على الله بعزيز)

آیت نمبر۔۸ : لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ۝۸

((یہ مال) ان وطن چھوڑنے والے ضرورت مندوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے ہوئے آئے ہیں، اللہ کا فضل اور رضامندی ڈھونڈھتے آئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔)

آیت نمبر۹ : وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ۝۹

(اور (مال فے) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان سے پہلے اس گھر (مدینہ) اور ایمان کو ٹھکانہ بنا چکے۔ محبت کرتے ہیں ان سے جو ان کے پاس ہجرت کر آئے۔ اور اس سے اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیدی جائے۔ اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ ان پر فاقہ ہو، اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچالئے گئے تو وہی مراد پانے والے ہیں۔)

آیت نمبر ۱۰: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

(اور (مال فے) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے بیر نہ رکھ اے رب! توہی نرمی والا مہربان ہے۔)

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر

مذکورہ بالا یہ تینوں آیات ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر ہیں۔ یعنی رسالت کے قربےٰ رشتہ دار یہ لوگ ہیں۔ تیسری شق (وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ) میں قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں۔ "لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ" اور "الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ" یہ انقلاب کی مرکزی طاقت ہے۔ انہیں کسی اور جگہ "السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ" (التوبہ۔۱۰۰) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انقلاب اور اسلام کا لزوم

اگر یہ ہماری سمجھ صحیح ہے کہ قرآن حکیم ایک انقلابی پروگرام دیتا ہے تو پھر اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ مسلمان کسی زمانے میں بھی انقلاب سے غافل نہیں ہو سکتے اور قرآن کے انقلابی نظریات کو چھوڑنے والے مسلمان قرآن حکیم کے حامل نہیں کہلا سکتے، بلکہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کے پس افتادہ حصے ہی بن سکتے ہیں، مگر قرآن حکیم کی تحریک کو آگے چلانے والے لوگوں میں ان لوگوں کا ہرگز شمار نہیں ہو سکتا، جبکہ وہ قرآن کے انقلاب کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسے چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مجددین اور انقلاب

جو لوگ ہر صدی میں نیا انقلابی نظام لائیں گے، وہ اسلامی زبان میں مجددین کہلاتے ہیں۔ الف ثانی کی تجدید ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندی سے شروع ہوئی اور امام ولی اللہ نے اسے مکمل کیا۔ ہندستان کے لئے یہی ایک نظام ہے، جس میں وہ اسلام قائم رکھ سکتا ہے اور جس پر چل کر وہ اپنی حکومت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر سیاسی فکر کی کمزوری کی وجہ سے لوگوں نے امام الہند ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اگرچہ یہ لوگ شاہ صاحب کی

علمی تحقیقات کو اول درجے پر مانتے رہے، مگر وہ شاہ صاحب کے انقلابی کارناموں پر متنبہ نہیں ہوئے! اب اگر ان کو نئے سرے سے متنبہ کر دیا جائے تو یقین ہے کہ وہ فائدہ حاصل کرنے میں کوتاہ نہیں رہیں گے۔

مہاجرین کا حصہ فے میں

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ۔ یہ ذوی القربی کا حصہ ہیں۔ یہ قریش کے محتاج لوگ ہیں جنہوں نے تحریک اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا اور عسرت و فقیری قبول کی۔ جو لوگ مکہ معظّمہ چھوڑ کر آنا چاہتے تھے اہل مکہ ان کو روپیہ پیسہ ساتھ لے جانے نہیں دیتے تھے۔ مہاجرین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے خالی ہاتھ جانا منظور کیا اس سے وہ محتاج ہوگئے۔ اسلامی انقلاب کی یہ سب سے پہلی مرکزی طاقت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بحثیت رسالت ذوی القربی ہیں۔ یہاں ان کی دو صفتیں بیان کی گئیں ہیں۔

فضل اور رضوان

(۱) يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا۔ وہ اللہ کا فضل چاہتے ہیں، وہ معمولی ضرورتوں پر اکتفاء کرنے پر صبر نہیں کرتے، وہ دنیا میں (اور اس کے نتیجے کے طور پر آخرت میں بھی) بلند مرتبے پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں، یعنی اللہ کا قانون دنیا میں نافذ کرنے پر مُصِر ہیں۔ اگر وہ اپنے وطن میں اس قانون کو حاکم نہیں بنا سکتے تو ایسی جگہ کو چلے جاتے ہیں، جہاں بیٹھ کر وہ یہ کام کر سکتے ہیں، مگر رضا ان کی اس میں ہے کہ قانون الٰہی دنیا میں سر بلند ہو۔

نصرت

وَّ يَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ۔ وہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے قانون کی نصرت کو اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ۔ یہ سچے لوگ ہیں۔ یہ اپنے ایمان کے مطابق کام کر کے دکھاتے ہیں اس لئے سچے ہیں۔ ایمان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے عمل میں لا کر دکھایا جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے واسطے نمونہ ہیں۔
وَ الَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الۡاِيۡمَانَ ۔ (وہ لوگ جنہوں نے گھر بنالیا دارالاسلام میں اور گھر بنالیا ایمان میں)

دارالاسلام مدینہ منورہ

تَبَوَّؤُا الدَّارَ۔ اللہ کے ہاں مدینہ دارالاسلام تھا۔ اس میں یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں کا مرکز بن کر کام کرے۔ وہ اس زمین پر گھر بنا کر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں (مہاجرین) کو دعوت دی کہ آ جاؤ۔

محبت مہاجرین کا نتیجہ

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ۔ جو لوگ اسلامی مرکز کے لئے ان کے ہاں آتے ہیں، وہ ان سے محبت کرتے ہیں، ان کو اپنے اموال واملاک میں شریک بناتے ہیں۔

سرمایہ پرستی سے نفرت

وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ۔ ان لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی حاجت نہیں پاتے۔ یعنی روپے پیسے کو اپنی حاجت کے لئے خزانہ بنا کر نہیں رکھتے۔ یہ ہے اصل میں سرمایہ پرستی کی پوری ضد۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ

اگرچہ خود بھوک میں مبتلا ہوں مگر پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ۝۹

اور کلیہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ مال و دولت کے طمع سے اپنے نفسوں کو پاک کرلیں، وہ اپنی علمی وایمانی تحریکوں کو کامیاب بنالیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک صحیح تحریک محض اس لئے ناکام ہو جاتی ہے کہ اس کے کارکن مال و دولت کو اس تحریک سے زیادہ محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ مرکزی کمیٹی کا دوسرا حصہ تھا۔ قریش کے سوا جتنی قومیں اسلام کی خدمت میں پہلے دن شریک ہوئیں، وہ سب انصار میں شامل ہیں اور مدینہ طیبہ کے لوگ ان کا مرکز ہیں۔

انصار اور مہاجرین کا درجہ

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ ۔ قرآن اور سنت کا علم جب مخاصمات و مقاتلات سے مجرد کر کے دیکھا جائے، ایمان کہلاتا ہے۔ لیکن اس میں مخاصمات اور مقاتلات کی نفی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس علم کا استقرار و تمکن مقصود اصلی ہے، چاہے اس کے لئے مقاتلہ کرنا پڑے یا مقاتلے کا انتظار کرنا پڑے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص قتل کرنا چاہتا ہے مصلحت وقتی کے لحاظ سے چند دن ترک قتال پر صبر نہیں کرسکتا، وہ لزوم قتال کے وقت صبر کے ساتھ لڑ بھی نہیں سکے گا۔ اصل میں مسلمان کے اندر "وَ يَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ" (۹ : ۱۱۱) دونوں کا عزم بالجزم ہونا ضروری ہے، اس کے تمام اعمال اسی عزم بالجزم کے اندر ہوں۔ انصار کا وطن قبل ہجرت ہی علم القرآن کا مرکز بن چکا تھا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک شخص (مصعب بن عمیر) کو وہاں تعلیم اسلام کے لئے بھیج چکے تھے۔ ان لوگوں

نے حفاظت رسول اللہ ﷺ پر بیعت کی تو اس کے عوض فقط یہ طلب کیا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ گویا انصار نے مہاجرین کو اول درجے پر اور اپنے آپ کو دوم درجے پر رکھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا شہر مہاجرین کی مدد ہی سے مرکز اسلام بن سکتا ہے۔ مدینہ منورہ پہلے فقط علمی مرکز تھا جب مہاجرین آگئے تو وہ سیاسی اور دینی دونوں قسم کا مرکز بن گیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم مانا اور جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے مہاجرین اور انصار کے مجموعے کو اپنے پر مقدم کیا۔ اب تیسری جماعت آتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ پیدا ہوتی رہے گی۔

انصار و مہاجرین کے لئے استغفار کا مطلب

جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: "یااللہ! ہمیں اور پہلے بھائیوں کو جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی، بخش دے!" یعنی ہم سے اور ان سے جو غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرما دے۔ "الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ" یہی مہاجرین اور انصار ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ سابقین کی غلطیوں پر تنقید کرنا اپنا فرض قرار نہیں دیتے بلکہ اپنا فرض یہ قرار دیتے ہیں کہ ان کی خوبیوں میں شریک ہوں۔

جو شخص ان لوگوں کو اپنا مقتدا بنائے جو نبی نہ ہوں اور وہ شخص خود بھی صاحب رائے اور صاحب فکر ہو، اسے ان مقتداؤں کے بعض اعمال و افعال میں گنجائش مقال مل سکتی ہے۔ اس صورت میں وہ ان کے اقتداء کو تسلیم کرتا ہے، مگر ساتھ ہی ان کی ان غلطیوں کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اگر وہ ان غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرے تو پھر ان کا اقتداء نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان غلطیوں کو غلطیاں سمجھتا ہے اور ان کا ان غلطیوں میں اقتداء نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ان مقتداؤں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ (ان غلطیوں کو چھوڑ کر اور مُنہ موڑ کر) اور بہت سی باتوں میں جو قابل اقتداء ہیں، ان میں وہ ان کی تقلید کرتا ہے اس لئے وہ ان کے لئے بھی اور اپنے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے۔

انقلاب کے اجزاء ثلاثہ

انقلاب کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) نصب العین، (۲) پروگرام، (۳) مرکزی کمیٹی

(۱) اسلام کا نصب العین تو یہ ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح۔۲۸)

(۲) اسلام کا پروگرام، قرآن حکیم ہے۔

(۳) اس کی مرکزی کمیٹی "السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ" (التوبہ۔۱۰۰) کی ہے جو رسول اللہ کے مشیر اور معتمدین تھے اور بعد میں ان کی جگہ جو کمیٹی کام کرے گی "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" اس کے لئے انہی کا طرز عمل، انقلاب میں قابل اقتداء ہوگا۔

انقلاب میں دھوکا

لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ "ایمان والوں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ پیدا نہ ہونے لگے۔" ہم ان کو دھوکا نہ دیں کہ نام تو لیں قرآنی انقلاب کا اور جمع کرنے لگیں سرمایہ اور قوموں پر حاصل کریں تغلب جو ان سابقین بالایمان نے نہیں کیا۔ سرمایہ پرستی اور ملوکیت کی شکل پیدا کرنے کے سامان اسلام کے نام سے جمع کرنا کھوٹ اور دھوکا و غل ہے۔ لوگ ہم پر اعتماد تو اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو اصلی شکل میں قائم کر کے دکھائیں گے اور ہم ان کو دھوکا دے کر اپنی شہنشاہیت قائم کرلیں۔ خدا کرے ایسا نہ ہو!!

مال فے کی تقسیم کا سبب

ان کو یہ روپیہ کیوں دیا گیا؟ یعنی ساری قوم یا ساری پارٹی میں یہ روپیہ کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟ اس کی غرض یہ ہے کہ اس پارٹی کو فکر معاش سے بے فکر کرنا مقصود ہے تاکہ وہ اپنے مخالفوں کے مقابلے کے لئے مضبوطی کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اس کے مخالفین اسلام کے خلاف جو بین الاقوامی پروگرام بناتے ہیں پارٹی ان سب کا مطالعہ کرتی رہے اور اپنی اور اپنے پروگرام کے تحفظ اور اسباب فراہم کرتی رہے اور دشمنوں کے مقابلے میں بین الاقوامی نظام پیدا کرے۔ اب یہ پارٹی دوسری قوموں کو اپنا ہم خیال بنا کر انصار کی جماعت میں شامل کرے گی اور اس سرمایہ کی مدد سے اپنا کام مستقل طور پر جاری رکھے گی۔

قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ

آیت نمبر ۱۱: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

(کیا آپ نے نہیں دیکھا ان منافقون کو جو اپنے بھائیوں اہل کتاب کے کافروں یعنی یہودیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ اور تمہارے بارے میں کسی کا حکم کبھی نہیں مانیں گے۔ اور اگر

تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہیں مدد دیں گے (اس طرح یہ مسلمانوں کے خلاف ایک بین الاقوامی محاذ پیدا کررہے ہیں) مگر اللہ اس بات کو صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (منافقین) جھوٹ بولتے ہیں۔)

منافق کون ہے؟

حزب اللہ کی تنظیم ہوجانے کے بعد وہ لوگ جو اس کے نظریات کے موافق نہیں ہیں، وہ منافق ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کو سیاسی قوت حاصل نہ ہو۔

دو پیشگوئیاں:

آیت نمبر ۱۲: لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

(اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اگر اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد میں ابھی کھڑے ہوں گے تو وقت پر پیٹھ دکھائیں گے پھر ان (منافقین) پر جو تکلیفیں آئیں گی ان پر ان (منافقین) کو کوئی مدد نہ دے گا۔)

مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت

آیت نمبر ۱۳: لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

(البتہ تمہارا خوف ان کے دلوں میں (اللہ کے خوف) سے زیادہ ہے یہ اس لئے کہ وہ نہیں سمجھتے۔۔۔)

یہ لوگ قانون کی اس وقت تک عزت نہیں کرتے جب تک انہیں کوئی دھمکانے والا نظر نہ آئے۔ یہ لوگ قرآن حکیم کی حکومت کا انتظار کرنے کی خاطر یہودیوں سے اتصال کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہارے خلاف خدا کا حکم بھی آیا تو ہم اسے بھی قبول نہ کریں گے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کے قانون کی کتنی وقعت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی ایک بہت مضبوط جماعت قرآن حکیم کی حمایت کے لئے ہر وقت تیار رہنی چاہئے جو ان لوگوں کو اس قرآنی قانون کے احترام پر مجبور کرسکے۔

آیت نمبر ۱۴: لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

(وہ سب مل کر قلعہ نما بستیوں یا دیواروں کی آڑ کے بغیر تم سے نہیں لڑ سکیں گے ان کی آپس میں لڑائی سخت ہے۔ تو انہیں اکھٹا سمجھتا ہے۔ اور ان کے دل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔)

انقلاب اور جمود کا فرق

ان کی بے سمجھی کی یہ دلیل کافی ہے کہ آپس میں بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے وہ ایک انقلابی سوسائٹی کے قانون کا اصلی طاقت میں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ انقلابی سوسائٹی کا قانون اس کے ہر ایک فرد کو ہر حرکت دے سکتا ہے اور ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قلعہ دار گاؤں یا دیوار کی آڑ کے سوا تم سے کہیں اکٹھے ہو کر لڑ بھی نہیں سکتے، ان میں آپس میں بھی سخت دشمنی ہے۔

(ہماری اس طبیعت کی بھی کبھی یہی حالت تھی ہم بھی اپنے فرقے کے سوا مسلمانوں کے کسی فرقے سے محبت نہیں رکھتے تھے۔ جب سے ہمیں انقلاب کی سمجھ آئی ہے اس روز سے ہم اپنے میں یہ وسعت پاتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے فرقے والے ہمارے ساتھ انقلاب میں شریک ہو جائیں تو ہم ان پر پورا اعتماد کر سکتے ہیں۔ ہم یہود کی اس حالت کا حل یوں کرتے ہیں کہ وہ تورات کی انقلابی روح کو بھول چکے تھے۔ اب ہم مسلمانوں میں یہ بھی بے تکلف دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جس حصے نے انقلاب بھلا دیا ہے اس کی حالت بھی اچھی نہیں رہی)

یہود کا ایک عیب

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ انہوں نے عقلی مسائل میں آزادی سے غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ جذبات اور اغراض کو سامنے رکھ کر جو عقلی قانون گھڑتے ہیں، وہ حقیقت میں عقلی قانون نہیں ہوتے۔ وہ فرضیات ہیں۔ عقلی قانون وہ ہیں جو تمام انسانی نوع کے لئے یکساں کام دیں۔

یہود کے متعلق ایک پیشنگوئی

آیت نمبر ۱۵: كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

(یہ لوگ (یہودی) اس طرح شکست کھائیں گے، جیسے ان سے پہلے عنقریب شکست کھا چکے ہیں، (یعنی قریش) اور ان کو دردناک عذاب ملے گا۔)

یہ بہت تکلیفیں اٹھائیں گے، یہ جلاوطن کر دئے جائیں گے۔ ان کو مذہبی زندگی کے بغیر سکون نصیب نہ ہوگا۔ مگر کہیں (بغیر کسی تعاون) اپنے مذہبی نام سے گھر نہ بنا سکیں گے۔ اس طرح دوگونہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔۔

منافقین کی تمثیل

آیت نمبر ۱۶: كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

((یہ منافق یہودیوں کو جو لڑنے پر اکسا رہے ہیں)، ان کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان کسی سے کہے کفر کر! اور اب وہ کفر کر گزرے تو اس سے کہے بھائی! میں تو تیرا ساتھ نہیں دے سکتا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں!)

آیت نمبر ۱۷: فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

(ان دونوں کی سزا یہ ہے کہ دونوں آتش جہنم میں جائیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے ظالموں کی سزا یہی ہے۔ ظلم کرنے والا اور ظلم میں مدد کرنے والا دونوں ایک ہی درجے کے مجرم مانے جاتے ہیں۔)

حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل

یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے مخالفت و مخاصمت، مشکلات کا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ جو کل پیش آنے والا ہے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہے، وہ کسریٰ و قیصر کا مقابلہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو محض انقلابی کام کے لئے وقف ہو جانا چاہئے۔ یہ آمدنی جس کی تقسیم اوپر (آیت نمبر ۷) بیان ہو چکی ہے، اس تیاری میں بہت مدد دے گی۔ اب دوسرے حصے پر بحث ہوتی ہے۔

بین الاقوامی سرداری

آیت نمبر ۱۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(مسلمانو! اللہ سے ڈرو، (یعنی اس کے نام سے انصاف کا قانون دنیا میں جاری کرو)، ہر ایک انسان اس امر پر غور کرتا رہے کہ اس نے کل کے لئے کیا چیز تیار کرنی ہے؟ اور اللہ سے ڈرو، (یعنی اس کے نام پر انصاف جاری کرنیکا کام زیادہ زور سے کرو)۔ اللہ تمہارے کاموں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔)

یعنی جس قدر زور دار کام ہونا چاہئے، وہ زور ابھی پیدا نہیں ہوا۔ تم انصاف کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرو، ورنہ اقوام کی سرداری تمہیں نہیں مل سکے گی۔ تمہیں اپنی قوم کی سرداری کے لئے جتنا انصاف پسند ہونا چاہئے اقوام کی سرداری کے لئے اس سے کہیں زیادہ انصاف پسندی کو ترقی دینا ضروری ہے۔

اللہ کو بھولنے کا نتیجہ

آیت نمبر ۱۹: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(تم ان لوگوں کی مثل نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔)

یعنی اللہ کے جس قانون کو مانتے تھے، اس کے (احترام پر اپنی جان و مال قربان کرنے سے جی چرانے لگے) نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے اپنے نفس بھلا دئے، یعنی اللہ نے ان کو اپنے ذاتی کمالات سے اندھا کر دیا۔ ان کے اندر جو طاقت تھی وہ معطل ہو گئی، وہ احساس کمتری (Inferiority Complex) میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، حالانکہ ان کے مخالف ان سے زیادہ قوت نہیں رکھتے۔ وہ کر سکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتے؟ مگر خدا نے ان کو پہلے جرم کی سزا میں ان سے اعتماد علی النفس چھین لیا۔

اللہ کی یاد کا فائدہ

نَسُوا اللّٰہَ۔ "کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا بھول گئے"۔ قانون شکنی کرتے کرتے قانون الٰہی کو بھلا ہی بیٹھے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ اللہ کی کتاب کی ادنیٰ برکت یہ ہے کہ وہ ایسے افکار سکھاتی ہے جن پر انسانیت مجتمع ہو سکتی ہے۔ انسان اگر کتاب اللہ کو یاد رکھے اور اس کے موافق عمل کرتا رہے تو وہ اجتماعی بن جاتا ہے۔۔ لیکن جب اسے بھلا دے تو وہ اپنی اجتماعیت بھی بھول جاتا ہے اور انفرادیت پسند (Individualist) بن کر رہ جاتا ہے، اسی حالت میں اس کی زندگی کا معیار کذب و خیانت بن جاتے ہیں۔

بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے

خدا ان کو اپنی ذاتی قوتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ وہ اجتماعی قوت سے کام کر سکتے تھے، لیکن اس کے متعلق خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اب وہ انفرادی الخیال (Individual minded) بن چکے ہیں۔ اجتماعیت کا خیال ان کی دلوں سے نکل چکا ہے، اس لئے وہ کسی اجتماعی کام کے کرنے کا اپنے اندر یقین ہی نہیں پاتے۔

انہوں نے اجتماعیت کو چھوڑا تو انفرادی الخیال ہوگئے اس کے بعد رفتہ رفتہ ان میں احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہو گیا جو انفرادیت پسندی (individualism) کا لازمی نتیجہ ہے اب ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں گزرتا کہ ہم بھی کوئی کام اجتماعی قوت سے کر سکتے ہیں۔

فاسق اور کافر میں فرق

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (یہ لوگ بدمعاش ہیں۔۔۔۔) جو لوگ قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں، وہ تو کافر ہیں اور جو قانون کو تسلیم کر کے اسے نہ چلائیں بلکہ قانون شکنی کو عادت بنالیں وہ فاسق ہیں۔ بدمعاش ہیں۔ ہاں کبھی کبھار غلطی سے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے انسان فاسق نہیں بن جاتا۔

مسلسل کام کرنیوالے اصحاب جنت ہیں

آیت نمبر۲۰: لَایَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰

(دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں، بہشت والے ہی کامیاب ہیں۔)

اصحاب الجنہ وہ لوگ ہیں، جو صحیح قانون، صحیح طور پر جاری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔مسلسل کوشش جاری رکھنے کے بعد حق پرست جماعت کے لئے ناکامی کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے۔ عارضی شکستیں جنکا دفاع ہو سکتا ہے پیش آسکتی ہیں، مگر یہ جماعت دوسرا پہلو بدل کر ان کا بدلہ لے سکتی ہے، اس لئے ان کو شکست نہیں مانا جاتا اور نہ اس قسم کی عارضی شکستوں (Reverses) سے دل ٹوٹنا چاہئے۔ ایسے لوگ ہی جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ فوز و کامرانی، جماعت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ

آیت نمبر۲۱۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

(اگر ہم یہ قرآن ایک پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے دب جاتا پھٹ جاتا! اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سناتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔)

فوز حاصل کرنے کے لئے یقین محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم وہ عظیم الشان انقلابی قوت ہے کہ اس کے آگے موانع کے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ موانع دو قسم کے ہیں۔

۱۔ کسی کی شہنشاہی صدیوں سے قائم ہے اور ایک پہاڑ کی مانند کھڑی ہے، ادھر انقلابی جماعت بالکل بے سروسامان ہے۔

۲۔ القدس میں بنی اسرائیل کا دینی نظام صدیوں سے قائم ہے، جس کی پشت پناہی قیصر کی شہنشاہیت کر رہی ہے۔ قرآن کی نئی دینی تحریک اس ساز و سامان سے عاری ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا نظام سرمایہ پرستی اور برہمنیت دونوں پر غالب آئے گا اور یہ دونوں پہاڑ پاش پاش ہو جائیں گے یعنی نہ سرمایہ پرستی (Capitalism) رہے گی نہ دینی سرمایہ داری (Brahmanism) جو یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے، یہ دونوں تحریکیں انسانیت کے لئے سخت مضر ثابت ہو چکی ہیں، ان کا برباد ہو جانا لازم ہے۔ اہل فکر اس پر غور کریں۔

کامیابی کا مالک صرف خدا ہے

آیت نمبر ۲۲: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾

(وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔)

اس تمام کامیابی کا سہرا کس کے سر باندھا جائے؟ اس کا (Credit) کسی خاص انسان کو نہیں دینا چاہئے اس کا مستحق وہ اللہ ہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسکا قانون انسانیت واضح ہے، اس لئے اُس نے اپنی رحمت سے ان کامیابیوں کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ! وہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل اور قیصر و کسریٰ کی موجودہ حالت اور دونوں کا مستقبل خوب جانتا ہے۔ ان دونوں میں جو طاقت مفید ہو گی اسے وہ باقی رکھے گا اور دوسری کو اس مفید طاقت کے ہاتھوں پاش پاش کر دے گا۔ اسکی رحمت تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ نوع انسانی پر بھی اس کی رحمت چھائی ہوئی ہے۔

قرآنی انقلاب کائنات کیلئے رحمت ہے:

یہ انقلاب تمام کائنات کے لئے بھی مفید ہے اور تمام انسانیت کے لئے بھی۔ اگر قرآنی انقلاب دنیا میں جائے گیر ہو جائے انسانیت کے لئے باعث ہزار رحمت ہو گا۔ اگر انسانیت ٹھیک راستہ اختیار کرے تو اس کے ماتحت حیوانات و نباتات بھی زیادہ آرام سے رہ سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۳: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

(وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ بادشاہ، پاک ذات، سب عیب سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست، دباؤ والا، صاحب عظمت، ان کے شریک قرار دینے سے اللہ پاک ہے۔)

حاکمیت اعلیٰ صرف خدا کی ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ معبود صرف اللہ ہی ہے۔ قانون اسی کا چلتا ہے، پس اس کے سوا کوئی بھی اس نظام میں اپنی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) قائم کرنے کا حق دار نہیں ہے۔ تمام قانون چلانے والے اللہ کے نائب ہو کر کام کر سکتے ہیں۔ اَلْمَلِكُ ۔ مُلک اسی کا ملِک اسی کی ہے۔ اس لئے وہی مَلک ہو سکتا ہے۔ الْقُدُّوْسُ کسی شخص کو اس نئے نظام میں مقدس مان کر اسے خدا کا قائم مقام نہیں بنایا جا سکتا، ورنہ وہی برھمنیت اور پاپائیت پیدا ہو جائیں گے جن کے استیصال کے لئے یہ نظام قائم کیا جارہا ہے۔ قدوس فقط ایک ہی خدا ہے۔

قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی

السَّلٰمُ۔ چیزوں کو سلامتی کے ساتھ ترقی کی انتہا تک پہنچانا، ثمرات پیدا کرنا، تحریکوں کو کامیاب بنانا اللہ کا کام ہے جو السلام ہے۔ انقلاب کے تمام نتائج پہلے ہی دن نہیں نکل آتے بلکہ بتدریج۔ بعض نتائج سو سال کے بعد نکلتے ہیں اور بعض اس سے بھی بعد نکلیں گے۔ یہ پروگرام قیام انسانیت کے خاتمے تک اپنے نتائج پیدا کرتا رہے گا، کیونکہ خدا تعالیٰ جو "سلام" ہے، اسے ہمیشہ سالم رکھنا چاہتا ہے۔

تمام ادیان شروع شروع میں اچھی حالت ہی میں تھے، مگر قوموں کے تداول سے مضر بن گئے مگر اسلامی تحریک کا مرکز محفوظ کردیا گیا ہے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ خداوند تعالیٰ کے اسم: 'السلام' کا اثر ہے اس لئے یہ تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی۔

قرآنی انقلاب کے نتائج

(۱) امن ہوجائے گا۔ الْمُؤْمِنُ۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں امن پیدا ہو۔

(۲) تحفظ ثمرہ۔ الْمُهَيْمِنُ۔ حصہ داروں کے حصے محفوظ رہیں گے ان کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور وہ اپنی مساعی کے نتائج سے اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور بہرہ اندوز ہونگے۔

(۳) عزت۔ الْعَزِيْزُ۔ اس تحریک میں کام کرنے والے عزت مند رہیں گے ان کو عزت دی جائے گی۔

(۴) غلبہ۔ الْجَبَّارُ۔ اس تحریک میں کام کرنے والوں کو غلبہ دیا جائے گا اور وہ زبردست بنادئے جائیں گے۔

(۵) بڑائی۔ الْمُتَكَبِّرُ۔ اس تحریک میں کام کرنے والے بڑے بنادئے جائیں گے۔

ان کا منبع صرف خدا ہے۔

یہ تمام خوبیاں جو اس تحریک میں کام کرنے والوں میں پیدا ہوں گی اور تمام فوائد جو انہیں حاصل ہوں گے ان کا منبع و مصدر ذات الٰہی ہی کو سمجھنا چاہئے۔ یہ صفات اسی کا پرتو ہیں اور یہ انعامات اس کی طرف سے ہیں۔ انکے عطا کرنے میں کسی انسان یا فرشتے کو شریک نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ واقع کے خلاف ہے۔

قانون دینے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا انسانیت کے لئے خطرناک ہے، اور اسکے اخلاق کو تباہ کردینے والا فکر ہے۔ خدا کو مالک الملک مان کر پھر کسی اور کو اس کا شریک نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اسے کسی شریک کی ضرورت نہیں ہے (سبحان اللہ)۔ ملت حنیفہ کا قلب یہ کہتا ہے:

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ! لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ! اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ گویا اَلْحَمْدُ اور النعمہ اور الملك تینوں صفتیں صرف خدا کی ہیں۔ ان میں اور کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۴۔ هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝
(وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت دینے والا، اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔)

کیا کوئی نیا نبی آئے گا؟

اس تحریک کی کامیابی کے بعد آگے کیا دور شروع ہوگا؟ کیا کوئی نیا نبی آئے گا جس کا انتظار کرنا چاہئے؟ کیا وہ عالمگیر انقلاب کے کوئی نئے اصول لے کر آئے گا؟ ہماری سمجھ یہ ہے کہ تحریک کسی نئے نبی کا انتظار نہیں سکھاتی اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتی ہے تو کیا دنیا اب ایک ہی ڈھنگ پر چلتی رہے گی! ؟ اگر دنیا میں تبدیلیاں آئیں گی تو ان کے مطابق نئے نظام بھی آنے چاہییں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے وہ تمام اقوام کے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

اَلْخَالِقُ ۔ چونکہ اللہ خالق ہے اس لیے نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ (وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ النحل۔۸) ان سے بڑے بڑے کام جن کو پہلی قومیں نہیں کر سکیں آسان ہو جائیں گے۔ خلق کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز بنانا۔ یہ نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے کہ ایک نظام اپنے مابعد نظام کے لیے انڈے کا کام دیتا ہے۔
اَلْمُصَوِّرُ۔ اللہ تعالیٰ اس مادے کو نئی نئی صورتیں دیتا رہے گا۔
اَلْبَارِئُ ۔ اور ان میں نئی نئی استعدادیں پیدا کرتا رہے گا۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ ۔ وہ اپنی صفات حسنہ سے ہر وقت کام لیتا رہے گا اس نظام میں کسی نئے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو نظام آپ کا ہے یہ کافی ہے اب انسانیت بہ اعتبار آلات ترقی کرے گی، اصول انسانیت قرآن حکیم میں منضبط ہو چلے ہیں۔ انسانیت ہمیشہ ان کی مدد سے اپنے اور انقلابات پیدا کرتی رہے گی اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح انقلاب کو قیامت تک کامیاب بنایا جاتا رہے گا۔

نئے نظام کی خوبیاں

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اپنی ساخت میں بالکل بے عیب ہیں اور قواعد مسلّمہ کے اندر کام کر رہی ہیں۔ پس وہ خدا جس نے یہ نیا نظام دنیا کو دیا ہے، اس نئے نظام کو بے عیب طور پر "انسانیت" دے رہا ہے، اب اسی کے ذریعے سے انسانیت کو حکمت سکھاتا ہے۔ یہ عزت و حکمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

سورۃ الممتحنہ

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

سورۃ الممتحنہ

موضوع سورت

اگر حزب اللہ کے ارکان خیانت کریں تو انہیں کیا سزا دی جائے گی؟ اس مسئلے کی توضیح الممتحنہ میں کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں حزب اللہ کے ارکان کو رازداری کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جنگی قوت پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

سورۃ الحشر کے ساتھ ربط

سورۃ حشر میں لڑنا اور سرمایہ جمع کرنا حزب اللہ کے فرائض میں داخل کیا گیا تھا اس سورۃ الممتحنہ میں بتایا گیا ہے کہ حزب اللہ اپنا حاکمانہ نظام ایک قانون کے اندر رہ کر قائم کرے۔ کیونکہ جو جماعت قانون کے اندر رہ کر اپنا نظام رکھ سکتی ہے اسے اگر دوسری قوم پر حاکم بنا دیا جائے تو وہ اس کا انتظام بھی قانون کے اندر رہ کر کر سکے گی اس طرح ظالمانہ قوتوں کا استیصال ہو سکے گا۔

فصل اول

ایک واقعہ

حزب اللہ کا ایک ممبر ہے، وہ مہاجر ہے، وہ کفار کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ اس پر لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوئی کہ کیا ایسا سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد تمام قاعدے تلقین کر دیئے گئے اور حکم دے دیا گیا کہ حزب اللہ کے ممبران قواعد کے اندر رہ کر کام کریں۔

حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی وہ کفار نے توڑی تو حضور نبی کریم ﷺ نے خاموشی کے ساتھ عساکر جمع کر کے مکہ معظّمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ نے کوشش کی کہ اس تیاری کی خبر باہر نہ نکل سکے لیکن ایک بدری

مہاجر حاطب ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ تحقیقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس لئے اطلاع دی کہ اہل مکہ جن کے قبضہ میں میرے اہل و عیال ہیں اس احسان کے عوض وہ ان سے اچھا سلوک کریں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ عذر قبول فرمالیا اور اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اس پر یہ آیات نمبر ۱ تا نمبر ۳ نازل ہوئیں جن میں پیغمبر کے اس فعل کو قاعدہ مقرر کرنے کے بجائے ایسے حالات کے لئے نئے قوانین دیئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت نمبر۔۱ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

(اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو! حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لئے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو (تو ان کو دوست نہ بناؤ)! تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو۔ اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستے سے بہک گیا۔)

دشمن کی طاقت

دشمن کی طاقت کی توضیح اس آیت میں ان الفاظ میں کر دی گئی ہے:

"قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ"

'بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ' وہ انقلاب ہے جو قرآن حکیم لے کر آیا ہے۔

اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا یہ طبعی حقیقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ "اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں۔ وہ مار نہیں سکتے، رشتہ داری ہے اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے

خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں اس لئے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے۔ یہ ہے دشمن کی طاقت !

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب کبھی پیدا ہو گی دشمن کہلائے گی اس میں ہم دو چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(۱) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔

(۲) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو نہیں سمجھا، یا وہ اس جماعت کو، قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے، کامیاب بنانے والی جماعت نہیں مانتا یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو عملی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے مخالف لڑنے والوں کے لئے قائم کی تھیں مگر وہ لڑنے والے آدمی مر چکے۔ ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء واجداد کی طرح لڑنے والا فرض کر لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے۔ یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ "آج کے مسلمان ان مسلمانوں کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہاد یا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا"۔ اگرچہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی طور پر ان مسلمانوں کا جائز وارث بناتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ وہ باتیں اِن مسلمانوں میں نہیں ہیں اس لئے اُن کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب اللہ کا فرض

اس کی طرف آیت کے اس حصے میں ارشاد ہے اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا ہے۔

پہلے درجے پر ایمان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والا قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے اور اس کے مخالف قانون کو نہ ماننے کا بھی عزم مصمم کر چکا ہے اب وہ مجمل ایمان ذرا مفصل ہو جاتا ہے۔

سبیل اللہ کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی ہر ایک جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

جہاد کی غرض وغایت

اس جدوجہد کی عملی صورت قانون متعین کرتا رہے گا۔ قانون کی روح ہمیشہ قائم رکھنی چاہئے تو قانون ٹھیک نتیجہ پیدا کرے گا کیونکہ جب قانون کی روح نظرانداز ہو جاتی ہے تو قانون کی ظاہری پابندی مفید نتائج پیدا نہیں کرتی۔

قانون کی روح

قانون کی روح کو ہمیشہ نظر رکھنے کو "وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ" کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حزب اللہ کی اعلیٰ جماعت کے لئے جو عنوان مقرر کیا گیا ہے، وہ "رضی اللہ عنهم و رضوا عنه" ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی پروانہ کی جائے۔ اسی بات کو "ابتغاءَ مرضات الله" کہا گیا ہے۔ گویا اللہ کے قانون کو مان کر غیر کے قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اس سے رضاءِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ قانون کی اس سپرٹ کو قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حزب اللہ کے قانون کی مخالفت کا مطلب

اس کی طرف لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ میں ارشاد ہے اور جس کی تفصیل تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ ہے۔

یعنی قانون کی خلاف ورزی کا مطلب یہ ہے کہ "میرے اور اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو اور پھر اسے خفیہ پیام بھیجتے ہو" جب تم نے ان کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر دیا ہے تو پھر دوستی کہاں تک معقول ہو سکتی ہے؟ یہ مخالف کی ادنیٰ ترین اعانت ہے اس سے انسان خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اعانت کتنا جرم ہے۔

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ①

یہ جماعت حزب اللہ کہلاتی ہے اس لئے اس کے اعمال کی نگرانی اللہ سبحانہ تعالیٰ خود ہی کرے گا اور وہی انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ثمرہ دے گا۔ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ حزب اللہ کے پروگرام کی مخالفت کرنے والا غلط راستے پر چل پڑا ہے، اس لئے اسے خدا ضرور سزا دے گا۔

سورۃ کے باقی حصے میں اس مرکزی آیت کی تشریح ہے۔

آیت نمبر ۲: اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۭ ②

(اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم منکر ہو جاؤ۔)

مخالفین کا مقصد

تمہاری اس غلطی سے تمہارے دشمن کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اگر وہ ملی نقصان جو تمہاری اس حرکت سے پہنچ سکتا ہے تمہاری نظروں میں ہوتا تو تم ایسی حرکت نہ کرتے! وہ نقصان یہ ہے کہ مخالف تمہاری بھیجی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا کر تمہارے پروگرام کو توڑنا اور تمہیں اس سے منکر بنانا چاہتے ہیں۔

آیت نمبر ۳: لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

(تمہارے رشتہ دار اور اولاد، قیامت کے دن تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیں گے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔)

تم نے اتنے بڑے نقصان کے مقابلے میں جو جزوی فائدہ سوچا تھا کہ اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا سکو گے یہ رشتہ داری اللہ کے ہاں پہنچ کر یعنی قیامت میں تمہارے کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ جس رشتہ داری میں خدا کے حکم کا خیال نہ ہو وہ خدا کے سامنے پیش ہونے تک ٹوٹ جائے گی۔ (يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ) لٰہذا جزوی فائدے کو مقدم نہ کرو۔

آیت نمبر ۴، ۵۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(بے شک تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو ان کے ہمراہ تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو! ہم نے تمہاراا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لئے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں،اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ان کا تختۂ مشق نہ بنا جو کافر ہیں اور اے ہمارے رب! ہمیں معاف کر۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال

حزب اللہ میں کوئی شخصیت ایسی ہے جس کو آئیڈیل سمجھا جائے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہی معاملہ تمہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہ مخاصمت اس وقت تک رہے گی جب تک تم خدا کے قانون کی اطاعت کی طرف لوٹ نہ آؤ۔ اب ہم تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں اس کام میں مدد دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان کی دعا یہ تھی : "رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝" تم بھی اس دعا کو اپنا آئیڈیل بناؤ۔

اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعا مانگی تھی، ان کی یہ بات قابل تقلید نہیں ہے۔ انسانوں کی لغزشوں پر قرآن اپنے قانون نہیں بدلتا۔

آیت نمبر ۶ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۧ ۝

(بلاشبہ ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے، جو اللہ کا اور قیامت کے دن کی امید (عقیدہ) رکھتا ہو اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ بالکل بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔)

الغرض تمہارے لئے ان لوگوں کے افعال واعمال بہترین نمونہ ہیں۔ جو شخص ان کے نمونے پر نہ چلے اللہ کو اس کی مطلق پرواہ نہیں ہے اگر اس کا دعویٰ خدا سے محبت کا ہے تو اسے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طریق پر چلنا چاہئے۔

آیت نمبر ۷ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے دوستی قائم کر دے، اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔)

کیا دوستی کا امکان ختم ہو گیا؟

کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ ہمارے دشمن ہیں، ان سے دوستی پیدا ہونے کا امکان ختم ہو گیا، اس لئے ان سے کوئی دوستانہ معاملہ کرنا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا؟

اس آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ خدا ایسے سامان پیدا کرے گا کہ ان کے ساتھ دوستی پیدا ہو جائے، مگر یہ غلط ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی کر کے، ان سے دوستی پیدا کرو۔ اللہ انہی کے دلوں میں انقلاب پیدا کر دے گا کہ وہ تم سے دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے، اس وقت تم بھی ان سے دوستی کر سکتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دشمنی کر رہے ہوں تو ان کی محبت تم اپنے دلوں میں رکھ کر ان کی مدد کرو۔

آیت نمبر ۸ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

(اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

دوستی کیا جائز ہے؟

یہاں مذکورہ بالا خیال کی تصریح کی گئی ہے یعنی جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ لڑنا چھوڑ دیں تو پھر ان سے

دوستی ممنوع نہیں ہے۔

آیت نمبر ۹ : اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝

(تمہیں اللہ انہی سے منع کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑیں اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر لوگوں کی مدد بھی کی، کہ ان سے دوستی کرو۔ اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہے۔)

دوستی کرنے کی ممانعت اس وقت تک ہے جب تک وہ دشمنی پر ہیں۔

قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ سے مراد اصل دشمن اور وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ سے مراد ان کے حلیف ہیں۔

دشمن کا دوست

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ جو دشمنوں سے دوستی کرے وہ بھی دشمنوں ہی میں شمار ہونے لگتا ہے۔

فصل دوم

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض قانونی طور پر منضبط کر لئے گئے ان کی روح تخریبی ہے یعنی یہ کہ یہ "کام نہیں کرنا چاہئے" اب انہیں بتایا جائے گا کہ "انہیں کیا کرنا چاہیے"۔

دشمن کا آدمی مسلم کیمپ میں

فصل اول میں اس امر پر بحث کی گئی تھی کہ ایک شخص حزب اللہ کا رکن ہو کر کفار کے ساتھ خفیہ راہ و رسم پیدا کرے، تو کیا کرنا چاہیے؟ اب اس فصل میں اس کے برعکس اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ کوئی شخص مخالف کیمپ میں ہوتے ہوئے حزب اللہ کی طرف دست مودت بڑھائے تو کیا کرنا چاہئے۔

جو لوگ مخالف کیمپ سے آتے ہیں وہ بعض اوقات دشمنی کے لئے آتے ہیں گو وہ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے ہیں، وہ یا تو مسلم کیمپ میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہاں کے راز کی جستجو کرتے ہیں، اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ دشمن کے کیمپ سے تمہارے پاس آئیں پہلے ان کا امتحان لے لو تاکہ دیکھ لو کہ وہ دشمنی کرنے تو نہیں آئے؟ اگر تم سمجھو کہ وہ دوستی کی راہ سے آئے ہیں تو ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لو، لیکن اگر وہ اپنے ساتھ روپیہ

پیسہ لائے ہیں تو وہ واپس کر دو۔ یہ روپیہ کافروں کا شمار ہو گا۔اسے مسلم کیمپ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بعض نااہل فقیہ مسلمانوں میں ایسے پیدا ہوگئے جنہوں نے مسلمانوں کی اجتماعی مالی طاقت کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ انارکسٹ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اجتماعیت کے معنی جانتے ہی نہیں۔ بدقسمتی سے انارکسٹ فقیہوں کا فقہ حنفی پر غلبہ ہو گیا، اس کا سبب بادشاہوں کا ظلم ہے۔ بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لئے ہر شخص بادشاہ کے حکم کا انکار نہ کرنا اپنا کمال سمجھتا ہے۔اس طرح ہوتے ہوتے ان میں سے اجتماعیت بالکل رخصت ہو گئی۔

آیت نمبر ۱۰: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

(اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، تو ان کی جانچ کر لو، اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پس اگر تم انہیں مومن معلوم کر و تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ! نہ وہ عورتیں ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لئے حلال ہیں۔ اور ان کفار کو دے دو، جو کچھ انہوں نے خرچ کیا۔ اور تم پر گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو۔ اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں۔ اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لئے صادر فرمایا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔)

فَامْتَحِنُوْهُنَّ "امتحان کا طریق" آیت نمبر ۱۲ میں آتا ہے۔

کافر خاوندوں کا مہر واپس کر دیں

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا یہ عورتیں جو تمہارے پاس آتی ہیں ان پر ان کے پہلے خاوندوں نے جو مال خرچ کیا ہے یعنی ان کا مہر، وہ ان کو واپس کر دو۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ یعنی تم اپنا مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ جس طرح بعض عورتیں کافروں کے کیمپ سے مسلم کیمپ میں آتی ہیں ایسے ہی کچھ عورتیں وہ بھی ہیں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں، مگر وہ ہجرت کی قائل نہ تھیں اس لئے وہ پیچھے کافروں کے کیمپ میں رہ گئیں، جس طرح پہلی قسم کی عورتوں کے پہلے تعلقات کو قانون تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، اس

طرح ان مسلمانوں کے کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات کو بھی قرآنی قانون تسلیم نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ ان سے اپنے تعلقات قطع کرو۔ اس لئے حکم دے دیا کہ ان عورتوں کا ناموس جو کافر رہ گئیں اور اسلامی پروگرام کو تسلیم نہیں کرتیں اپنے قبضے میں مت رکھو۔

اپنی بیویوں کا مہر واپس لے لو

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ تم نے اپنی بیویوں کا جو مہر مقرر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لو۔

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا انہوں نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ تم سے لے لیں۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ یہ حکم اللہ کا ہے اس لئے انصاف پر مبنی ہے جو کافر انصاف کرتا ہے وہ اللہ کا حکم قائم کرتا ہے جو مسلمان ظلم کرتا ہے وہ شیطان کا حکم قائم کرتا ہے۔ ایسا مسلمان اجتماعیت کو فراموش کر چکا ہے۔

آیت نمبر ۱۱: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۱۱﴾

(اور اگر کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس نکل گئی ہے، پھر تمہاری باری آجائے تو، تم ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو، جن کی بیویاں چلی گئیں ہیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمالائے ہو۔)

اگر کافر مہر ادا نہ کریں

اگر کافر لوگ ان عورتوں کے مہر ادا نہ کریں جو تم نے چھوڑی ہیں، تو مال غنیمت میں سے پہلے ان مسلمانوں کا حق ادا کرو جن کی بیویاں کفار کے پاس جا چکی ہیں۔

فَعَاقَبْتُمْ ہاتھ مارو۔ ان سے اتنا مال غنیمت لے لو۔

مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا جتنا مسلمانوں نے خرچ کیا ہے وہ انہیں دے دو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ کے انصاف کی پیروی کرو یعنی خود بھی انصاف کرو۔

آیت نمبر ۱۲: يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۲﴾

(اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی، جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر، ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگ! بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔)

امتحان کا طریق

کفار کی جو عورتیں امتحان دینے کے بعد قبول کی جاسکتی ہیں (جس کی طرف آیت نمبر ۱۰ میں اشارہ کیا گیا ہے) ان کے امتحان کا کیا قاعدہ ہوگا؟ یہ طریقہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے نئے رکن کے فرائض متعین ہو جائیں گے، یعنی یہ کہ وہ کن کن چیزوں کا اقرار کرے کہ اسے حزب اللہ کی رکنیت کے لئے قبول کر لیا جائے۔

بیعت کا مطلب

یُبَایِعْنَكَ 'اپنا پورا اختیار تجھے دے دیں'۔ 'اپنا سر رکھ دیں' یعنی اقرار کریں کہ اگر ہم حزب اللہ کی خلاف ورزی کریں تو آپ سزا جاری کرنے کے پورے پورے مختار ہیں۔

سیاست اور بیعت

جب ہم ایک عہد کریں اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کرلیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی کریں تو اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں، خواہ وہ ضبطی مال کی صورتیں ہو یا سر قلم کرنے کی شکل میں، ہم ہرگز اعتراض نہ کریں گے، اس اقرار نامے کو بیعت کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اس بیعت کو سیاسی رکنیت کی اساس قرار دیتے ہیں (القول الجمیل اور فیوض الحرمین) ہمارے نادان علماء سیاست کو مذہب سے علیحدہ تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اسلام و ایمان کی بیعت گویا ان کے نزدیک سیاسی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم ان لوگوں کو سفہائے امت میں سے گنتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا ہم پر بڑا احسان یہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اجتماعی سیاست سمجھادی ہے۔ انہوں نے جن اصولوں پر اسلامی اجتماعیت کو حل کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا گو وہ لوگ اپنا فکر (Idea) الگ رکھتے ہیں مگر اسے کامیاب بنانے کے لئے قوانین وہی تجویز کرتے ہیں، جو شاہ صاحب بتاتے ہیں۔ ان نادان فقہا کے پیچھے چل کر مسلمان کبھی ان مصیبتوں کے سمندروں سے پار نہیں

اتر سکتے جو ان کی اجتماعیت ٹوٹنے کے بعد ان کے راستے میں حائل ہوگئے ہیں۔ اب نہ ہمارا علمی نظام باقی رہا ہے نہ اخلاقی، نہ مالی۔ نہ گھر کا ٹھکانہ ہے، نہ مسجد کا، ہر جگہ بد نظمی ہی بد نظمی مہیب شکل میں نظر آرہی ہے! اس کے لئے ایک اجتماعیت شناس امام چاہئے جو قرآن کا اجتماعی نقطۂ نظر سمجھا سکے۔ کوئی مستعار سیاست یا ادھورا پروگرام مسلمانوں کو مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتا۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پروگرام کے ماسواء کوئی پروگرام ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس پروگرام کے دو حصہ ہیں:

(۱) خلافت باطنہ اور (۲) خلافت ظاہرہ

شاہ صاحب کی حکمت کے مطابق اس بیعت ہی کے طریقے سے حکومت پیدا ہوتی ہے اس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) اگر لڑنے کی اجازت نہ ہو تو شاہ صاحب اسے خلافت باطنہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) اگر لڑنے کی اجازت ہو تو اسے خلافت ظاہرہ قرار دیتے ہیں۔

حکومت کس طرح قائم کی جاتی ہے؟

شاہ صاحب بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے ان کی نگاہ میں بادشاہی فقط ذات خداوندی کو زیبا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان کا بہترین امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ کا بہترین نائب ہو کر حکومت کرے۔ اس لئے وہ اسے خلافت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بادشاہی اس بیعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بیعت کرنے والا آدمی جس سے بیعت کرتا ہے اسے ایک سلطان مانتا ہے۔ اگر وہ فقیہ ہے اور حکیم ہے تو ایک آدمی کی بیعت ہی سے اس کی سلطنت کی بنیاد پڑے گی اگر سفیہ ہے تو لاکھوں کے مجموعے سے بھی کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا نہ کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

بیعت کی مدات

مومن عورتیں کن باتوں پر بیعت کرتی ہیں؟

(۱) انکار شرک: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔ کسی شخص کو اپنا کارساز ماننا اسے خدا کا شریک بنانا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو حکومت کا مرکز ماننا بھی شرک کرنا ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہیں کہ ان دونوں قسموں کے شرکوں میں سے کسی قسم کا شرک بھی قبول نہیں کریں گی۔

(۲) مالی حقوق کی حفاظت: 'وَّلَا يَسۡرِقۡنَ' کسی کا مال نہیں چرائیں گی۔ لوگوں کے جو مالی حقوق مسلّمہ ہوں گے ان

کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ مالی حقوق پر کم سے کم درجے کا حملہ چوری ہے۔ وہ یہ نہیں کریں گی، چہ جائیکہ اس سے بالاتر کسی اور ذریعے سے کسی کا مال ہضم کرنے کی کوشش کریں۔

(۳) حفاظت عزت : وَلَا يَزْنِيْنَ وہ زنا نہیں کریں گی۔ انسان کی عزت، عصمت کے ساتھ نکاح کی پابندی میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہیں کہ کسی کی عزت برباد نہ کریں گی۔

(۴) اولاد کا قتل نہ کرنا : وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اپنی عزت بچانے کے لئے اور زنا کاری چھپانے کے لئے اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

(۵) نیوگ کا انکار : وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ ایک کا بچہ دوسرے کے نام نہ لگائیں گی۔ ایک عورت ایک مرد سے بچہ لے کر دوسرے کے نام لگادیتی ہیں۔ یہ بہتان ہے۔ پہلے لوگوں میں رواج رہا ہے کہ ایک مرد سے کام نہ چلے تو عورت دوسرے مرد سے بچہ لے آتی ہے اسے نیوگ کہتے ہیں یہ حرام ہے۔ عورت ایسی حرکت نہ کرے۔ بچہ پیدا کرنے کی خواہش اور نسل بڑھانے کا جذبہ بے شک تقاضائے فطرت انسانی ہے مگر ایک مصنوعی طریقے کو فطرت کا قائم مقام بنانا بہتان ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں۔ وہ ان ملکوں کی فقہ ہے۔ یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آسکتی۔ پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جاسکتی اور انگلستان کا قانون کسی دوسرے ملک میں نہیں چل سکتا۔ بخارا کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں انہی میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے۔ لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ ایک قانون کے تحت ہے اس لئے اسے زنا نہیں کہا جاسکتا۔ زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت نہیں لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ

معروف کا معنی

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجاریٹی (اکثریت) میں معقول مانی جائے، اسے معروف کہا جاتا ہے۔ جب بیعت

معروف پر ہو گی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کر لیا گیا۔

فَبَایِعْهُنَّ ط ان کی بیعت قبول کر لو

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرو۔

اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ حرب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کر سکتی ہے۔

آیت نمبر ۱۳: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

(اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا، وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہو گئے۔)

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

کفار جو اہل کتاب سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ مایوسین کی پہلی جماعت ہے۔ یہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں جو قبر میں چلا گیا اس کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ترقی کا میدان فقط قبر سے پہلے تک سمجھ لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں مایوسین کی دوسری جماعت اہل کتاب کی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ باوجود آخرت کو تسلیم کرنے کے عملی طور پر اپنے آپ سے مایوس ہو چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ وہ اپنے جماعتی نظام سے ترقی کی کوئی ہمت پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بڑے انسان کی آمد پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آئے گا تو ہم ترقی کر سکیں گے، اس کے بغیر ہم اجتماعی نظام سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ یہ یہود ہیں مسلمان ان سے دوستی پیدا کر کے ان کی مانند نہ بن جائیں اور کسی بڑی خارجی طاقت کے منتظر بن کر نہ بیٹھ رہیں بلکہ قرآن حکیم کی مدد سے اپنی ترقی کا سامان آپ اپنے اجتماعی نظام کی مدد سے پیدا کریں۔ یہود و نصاریٰ دونوں اپنی آخرت سے مایوس ہو کر قبر سے پہلے تک اپنا میدان ترقی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مسلمان ان خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

آخرت اور زندگی کا تلازم

قوموں کی زندگی میں آخرت کا عقیدہ ان کے دنیاوی عقیدہ کا بطن ہوتا ہے۔ جب یہ آخرت کی زندگی سے مایوس

ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں مایوس ہو جائیں گے۔ ایک ہی عمل ہے وہ منہ میں ایک اثر پیدا کرتا ہے اور پیٹ میں جاکر دوسرا پیدا کرتا ہے۔ منہ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ظاہر حیات تصور کیا جائے تو پیٹ کے اندر پیدا شدہ اثر کو باطنی حیات کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص اپنے اعمال سے آخرت میں مایوس ہے وہ اپنی محبت اور اجتماعیت سے دنیا میں بھی ترقی کا کوئی سامان پیدا کرنے کی امید اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا۔ اس قسم کے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے ان کے سے نہ ہو جاؤ!

مایوسین کی محبت کے نقصانات

اس سورت کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو اجتماعیت اسلامیہ کے دشمن ہیں اور اس میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں، ان سے کسی قسم کی محبت نہ رکھو، تو اس کی حکمت آخری آیت میں بیان فرمادی کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو جاؤ گے۔ درمیان میں اور بھی بہت سے نقصانات اس قسم کی دوستی سے پیدا ہوں گے، جن کا ذکر آچکا ہے مگر سب سے بڑا نقصان یہ اخلاقی نقصان ہے جو عام مایوسیت (Pessemism) کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ یہ تمہاری موت ہے۔

آخر اور اولیٰ ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں، اگر ایک چیز کو اولی کہا جائے تو دوسری چیز کو آخرۃ کہنا چاہئے۔ دنیاوی زندگی کا ایک حصہ جو پہلے اور اولی ہو تو جو حصہ اس کے بعد آئے گا اسے آخرۃ کہنا جائز ہے، گویا دنیاوی زندگی کی آخرۃ وہ ہے جو دوسری زندگی سے متصل ہوتی ہے۔ پس دنیاوی زندگی کا آخری حصہ اور دوسری زندگی کا حصہ آپس میں علت و معلول کا تناسب رکھیں گے۔ جس شخص کے دل میں دوسری زندگی کی کامیابی کا تصور ہو وہ ضرور اپنی دنیاوی زندگی کے آخری حصے میں کامیابی کا یقین حاصل کرنا چاہے گا تو وہ علت و معلول کا تناسب قائم رکھ سکے گا۔

ایک قوم اہل کتاب ہے اس کی اسی تعلیم نے اسے ایک فکر دیا ہے۔ اگر یہ اپنی ہمت اور اس کتاب کی تعلیمات کی پابندی سے اس فکر کو حاصل کرنے سے مایوس ہو گئی تو اس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌلَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کی تفسیر

سورۃ الضحیٰ میں جو آیا ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌلَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی تو اس میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارک کی دو حالتوں میں تناسب دکھایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسری حالت جو آنے والی ہے وہ اس پہلی حالت سے اچھی ہوگی جس میں وحی کے انقطاع کی وجہ سے مایوسی ہو گئی تھی۔ جیسے سورج ڈھل جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے اور پھر

دوسرے دن سورج نکل آتا ہے اسی طرح وحی کے انقطاع سے مایوسی کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ یہ انقطاع اس لئے ہوا کہ دوسری وحی پہلی سے قوی تر آنے والی ہے، پہلی وحی اس کے لئے بنیاد کا کام دے گی۔ پس یہ بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی اس پر اسی قدر مضبوط عمارت بن سکے گی اس لئے عارضی انقطاع وحی سے جو حالت پیدا ہوئی ہے اسے اولی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے بعد سلسلہ وحی کے آغاز سے جو نیا دور حیات شروع ہوا ہے اسے آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس تمام دنیاوی زندگی کو اولی کہا جاے تو حیات مابعد الممات کو آخرت کہنا جائز ہے لیکن ان معنوں میں آخرت کی بہتری ان سے پہلے معنوں میں اولی کی بہتری پر موقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمے کی طرف ''تفہیمات الٰہیہ'' میں اشارہ فرمایا ہے۔

سورۃ صف

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

سورۃالصّف

(مدنی سورت ہے)

سورۃ مُمتحنہ کے ساتھ ربط

سورۃ ممتحنہ میں جو تعلیم دی گئی تھی، اسے تعلقات خارجیہ سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ بعید نہیں۔ غیر مسلم جماعتوں کے دو حصے ہوں گے: (۱) وہ دشمن جن کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) ایسے لوگ جو دشمنی نہیں کرتے، ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا ممنوع نہیں۔ اُس سورہ میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ تعلقات منقطع کرنے کے کیا درجے ہیں جن سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں، ان کے ساتھ بھی انصاف کے ساتھ پیش آنا چاہیے، جس طرح تعلقات منقطع کرنے کے بعد ہمارے اپنے حقوق جو وزارت خارجہ (Foreign offree) کی پالیسی (Policy) معین کرتی ہے۔

وزارت حربیہ کا کام

وزارت خارجہ کے بعد وزارت حربیہ (War Office) کا کام آتا ہے۔ جس جماعت یا قوم کو وزارت خارجہ دشمن قرار دے دے اور جن سے تعلقات منقطع کر دے ان کے ساتھ لڑنے کی پوری تیاری کرنا، حکومت بنانے والی پارٹی کے لئے ضروری ہے۔ حکومت کے قیام کے بعد اس کو وزارت حربیہ کہا جائے گا۔

سورۃ صف کا مضمون

چنانچہ اس سورت الصّف میں لڑائی کی تیاری کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں، اور مسلمانوں کو بڑی بڑی جنگوں کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیت نمبر۱: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(جو مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور وہی غالب حکمت والا ہے۔)

قرآن کا نظام قائم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جنگ کرنے کا حکم کہ اللہ کا قانون یعنی اللہ کی کتاب دنیا میں حاکمانہ انداز سے کامیاب ہو، اس لئے نہیں دیا گیا کہ خدا تعالیٰ اس کا محتاج ہے۔ (سبح) بلکہ اس لئے کہ وہ ایک قوم کو حکومت چلانے کی ذمہ داری سکھانا چاہتا ہے (یہ حکیم کے اسم کی تاثیر ہے) اور اس طریقے سے دنیا میں معزز بنانا چاہتا ہے (یہ اسم عزیز کا مطلب ہے)

اللہ کا محتاج نہ ہونا زمین و آسمان کی حکومت چلانے سے ظاہر ہے۔ آسمانی سیارے اور ستارے ایک خاص نظام میں حرکت کر رہے ہیں اور اپنے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہے ہیں، ایسے ہی زمین کے مختلف موالید اور جن، سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں اور اس قانون کے اندر چل رہے ہیں جو اللہ نے اس کے لئے بنادیا ہے۔ اگر اتنے بڑے نظام کے چلانے میں خدا کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ انسانوں کے اندر ایک خاص قسم کی حکومت چلانے میں کسی کا محتاج کیوں ہونے لگا؟

آیت نمبر ۲: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟)

جبری خدمت

حزب اللہ قائم ہونے کے بعد جماعت میں یہ استعداد آ گئی کہ وہ اپنے فرائض خود ادا کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کرے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنا، اس نظام کو سنبھالنا، یہ ہمارا ایمانی فرض ہے۔ اب ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری رہنمائی کی جائے اور ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض جو ہو سکتے ہیں وہ بتائے جائیں۔ تو انسان کو حکومت بنانے میں سب سے مشکل فرض جو پیش آتا ہے وہ عمومی فوجی خدمت (Conceription) ہے۔ جو لوگ اتنے مشکل سے گھبرائیں، وہ اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں۔

آیت نمبر ۳: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(خدا کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہو وہ تمہارا فعل نہ ہو۔)

ایک قوم پارٹی کے پروگرام کے اندر رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں سستی کریں وہ سخت سزا کے مستوجب سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ اس فرض سے کوتاہی کی شکل میں یہ سخت سزا برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں تو ان کی باتیں فقط ڈینگیں ہیں عملی تقدم نہیں ہے۔

پس اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ''یہ تم جانتے ہی ہو کہ اعلیٰ فرض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا، اس کے ترک کرنے پر سزا برداشت کرنے کی تیاری ہے، اور سزا سخت سے سخت دی جائے گی۔ خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم۔۔۔۔۔آمادگی ظاہر کرو اور پھر کام نہ کرو۔

ہمارے علماء کی غلطی

جب کوئی جماعت اعلیٰ فرائض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سمجھ لے کہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی، تو اس میں ضبط (Discipline) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ڈسپلن کے بغیر کوئی فوج دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ فوجی زندگی کا عملی تجربہ نہ ہونے کے باعث ہمارے علماء کے دماغ خراب ہو چکے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) اس لئے وہ ان آیات کا مطلب سمجھنے میں بہت دور ہیں۔ وہ قرآن حکیم کی آیتوں کے لفظی ترجمے ہی میں اٹکے رہتے ہیں اور قصے بیان کر کے ہی گھر پورا کر دینا چاہتے ہیں، مگر اپنے نفس پر یہ فرض کر کے کہ کیا میں اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لئے تیار ہو رہا ہوں جو قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے کے سلسلے میں مجھ پر عائد ہوتی ہے؟ غور ہی نہیں کرتے۔ جب تک وہ اس طرح غور نہیں کریں گے ان کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ انہوں نے اس بے فکری سے قوم کی ذہنیت مردہ بنا دی ہے! جیسے کوئی دوسری قوم آکر ان کو سلطنت بنا کر دے دے گی۔ قرآن حکیم پڑھنے والے آدمی کے لئے اس قسم کا خیال ڈوب مرنے کے قابل ہے!

برطانیہ کی سب سے بڑی قباحت

ہمیں یورپ میں انقلابی جماعتوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ لوگ جنگ کے بغیر انقلاب کا تخیل ہی نہیں رکھتے۔ گاندھی جی نے جو پروپیگنڈا شروع کیا وہ اسے نہیں مانتے، ان کے ہاں انقلاب کے ساتھ ملٹرزم (Miltrism) شامل ہے۔ یورپ میں ملٹرزم انتہا تک ترقی کر چکا ہے۔ ایک یورپی انقلابی ملٹرزم کا اعلیٰ لیڈر اپنے آپ کو انقلابی نہیں کہتا۔ ان کے انقلابی نظام سب کے سب زندگی بخش ہیں۔ وہ ہر وقت موت کے منہ میں جانے کی لئے آمادہ رہتے ہیں اسی سے ان میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک مصیبت تو یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ نے برطانوی رعایا کے برابر حقوق نہ دیئے۔ ہم اسے اس ایمپائر کی سب سے بری قباحت مانتے ہیں۔ ہمارے ملک سے اس سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی جتنی خود برطانیہ کی کمائی کرنے والی جماعت سے ٹیکس حاصل کیا جاتا مگر ہمارے ملک کے باشندوں کو تعلیم اور ملٹرزم میں کوئی حق نہ دیا گیا حالانکہ یہ ہمارا قدرتی حق تھا ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی

قوم کے ہر ایک آدمی کو تعلیم یافتہ اور سولجر (Soldier) بنائیں۔ برٹش گورنمنٹ مجبور ہو کر ڈومینین سٹیٹس دے گی اور ہم اس مصالحت پر راضی ہیں۔ اس لئے کہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ کے شریک رہ کر اپنی قوم کو تعلیم اور فوجی تربیت میں یورپ کے برابر بنائیں۔

انقلاب اور حُریت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی حکومت پیدا ہی نہیں کر سکتی اور نہ کوئی پارٹی انقلابی ہو سکتی ہے جب تک اس کا ایک ایک فرد فوجی ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے پورا پورا آمادہ نہ ہو جائے۔ اور فوجی ڈیوٹی ادا کرنے اور اس کے لئے قوم کو تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو شخص اس ڈیوٹی سے تخلف کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ یہ چیز پہلے ہی دن انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجھے یہ سزا دی جائی گی۔ اس صورت میں ڈسپلن پیدا ہو سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے علماء کے دماغ پر جوں تک نہیں رینگتی ! (الاماشاء اللہ)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

(بے شک اللہ توان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔)

بُنیان مرصُوص کا مطلب

صف باندھ کر لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رخنہ نہ آنے دیا جائے جو صف دشمن کے مقابلے میں جائے اس میں سے جتنے آدمی شہید ہوں ان کا رخنہ فوراً پر کر دیا جائے اس طرح اپنی کمی پوری کرتے ہوئے یہ صف آگے بڑھے۔

بُنیان مرصُوص کی حقیقت

فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا۔ فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے۔ جب تک مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہیے۔ اس کا حاصل یہ ہو گا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن

کے مقابلے میں بھیجیں مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے۔ یہاں تک کہ سوآدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے۔ اس کے لئے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سوآدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح بنیان مرصوص بن کر لڑتے ہیں اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔

عورتیں اور فوجی خدمت

قرآن حکیم کو ماننے والی جماعت اپنے رب کی حب حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی جبر کے، یہ جبری ڈیوٹی (Conception) اپنے ذمے لے لے گی۔

مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے اب تک یہ صلاحیت موجود ہے مگر جیسے سیاسی نظام پیدا کرنے کے میدان میں ان کے لیڈروں نے ان کو بدنام کر رکھا ہے ویسے ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء اور ان کے بزرگوں نے ان کو بے عزت کر دیا ہے۔ ان کے بڑے علماء اور بڑے بزرگ سب سے زیادہ بُزدل اور سب سے زیادہ عورتوں کے غلام ثابت ہوں گے۔ (الا ماشاء اللہ) تجربہ کرکے دیکھ لو یہ عورتوں کی غلامی کا مسئلہ مولانا شہیدؒ کے زمانہ میں بھی پیش آ چکا ہے اور میں خود بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ عورتوں کے غلام ہیں، یہ کبھی گھر سے نہ نکلیں گے۔ حضرت مولانا اسماعیلؒ کے خط میں ایک فقرہ آتا ہے۔ ''در فرج زناں مشغول ہستند'' (سوانح احمدیہ)

ہمارا بھی یہی تجربہ ہے۔ ہمارے بہترین شاگردوں نے اس لئے جواب دے دیا کہ وہ عورتوں کی غلامی سے نہ نکل سکے۔ اس لئے ہمارے دماغ پر یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی۔ اس لئے ہم میدان جنگ میں آنے کے لئے مرد اور عورت کی کوئی شرط نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہماری ہر ایک عورت اور ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا، جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا، ہم اسے فوراً گولی سے اڑادیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں۔ ہم اسی طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لئے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ مکی زندگی میں مفید سمجھتے تھے۔ ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن کر مار دینے چاہئیں۔

مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت

حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۷۵ میں ہے ''مخذل اور مرجف کو مجاہدین کی صف سے نکال دیا جائے۔'' پس ہم ان کو ختم کر دیں گے بلکہ ان کو قوم ہی سے نکال دیں گے۔ انہوں نے ہماری مسجدیں منبر سنبھالی ہوئی ہیں اور مدارس پر بھی ان کی حکومت چل رہی ہے۔ ہماری زبان سے جتنا سب و شتم نکلتا ہے اس میں ہدف یہی لوگ ہیں اور وہ بھی ہماری جماعت کے علماء!! فَیَاحَسرَتا!

مسلمان اور فوجی خدمت

جیسے ہماری سیاسی زندگی میں یہ ایک ضروری مرحلہ ہے جسے طے کرنا پڑے گا ویسے ہی ہماری ایمانی زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھ کر اس کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ ہم اسے قبول نہیں کر سکتے کہ جب ایک مسلمان اپنے ملک پر اپنی حکومت پیدا کرتا ہے تو وہ کس طرح اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو جس میں اس کے لڑکے اور لڑکیاں ماں اور بیوی بھی شامل ہیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے؟

فوجی خدمت کی وسعت

فوجی خدمت فقط یہ نہیں ہے کہ میدان میں لڑیں۔ فوج کے متعلق کوئی سا کام پورا کرنا فوجی خدمت ہے۔ مگر ایک چیز سب میں مشترک رہے گی اور وہ یہ کہ ہر ایک شخص شہید ہونے کے لئے تیار رہے گا اور صف اول میں رخنہ پر کرنے والے آدمی موجود رہیں گے۔ اس مسئلے کو حل کئے بغیر یہ کہنا کہ ہم ۔۔۔۔۔۔ ہندوستان میں اپنا مستقل نظام چاہتے ہیں پاگلوں کا کام ہے۔

انقلاب اور ڈپلومیسی

ہم ان عقلمندوں کی صف میں جانا گوارا نہیں کرتے جنہوں نے اپنی مجبوریوں سے مضطر ہو کر اپنے آپ کو پاگل بنا رکھا ہے۔ انقلاب اور اس کی روح اس سے انکار کرتی ہے کہ اپنی حقیقی فکر کو چالاکیوں سے چھپایا جائے۔ حکومت پیدا کرنے کے بعد بے شک ڈپلومیٹک سروس برداشت کرنی پڑے گی مگر حکومت پیدا کرنے والی ایک انقلابی پارٹی ڈپلومیسی استعمال نہیں کر سکتی اسے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

آیت نمبر ۵ : وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝۵

(اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔)

اس آیت میں جس مکالمے کا ذکر ہے اس کا تفصیلی ذکر تورات میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ چند آدمی جاسوسوں کے طور پر دشمنوں میں بھیجنا چاہتے تھے ان لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ: ۲۴)

(تم خود چلے جاؤ اور تمہارا خدا بھی تمہارے ساتھ چلا جائے۔ ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ تم دونوں وہاں لڑتے رہنا۔)

یہ ہے وہ ایذا جس کی طرف موسیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے (یہ ہماری تفسیر ہے) ہوا یہ کہ موسیٰ کے حکم سے دوسرے دو آدمی کھڑے ہوگئے اور وہ دشمن کے کیمپ کی خبریں لے کر زندہ واپس آگئے جو لوگ بیٹھ رہے تھے انہوں نے موسیٰ پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں جب وہ جاسوس زندہ واپس آگئے تو اللہ نے موسیٰ کو اس الزام سے بری کر دیا وہ دو آدمی قتل نہ ہوئے موسیٰ اس الزام سے بری ہوگئے۔ یہ ترجمہ ہے اس آیت کا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ

جہاد سے انکار کا انجام

جب وہ پھر گئے (یعنی جہاد میں آگے بڑھنے سے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے (بات سمجھنے سے)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہ وہی جماعت ہے جس کا ذکر آیت نمبر ۵ میں آیا ہے۔ یہی الفاظ سورۃ المائدہ میں آیئے ہیں جہاں یہ الفاظ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

((یہ حالت دیکھ کر) موسیٰ نے کہا "خدایا! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں (اپنے حکم سے) فیصلہ کر دے)۔ (مائدہ: ۲۵)

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

یہودیوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ جہاد کے مسئلے میں آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں ورنہ وہ بھی قرآن حکیم کی سمجھ سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

(اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل ! بیشک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں، تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد (ﷺ) ہوگا پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آگیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔)

جیسے موسیٰؑ نے جہاد کی بنیاد ڈالی اور صفیں باندھ کر دشمن سے لڑنے کا طریق شروع کیا اس کو قائم رکھنے والے انبیاء، رسول اللہ ﷺ تک پیدا ہوتے رہے۔ موسیٰؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے درمیان حضرت عیسیٰؑ ابن مریم ایک بڑے اولوالعزم نبی آئے جن کے ذریعے سے بائبل کی اشاعت ہوئی وہ عیسیٰ بن مریم اور ان کے حواری ہیں۔

بنی اسرائیل میں شاندار حکومت کا مرکز پیدا کرنے کا درجہ طے ہو چکا ہے۔ اب اگر بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں بھی اپنا ایمان اور فکر اس طرح کا بنالیں تو وہ بھی اس برکت کی مستحق ہوسکتی ہیں اور بنی اسرائیل کے ساتھ حکومت میں اشتراک پیدا کر سکتی ہیں مگر موسیٰؑ کے متبع یعنی یہود، اسے قبول نہیں کرتے۔

اس تحریک میں عیسیٰ (ؑ) کا مقام

حضرت عیسیٰؑ نے اس تحریک کو عالمگیر بنانے کی کوشش کی مگر یہود ان کے روبرو اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔ بایں ہمہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریین نے اپنا سلسلہ قائم رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائبل دنیا کی تمام قوموں میں پھیل گئی۔ ہر قوم کے مفکرین کو جنھوں نے بائبل کے اصول کو مان کر اس تحریک میں حصہ لینا چاہا مسیح کے حواریوں نے ان کو مساوی درجہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوموں کی قومیں عیسائیت میں داخل ہونے لگیں اور پھر ان میں بھی حکومت آگئی۔ اس طرح مسیحؑ نے تورات کی بین الاقوامی اشاعت میں خاص حصہ لیا۔ ان کی نبوت بھی بنی اسرائیل میں ایک مستقل شان رکھتی ہے۔

حضرت مسیح کی پیش گوئی فارقلیط کے بارے میں

مسیح کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ جیسی بین الاقوامی حکومت تورات کے اصول پر بنی چاہئے وہ ان کے حواریوں کی کوشش سے نہیں بن سکے گی بلکہ اس کے لئے بنی اسماعیل میں ایک نبی پیدا ہوگا وہ اسے مکمل کرے گا اس لئے انہوں نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ تم اپنا کام جاری رکھو تا آنکہ فارقلیط تمہارے پاس آجائے، میں جا رہا ہوں میرے گئے بغیر نہیں آئے گا میں اسے بھیجوں گا وہ میری بات کہے گا۔ جو کام خدا کرتا ہے میں تمہیں اپنے نام سے کہتا

ہوں یعنی بھیجے گا تو اسے خدا ہی، مگر تمہارے لئے ایک وجہ تسلی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ آ کر اس کی تصدیق کرے گا تو تم اپنے کام کو اطمینان سے جاری رکھ سکو گے۔

نکتہ اشتراک

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام میں نقطہ اشتراک بین الاقوامی حکومت ہے۔ مسیح کے حواری تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی اشاعت دے دیں گے مگر اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے جتنے حوصلے اور طاقت کی ضرورت ہے وہ یہ حواری پیدا نہیں کر سکیں گے، اس کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسماعیل میں مبعوث ہوں گے اور اپنی قوم سے طاقت پیدا کر لیں گے، جو اسی حکومت کی پشتیبانی کرے گی۔

حضرت مسیح کا شاندار کارنامہ

حضرت مسیح علیہ السلام نے تورات کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ملانے میں بڑے شاندار واسطے کا کام دیا ہے۔ اگر وہ تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی طاقتوں میں منتشر نہ کر سکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا آسان نہ ہوتا۔ ممکن تھا کہ جیسے بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے تعلیم پانے کے بعد اسے محدود کرایا ایسے ہی بنی اسماعیل بھی پوری طرح تیاری کرنے کے بعد اپنے مشن کو محدود کر دیتے۔ مگر چونکہ تورات کی تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے توسط سے عام طور پر پھیل چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو دوسری قوموں کی معاونت اس حد تک حاصل ہو گئی کہ وہ تورات کی فکر سے جسے بنی اسماعیل حکومت میں لانا چاہتے تھے آشنا ہو چکی تھی اس لئے رسول اللہ کی جماعت کے لئے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا نسبتاً آسان ہو گیا۔

یہودی علماء کی کور باطنی

اب اگر تورات کے عالموں کو جہاد کے متعلق بصیرت حاصل ہوتی تو وہ دوسری قوموں کی اس ذہنیت سے کہ وہ تورات پر اپنے نظریات درست کر چکے ہیں فائدہ اٹھاتے مگر یہودی اس درجے کے فراخدل نہیں تھے کہ ان کی مثال ہندوستان کے برہمنوں اور بنی اسماعیل کے بعض فرقوں میں پائی جاتی ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

یعنی میں بائبل کے اس حصے کو جسے عہد قدیم کہا جاتا ہے ٹھیک مانتا ہوں مگر اسے دوسری قوموں میں پھیلانا

چاہئے یہ کام میں اچھی طرح سرانجام دے سکتا ہوں پس میری بات سنو اور مانو۔ مگر میں تم میں یہ قابلیت نہیں پاتا کہ تم اس بین الاقوامی تعلیم کی خلافت پیدا کر لو گے۔

وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ

پیشگوئی کی تحریف

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک رسول ﷺ آئے گا جو میرے کام کی اساس پر بین الاقوامی خلافت پیدا کرے گا، اس کی بنیاد تورات ہو گی اس نبی کا نام احمد ﷺ ہو گا یعنی فارقلیط کا ترجمہ ہے آگے تحریف کر کے یہود نے اس کے ہجے بدل دیے اور اس کا ترجمہ تسلی دینے والا وغیرہ کر دیا۔ یہ یہود کی عام عادت ہے۔ یہ لوگ الفاظ کے ہجوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انہیں دوسری معنوں میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ جس معنی کو نہیں بدلنا چاہتے اس میں دوسری قرات پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے "اشاعتُ السنہ" میں فارقلیط پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ کیسے اس کی ہجے بدلی گئی اور کیا کیا معنی پہنائے گئے اس سے پہلے مولانا امداد اللہ رحمتہ اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اس لفظ پر بحث کر چکے ہیں۔ موجودہ اناجیل میں یہ مسئلہ بالکل صاف نظر آتا ہے۔ اس حصے پر سر سید احمد خان نے "خطبات احمدیہ" میں بہت اچھی بحث کی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞

یہود کی غلطی

وہ احمد ﷺ آ گیا تو یہود اس کا انکار کرنے لگ گئے اور کہنے لگے کہ بین الاقوامی حکومت کیسے بن سکتی ہے؟

یہ کوئی جادو ہے؟ حکمران تو ایک ہی ہو گا اور وہ ہم میں سے ہو گا۔ ہم ابراہیم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ پس بادشاہ ہمیشہ ہمارا ہی ہو گا۔ ہم کسی دوسرے کی بادشاہی قبول نہیں کر سکتے۔ اس میں ان کی غلطی یہ ہے کہ حکومت اصل میں قانون کی ہوتی ہے یا شخص کی؟ اگر قانون کی حکومت ہے تو دوسری قوم سے لوگ بھی بادشاہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ اس قانون کو چلائیں۔ پھر یہود کا اصرار کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا ٹھیک نہیں۔

پیغمبر علیہ السلام کی وصیت حجۃ الوداع میں

رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی بادشاہی کی دعوت دی اور اس کو قائم کر دکھایا اور اپنے بعد جو چیز چھوڑ گئے

وہ فقط قرآن ہے۔ حجۃالوداع میں جو خطبہ دیا وہ مسلم کی حدیث میں صاف موجود ہے۔آپ نے فرمایا میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس سے آگے فرمایا کہ وہ القرآن ہے۔ ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا امیر چھوٹے سر والا حبشی ہو مگر یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللہِ فَاتَّبِعُوْہُ ۔ یہ ہے وہ کام جو احمد مرسل ﷺ کر گئے تمام دنیا کی قومیں اس کی تعریف کریں گی۔ تورات کا قانون صحیح تھا اسے تمام قوموں میں جاری کر دکھایا۔

روایت اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیشٍ

جیسے یہودیوں میں یہ فکر تھا کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہونا چاہئے، ویسے ہی قریش بھی ایک جماعت تھی اور اب تک ہے۔ دور قریش کی حکومت کا یقیناً گزر چکا ہے اس لئے مسلمانوں میں اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ قُرَیشٍ کا فقرہ مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہوگیا ہے۔ یہ حدیث کس درجے کی صحیح ہے اس سے ہم بحث نہیں کرتے مگر یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بغداد کے خاتمے تک قریش ہی کی سرداری رہی۔ اس پانسو برس کی مدت میں جو چیز علماء و حکماء اور سیاسی جماعتوں میں مسلم رہی وہ یہی ہے کہ امامت قریش کی ہے لیکن بعض لوگ اسے مستقل قانون کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کی ذہنیت یہود کی ذہنیت کے مشابہ ہے۔ ان لوگوں کا فکر یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والی جماعت خواہ حبشہ سے پیدا ہو یا ایران سے، ہند سے پیدا ہو یا یورپ سے امامت ہر صورت میں قریش ہی کے لئے مخصوص ہے۔

حکومتوں میں طاقت قومی فوج کے زور سے ہوتی ہے جب امیر ایسا ہو کہ فوجی طاقت طبعی طور پر اس کی معاونت نہ کرتی ہو تو اس انمل جوڑ سے کبھی مضبوط حکومت دنیا میں چل نہیں سکتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ جس قوم میں قرآن کی حکومت چلانے کی اہلیت ہے اور جس کی قومی فوج اس کی تائید کے لئے تیار ہے اس میں سے امیر وہی ہوگا جو قرآن کی حکومت چلائے گا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں کو اس امیر کی اطاعت کا حکم اور قریش کو بھی اس امیر کی تابعداری کرنی چاہئے تب رسول اللہ ﷺ کا مشن دنیا میں کامیاب سمجھا جائے گا۔

جب ہم حدیث پڑھ چکے تو اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ قُرَیشٍ پر ہمیں اطمینان تھا مگر ہمارے استاد دولت عثمانیہ کے خلیفہ کی حمایت سکھاتے تھے۔ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ یہ تو قریش نہیں ہیں ان کی اطاعت کیوں کی جائے؟ ہم نے اپنے استاد سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ اگر قریش میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ ہو تو کیا پھر بھی الائمہ من القریش ہوں گے؟ ہمیں بات سمجھ میں آگئی اب ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک مثال: حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اب ایک ایسا شخص فرض کرو جسے فاتحہ نہیں آتی تو فقہ حنفی میں طہ شدہ مسئلہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کی کوئی سورت پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی چونکہ یہ مسئلہ ہماری ذہن میں راسخ تھا اس لئے استاد کے مختصر جواب سے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔

خاتمیت قرآن کی تحقیق

(۱) تبدل قومی اور خاتمیت

قرآن جب اس طرح پر تمام قوموں کو جو قرآن کی تعلیم جاری کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں، مساوی حق دیتا ہے تو اب ہم یہ چیز بھی مان سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔ اس لمبی مدت تک قرآن حکیم کے جاری رہنے میں جو چیز مانع ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک قوم اپنی طاقت ختم کر چکی ہے یا ایک نظام اپنی طاقت ختم کر چکا ہے (مثلاً بادشاہی نظام) اگر قرآن حکیم اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ ہے تو یقیناً اسے بھی اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ مان لینا پڑے گا۔

پہلے ہزار سال میں جن جن قوموں نے اسلام کی خدمت کی ان میں بادشاہی نظام تھا۔ دوسرے ہزار سال سے شاہی نظام ٹوٹنا شروع ہوا اور اب جمہوری نظام دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ اگر یہ چیز مان لی جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کسی خاص قوم یا نظام کے ساتھ پابند نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ جونسی قوم یا جونسا نظام قرآن حکیم کی حکومت چلائے گا تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی چاہے قریش ہوں یا غیر قریش۔ اس قسم کی بات مان لینے کے بعد اس امر کے باور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔

اس کے برعکس قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لئے خاص قوم یا خاص نظام معین کر دیا گیا تو قرآن کی عمر اس قوم یا اس نظام کی عمر تک ہی چل سکتی ہے، اس کے بعد قرآن حکیم کو قطعی طور پر ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک قوم سے حکومت (بادشاہی) دوسری قوم میں چلی جائے اور دوسری قوم بھی قرآن کا حکم قائم رکھے تو اس طرح پر اسلام کی عمر لمبی اور لامحدود ہو جائے گی۔ اور اس بات کو ماننے والے اکثر علماء مسلمانوں میں موجود ہیں، وہ قرآن کو کسی قوم کے ساتھ مقید نہیں مانتے۔ پہلے عربوں نے قرآن حکیم کی حکومت قائم کی پھر ایرانیوں نے کی پھر ترکوں اور ہندیوں میں آئی تو اہل علم ان سب کی خدمات کی قدر کرتے ہیں مگر یہ سارے نظام میں شامل تھے۔ سب قوموں کی تبدلات میں نظام ایک ہی رہا۔

تبدیل نظام اور خاتمیت

اب جس حالت میں نظام بدل گیا تو دوسرے نظام سے بھی قرآن کی خدمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ایسے عالم تو ملیں گے جو یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ دوسرے نظام سے بھی حکومت ہونی چاہیے ورنہ قرآن کی حکومت قیامت سے پہلے ختم ماننی پڑے گی۔

یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ایک قوم کی عقل قرآن کی خدمت کرنے سے عاجز آ جاتی ہے وہ اپنا اطمینان اس طرح کر لیتی ہے کہ اب قیامت آ گئی۔ درحقیقت ان کی اپنی موت آ گئی ہوتی ہے۔ اگر اس جملے میں صداقت ہے تو فقط اتنی کہ اس قوم کی قیامت آ جاتی ہے اسے تمام قوموں کی قیامت ماننا احمقانہ خیال ہے۔ چونکہ اکثر مقدس لوگ پہلے خیال کے حامی ہیں اس لئے انہیں کچھ کہا نہیں جاسکتا حالانکہ دیکھ رہے ہیں کہ قومیں بڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی جگہ لے رہی ہیں مگر نہیں مانتے۔

ایسے ہی اگر ایک نظام ختم ہو جائے گا تو اس نظام کے متبعین بھی شور مچانے لگ جائیں گے کہ قیامت آ گئی، اس کے بغیر ان کی طبیعت مطمئن ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں بھی اس طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس نظام کی موت یا قیامت آ گئی یہ صحیح ہے لیکن اگر دوسرا نظام اس کی جگہ لے رہا ہے تو اسے نوع انسان کی قیامت کس طرح کہا جاسکتا ہے؟ الغرض اس بات کو ماننے والے اکثر اہل علم موجود ہیں جو قوموں کی تبدیلی سے قرآن کی تعلیم جاری رہنے کے قائل نہیں اور ایسے ارتجاعی (Reactionary) بھی موجود ہیں جو اپنی قوم کے سوا دوسری قوم کو قرآن کا خادم نہیں دیکھ سکتے۔

اب جس زمانے سے یہ نظام بدل گیا ہے اہل علم ضرورت تو سمجھتے ہیں کہ کوئی نیا نظام ہونا چاہیے، جس سے قرآن کی خدمت ہو اور جس سے کامیاب قرآنی حکومت بنائی جائے مگر کوئی نظام پیش نہیں کر سکتے۔ ہماری سمجھ یہ ہے کہ خدا نے شاہ ولی اللہ کو اس کام کے لئے خاص طور پر منتخب کیا ہے۔ اس نظام کے تبدیل ہونے سے پہلے اسلام کے لئے نیا نظام پیش کرتے ہیں۔ اس تبدیلی نظام کے بعد بھی قرآن کی حکومت کی عمر لمبی ہو سکتی ہے ہم اس پر مطمئن ہیں اور ہم اس چیز کی طرف اہل علم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم اور جمہوری دور

قرآن عظیم کی بین الاقوامی حکومت کا ایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہو چکا اب جمہوری نظام پر انٹرنیشنل ازم کے ماتحت قرآن حکیم دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اس لئے پہلے مسلم اقوام میں جمہوریت آنی چاہیے پھر یہ جمہوریتیں مل کر ایک انٹرنیشنل مرکز پیدا کریں۔ ہر ایک جمہوریت میں اور اس انٹرنیشنل مرکز میں قرآن حاکم ہو۔

شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام

جس قدر مواد شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں ملے گا جو وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کے دور سے استنباط کرتے ہیں وہ اس نئے دور میں کافی ہے۔ ان کو بعض مسائل میں جمہور اہل علم سے مقابلہ کرنا پڑا ہے اس لئے ان کی بات آسانی سے لوگوں میں شائع نہ ہو سکی، صاف لفظوں میں کہا جائے تو بات یوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور کو خلافت راشدہ سے خارج کر دیتے ہیں اس میں وہ نرم نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آ جائے۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیتے تو ان کی کتاب پڑھی نہ جاتی اور آج بھی اہل علم کا دماغ اتنا جامد ہے کہ وہ اس حقیقت پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر حضرت علیؓ کا دور جو فتنے کا زمانہ تھا قرآن حکیم کی تعلیم کا صحیح مصداق ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم نظام کی پابندی نہیں سکھاتا۔ حضرت ابو بکر اور سیدنا عمر کے زمانے میں نظام تھا تو بھی قرآن کی حکومت ہے، حضرت علیؓ کے زمانے میں نظام نہیں تو بھی قرآن کی حکومت ہے۔ اس سے آج کل کے اہل علم کو یہ لکھنے کا موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم براہ راست کوئی نظام نہیں سکھاتا۔ اسی لئے ٹرکی میں لادینی حکومت پیدا ہو گئی ہے اور کل کو مصر میں ہو کر رہے گی اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے۔ ایران آدھے سے زیادہ لادینی حکومت پیدا کر چکا ہے۔ افغانستان ٹرکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اس طرح جس قوم میں جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کا نظام چلانے کے لئے کوئی عقلمندی باقی نہیں رہی ان کے علماء ان کو براہ راست چلانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم چلے گا تو فقط شاہ ولی اللہ کا بنایا ہوا نظام چلے گا۔

قرون ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت

جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کو چلانے کی سمجھ پیدا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرون ثلاثہ مشہود بہاالخیر سے خارج کر دیا جائے اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہی تسلیم کر لیا جائے اور اسی کو قرون ثلاثہ المشہود بہاالخیر کا مصداق قرار دیا جائے پھر اس دور کے مندرجہ ذیل تین درجے ہوئے۔

(۱) رسول اکرم ﷺ

(۲) سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا زمانہ

(۳) سیدنا عثمانؓ کا زمانہ

یہ امام الہند ولی اللہ کی تعلیم ہے جس میں ہم نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو ایک ساتھ ملاتے ہیں ہم نے سیدنا ابو بکرؓ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملا دیا ہے، یہ ہماری ذاتی رائے

ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نظام کو نہیں بدلا۔ بلکہ ویسا ہی قائم رکھا اس لئے سیدنا ابو بکرؓ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور کو ایک سمجھنا چاہیے۔ سیدنا عمرؓ نے اس نظام میں قدرے تبدیلی کی اس لئے ان کے دور کو دوسرا دور کہنا زیادہ موزوں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگرچہ سیدنا عمرؓ نے نظام میں کچھ تبدیلی کی لیکن بعد میں اس تبدیلی پر خود ہی افسوس کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ کاش! میں یہ تبدیلی نہ کرتا تو اچھا تھا اور ابو بکرؓ کے درجے پر کام کرتا رہتا تو بہتر ہوتا، پس سیدنا عمرؓ کے دور کو دوسرا دور قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

خلافت صدیقی اور حکومت فاروقی کا فرق

سیدنا ابو بکرؓ کے زمانے میں سرمایہ داری کا کوئی احساس قائم نہیں ہونے دیا گیا۔ ساری جماعت مجاہدین ایک درجے پر بقدر ضرورت وظیفہ پاتی رہی۔ چنانچہ جس کے زیادہ بچے تھے اسے زیادہ مل جاتا تھا اور جس کے کم تھے اسے تھوڑا مل جاتا تھا۔ کام کرنے والوں کے اندر بھی کوئی مراتب قائم نہیں کئے گئے تھے۔ بعینہٖ یہی حال حضرت نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔ پس قرآن حکیم کی تعلیم پر عمل کرنے کا یہی معیار ہے۔ سیدنا عمرؓ نے درجے مقرر کردئے اور اسی طرح سرمایہ داری کی بنیاد پڑ گئی۔ گو سیدنا عمرؓ نے اسے غلط طریقے پر جانے نہیں دیا اور پھر آخر میں نادم ہوئے اسی کے بعد سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں ایک تقسیم پر اور اضافہ ہوا جس سے بنو ہاشم اور بنو امیہ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن گئیں اس لئے سیدنا عثمانؓ کی حکومت تیسرے درجے کی حکومت ہے مگر اس عہد میں بھی سرمایہ داری، سوسائٹی کی اساس نہ بن سکی۔ شاہ صاحب اس کے بعد کسی دور کو قابل تقلید نہیں مانتے۔

حضرت علیؓ کا مقام

ان حالات میں شاہ صاحب کے لئے حضرت علیؓ کا مسئلہ بہت پیچیدہ بن جاتا ہے۔ خوارج حضرت علیؓ کے اس اخراج پر بہت خوش ہوں گے مگر شاہ صاحب اس پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں؟ اس لئے شاہ صاحب نے حضرت علیؓ کو آئندہ تمام انقلابات کا امام مان لیا ہے۔ اول امام الانقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے درجے پر امام الانقلاب حضرت علیؓ ہیں۔ شاہ صاحب اس مسئلے پر تفہیمات الٰہیہ (جلد اول ص۶۷ ص۱۱ جلد اول ص۲۴۵) میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔

اس طرح انقلاب، خلافت راشدہ کا جز بن جاتا ہے۔ اب کسی اسلامی نظام کو انقلاب سے علیحدہ کر کے مستقل درجہ دینا غلط ہوگا یوں حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار کی جائے گی۔

شاہ ولی اللہ کی امامت

الغرض بین الاقوامی نظام کو قائم کرنے والی تعلیم جو قرآن حکیم ہے اس پر ہماری آج تک کی معلومات کے بناپر شاہ ولی اللہ کو امام بنائے بغیر اس دوسرے ہزار سال میں عمل تقریباً ناممکن ہے۔ پس اس کے لئے شاہ صاحب کو امام مانناپڑے گااور اسلامی جمہوریتیں قائم کر کے حجاز مقدس میں بین الاقوامی جمہوری نظام قائم کرنا ہوگا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

ترجمہ: پھر جب انکے پاس بینات آگئیں تو کہنے لگے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

بَینات کیا ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق جو تورات کی آیتوں سے اور انجیل کی آیتوں سے صاف واضح ہوتی ہے، جیسا کہ سر سید احمد کے "خطبات احمدیہ" میں تصریح کی گئی ہے، یہ بینات ہیں۔

سحر سے کیا مراد ہے؟

حضرت نبی اکرم ﷺ وہی پروگرام لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ بھی بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں جس پر حکم خداوندی حاکم ہو مگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پروگرام کے تحت بین الاقوامی حکومت کا پیدا ہو جانا جادوگری ہوگی، موسیٰؑ کے طریق کار کا کام نہ ہوگا۔ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو اس سلسلے کا متمم نبی قبول ہی نہیں کرتے۔

(۷) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسلام کی طرف اسے بلایا جارہاہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کتاب الٰہی کی اطاعت کرنا اور اس کا حکم ماننا ہی اسلام ہے۔ قرآن حکیم توریت کی اطاعت کا حکم دیتا ہے گویا وہ اسی اسلام کی دعوت دیتا ہے جسے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ قائم کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اگر کوئی جماعت جو ان کے اتباع کی مدعی ہو اس کا انکار کردے تو اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے؟ انصاف کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ خدا کے قانون کی بے رورعایت واطاعت کی جائے۔ خدا کا وہ قانون جو ابراہیمؑ کے ذریعے سے پھیلا اور موسیٰؑ کی کتاب میں ضبط کیا گیا تھا اسی کی دعوت رسول عربی ﷺ دیتے ہیں، اس کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مخالفین خدا کے نام پر انصاف کرنا نہیں چاہتے یہی سب سے بڑی بے انصافی ہے۔ یہ لوگ ابھی تک اس کے منتظر بھی ہیں کہ

ایک متمم نبی آئے جو توریت اور انجیل کے احکام پورے کردے اور اسکے باوجود اس نبی ﷺ اعظم کو نہیں مانتے۔
وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ۝
اس بے انصافی اور ظلم کے بعد جو انہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ برتی ان کا کوئی حق نہیں رہتا کہ خدا سے یہ امید رکھیں کہ کوئی اور نبی ان کی ہدایت کے لئے بھیجا جائے۔

ارتجاعی جماعتیں

ان آیتوں کے تقاضے سے ہم جس قدر سمجھ سکتے ہیں اس کا یہی حاصل ہے کہ جس نبی کا انتظار یہودی کر رہے ہیں یا عیسائی کر رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان کے تشریف لانے کے بعد کسی نبی کا انتظار قطعاً غلط ہے۔ وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے اور انتظار کئے جاتے ہیں، ان جیسی ارتجاعی جماعتیں مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں ہیں۔ ان کے ہاں یہ فکر کہ کوئی اور شخص آکر دینی تعلیم کو مکمل کرے گا مسلسل پایا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اور مطلب ہو اور قدرت الٰہی کوئی آدمی پیدا کردے تو اسے ہم ممکن مانتے ہیں مگر یہ کہ انسانوں کو تعلیم دینے کے لئے کوئی اور شخص آئے گا اسے ہم قطعاً غلط مانتے ہیں۔

(۸) یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ۝

ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔

ان کی کوششیں یہی ہیں کہ نور الٰہی (قرآن حکیم) بجھادیا جائے۔ اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے اس کی تعلیم کو ناکام بنادیں مگر اللہ اس تعلیم کو کامیاب بنا کر چھوڑے گا۔ مخالف لوگ ناکام رہیں گے مگر ان کو جبراً مغلوب ہو کر رہنا پڑے گا۔

(۹) ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۝

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس دین کا غلبہ تمام ادیان پر محقق ہو گیا۔ اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں خوب بیان فرمائی ہے۔

الۡہُدٰی افراد نوع انسانی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے کے لئے جس ہدایت کی ضرورت ہے وہ الہدی ہے۔

دِیۡنِ الۡحَقِّ اجتماعی قانون جو بین الاقوامی پوزیشن حاصل کرنے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے دِیۡنِ الۡحَقِّ ہے۔ یہ

بھی قرآن میں دیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن کا قانون نوع انسان کے لئے بہترین طبعی قانون ہے اس لئے اس کا تمام ادیان پر غلبہ ہونا چاہیے۔ یہ انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

اَلْمُشْرِكُوْن جن لوگوں نے خدا کے سوا کسی اور کو حاکم مان لیا اور خدا کے قانون کے سوا کسی اور نظام قانون کو بین الاقوامی درجہ دیا وہ مشرک ہیں۔ ان کو مجبور ہو کر اس بین الاقوامی قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ یہی وہ عظیم الشان انقلاب ہے جس کی قرآن حکیم دعوت دیتا ہے۔ جب یہ نور دنیا میں پھیل جائے اور اپنی قوت کا ثبوت ایک مرتبہ دے دے تو اب کسی اور نبی کا انتظار بے سود۔ اسی پروگرام کو انقلابی رنگ میں چلایئے۔

بین الاقوامی غلبے کا پروگرام

رسول اللہ ﷺ کے عمل سے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اظہار دین ہو جائے گا۔ یہ ایک مخصوص جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہوگا جسے حزب اللہ کہتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے اب آئندہ اس مثال کے مطابق کام ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہمیشہ ایسا غلبہ متحقق ہوتا رہے گا اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پروگرام کیا ہے جو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے عمل سے مستنبط ہوتا ہے؟ اس کا ذکر آیات نمبر ۱۰۔۱۳ میں آتا ہے۔

(۱۰) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟

عذاب الیم کیا ہے؟

ایک مذہبی جماعت کا غیر مذہبی حاکم کی اطاعت پر مجبور ہو جانا عذاب الیم ہے۔

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝

تمہیں ایک معاملہ بتائیں جیسے ایک تاجر سوچ سمجھ کر اپنی مرکزی طاقت بڑھا لیتے ہیں تم بھی ایک کام اپنے ہاتھ میں لے لو تو اس عذاب سے ہمیشہ نجات پاؤ گے اور کوئی غیر طاقت جو خدائی قانون کو نہ مانتی ہو تم پر غالب نہ آسکے گی۔

(۱۱) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

عذاب الیم سے بچنے کے لئے کام

ایمان : کامیابی کا اصول یہ ہے کہ قرآن عظیم پر ایمان لاؤاور اس کی تشریحات جو رسول اللہ ﷺ نے دیں اور جن کے مطابق آپ نے لائحہ عمل بنایا اس پر ایمان لاؤ۔ اس کے متعلق ایسا یقین پیدا کر لو کہ کسے اور چیز کے متعلق نہ ہو۔

تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دوسرا کام : یہ قانون ہی سبیل اللہ ہے۔ اسے کامیاب بنانے کے لئے مال دینے اور سر دینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ سب کچھ حزب اللہ کے نظام کے اندر ہو گا۔ اس طرح مال اور سر کی بازی لگا کر کام کرتے رہو یہی جہاد ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ بہترین طریقہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معاملات دنیا کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے تنزل و ترقی کا علم ہو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔

(۱۲) يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؀

ترجمہ : وہ تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں یہ بڑی کامیابی ہے۔

(۱۳) وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؀

ترجمہ : اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے۔

کام کا نتیجہ

اس طرح کام کرنے سے انسانیت کی دونوں ضرورتیں پوری ہو جائیں گی یعنی

(۱) تعلق باللہ کی اصلاح

(۲) دنیا میں غلبہ

(۱) تعلق باللہ کی اصلاح

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ اللہ اور بندے کے تعلقات، اس کے پروگرام جہاد فی سبیل اللہ سے درست ہوں گے۔ جو الھدیٰ کا نتیجہ ہے۔ (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى۔ آیت ۹) اس میں شاہ ولی اللہ نے کتاب خیر کثیر میں کافی بحث کی ہے۔

نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ : جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دین سب ادیان پر غالب آجائے گا۔ (هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ)
وَبَشِّرِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ان کو اس بات کی بشارت دو کہ جب وہ اس ایمانی طریق پر کام کریں گے تو ہمیشہ غالب رہیں گے۔

حضرت مسیح (علیہ السلام) کا نمونہ

رسول اکرم ﷺ کی جماعت نے ایک مرکزی قطعہ زمین پر نمونہ قائم کردیا، اسے ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے وہی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جو حضرت مسیح علیہ السلام نے حواریین کے ذریعے سے قائم کیا۔

بین الاقوامی مرکز

حواریین کو مسیح علیہ السلام کا دیا ہوا پروگرام یہ تھا کہ وہ مسیح علیہ السلام کا پیام دنیا کی قوموں میں نشر کریں۔ ناقوسوں میں اس پیام کی اشاعت کے بعد ایک جماعت تو ایسی پیدا ہوجائے گی جو اسے مانے گی اور ایک مخالف جماعت پیدا ہوجائے گی۔ اس قوم کے ماننے والی جماعت اپنی مخالف جماعت کو شکست دیتی رہے گی۔ اس طرح یہ قانون دنیا بھر میں پھیل جائے گا۔

اسی طرح قرآن کا غلبہ دنیا میں متحقق کرنے کے لئے اگر ایک مرکزی عظیم الشان شاہانہ قوت پیدا ہوجائے تو اس کی پشت پر بہت بڑی فوجی طاقت ہونی چاہیے جو انٹرنیشنل غلبہ حاصل کرسکے مگر اس میں دقت یہ ہے کہ جس مرکز میں اتنی اعلیٰ فوجی طاقت پیدا کی جائے گی وہ خود اصلی قائدہ چھوڑ بیٹھے گا۔ اور اپنا تغلب جمائے گا۔ اس طرح اس کے اندر ہدیٰ کا درجہ قائم ہی نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھ سکے۔ وہ اپنے مخالفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قوت جمع کرے گا۔ چاہے وہ جائز ذرائع سے جمع ہو یا غیر جائز ذرائع سے۔ یہ بات تجربوں سے ثابت ہوچکی ہے۔

ایک قوم میں مرکز ہدایت

اس کے برخلاف دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ قوم میں اپنا اپنا مرکز ہدایت قائم کیا جائے۔ اس قوم کو قومی زبان کی تعلیم دے کر قومی مرکز قائم کردیا جائے۔ وہ اپنی قوم کے مرکز پر غالب آجائے اس کے لئے بہت زیادہ فوجی قوت کی ضرورت نہ ہوگی جیسے پہلی صورت میں ضروری تھی۔ چونکہ یہ قومیں ایک ہی پروگرام پر قائم ہوچکی ہیں۔ وہ باہمی مشورے کے لئے ایک مرکز بناسکتی ہیں۔ اس کے لئے حج کی تحریک بہت کام دے سکتی ہے۔ تمام قوموں کے مسلمان وہاں مل کر بین الاقوامی اجتماع بنالیں گے۔ اس میں زیادہ تر قوت تعلیم اور ہدایت کی ہوگی۔ جہاں لوگ حج کے

لئے جمع ہوں وہ جنگ کا مرکز نہیں ہے وہ فقط خدا یاد کرنے اور صحیح علم پھیلانے کا اجتماعی مرکز ہے۔ فوجی قوت ہر ایک قوم اپنے اپنے گھر کے مخالفوں سے نپٹنے کے لئے اپنے گھر میں جمع کرے گی۔

مرکزی فوجی طاقت کا نقصان

یہ وہ فکر ہے جو ہم آج کل کی انٹرنیشنلسٹ جماعتوں سے سمجھ سکے ہیں۔ ہماری خیال میں حج کی تحریک اور جہاد کے قومی پروگرام اس فکر کو پورا کرتے ہیں مگر ہماری تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں فوجی قوت پیدا ہوئی وہیں شہنشاہی پیدا ہو گئی۔ گو اس سے وقتی طور پر فائدہ پہنچا مگر مستقل طور پر قرآن کی تعمیل کی (Agency) پیدا نہیں ہو سکی۔

دور جمہوریت میں نشر قرآن کا طریق

اب اس دوسرے ہزار سال میں جب شاہی پروگرام ختم ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریتیں لے رہی ہیں ہمارا یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ بیداری آجائے کہ وہ شاہی حکومت کی جگہ قومی حکومتوں کے ذریعے سے قرآن حکیم کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں تو تمام دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت براہ راست پھیل سکتی ہے۔ اس کے لئے ہر زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہونا چاہیے جس کے ساتھ قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام کی تشریح بھی ہو۔ اس کے لئے شاہ ولی اللہ کی حکمت بہت کام دے گی۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے تحفظ کے لئے فوجی طاقت خود جمع کرے۔ انٹرنیشنل مسائل کے سوچنے کے لئے حج سے بہتر کوئی تحریک پیدا نہیں کی جاسکتی۔ مگر ان رسوم کے اندر جو روح تھی اس کے غائب ہو جانے سے وہ نتیجے نہیں نکل رہے اور نہ نکل سکتے ہیں جن کی خاطر یہ قوانین من جانب اللہ سکھائے گئے تھے۔

(۱۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

(اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ پھر ہم نے ایمان داروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔)

كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ یعنی حزب اللہ کا نظام اپنی اپنی قوموں میں پھیلاؤ۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم تیرا پروگرام دنیا کی قوموں میں پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بنی اسرائیل ہی کو لیا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : بنی اسرائیل کے ایک طائفے میں ایمان آگیا۔

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ: دوسری طائفے نے اس پروگرام کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔
بنی اسرائیل کے مومنوں نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کرلیا۔
حضرت مسیح کے حواریین کا یہ طریق عمل، ایک مثال (كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّنَ) ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی تعلیم بھی دنیا کی قوموں میں اسی طرح جاری ہوسکتی ہے۔

اسوہ مسیحؑ کی کامیابی

حضرت مسیح نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے جماعت تیار کی تو اسے پہلے پہل عدم تشدد کا پابند بنادیا مگر یہ حکم ایک محدود زمانے کے لئے تھا۔ جب تک لڑنے والی طاقت تیار نہ ہو عدم تشدد ہی تیاری کا ذریعہ ہوسکتا ہے، تیاری کے بعد لڑنا جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ میں لڑنے اور لڑانے کے لیے آیا ہوں۔ اسی طرح رسول اللہ کو مکہ معظّمہ میں عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تیار کرایا اور مدینہ منورہ میں لڑنے کا پروگرام دیا۔ پس یہ نسخہ پہلے بنی اسرائیل میں پھر بنی اسماعیل میں استعمال کیا جاچکا ہے اور اس کے طفیل عربی طاقت نے کسریٰ و قیصر پر غلبہ حاصل کیا۔

اسوہ محمدی ﷺ کی کامیابی

شاہ ولی اللہ کی تحقیقات میں حجاز کی فتح کا نتیجہ عرب پر غلبہ تھا پھر عراق اور شام پر عربی طاقت کی مدد سے غلبہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد عراقی طاقت سے ایران پر اور شامی طاقت سے رومی سلطنت پر غلبہ حاصل کیا گیا خشت برخشت انٹرنیشنل غلبہ حاصل ہوگیا۔ اسی طرح دنیا میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ حزب اللہ کا آخری پروگرام ہے۔

سورۃ الجمعہ
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

تفسیر سورۃالجمعہ

سورۃالصّف کے ساتھ ربط :

رسول اللہ ﷺ کو اپنا بین الاقوامی پروگرام پورا کرنا اسی طریقے پر آسان تھا، جس پر حضرت مسیحؑ نے تورات کی اشاعت عامہ کی کوشش کی، یعنی ہر قوم میں سے اپنے نظریات ماننے والی جماعت تیار کرلی جائے اور وہی جماعت اپنی قوم کے مخالفوں سے لڑے اور اپنے پروگرام کو حاکمانہ شان دے دے۔ اگر ایک مرکز سے کوئی شہنشاہ اٹھے اور وہ ساری دنیا کو فتح کرتا پھرے، جیسے پہلے زمانے میں سکندر یا اس سے بھی پہلے ذوالقرنین کے نمونے موجود ہیں، تو وہ کوئی دیرپا بین الاقوامی مرکز پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس طرح سے پیدا شدہ بین الاقوامیت پائیدار ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کے حاکموں کا پیدا ہونا ایک فکر کے عمومی غلبے کے لئے ضروری ہے تاکہ عام لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ اس فکر میں کتنی طاقت ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، اس کے اظہار کے لئے وقتاً فوقتاً انسانیت میں بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ پیدا ہوتے رہتے ہیں، مگر ان کے ذریعے سے اوروں کی مستقل تربیت نہیں ہوسکتی۔

قومی انقلاب سے قرآنی تحریک کو فائدہ :

جیسے ایک شہر کی تہذیب و اصلاح کے لئے اس شہر کے ہر ایک خاندان کی اصلاح پر ہونی ضروری ہے، اسی طرح ایک مملکت کی اصلاح جو انقلاب کا نتیجہ ہونی چاہئے اس مملکت کے تمام شہروں میں اس تہذیب کے مراکز قائم کئے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بین الاقوامی پروگرام کے لئے زبانوں سے علیحدہ ہونے والی قومیں ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اکائیوں کی اصلاح مستقل بنیادوں پر قائم ہونی چاہئے۔ اب یہ چیز قائم ہوجائے تو بین الاقوامی پروگرام دنیا کے سامنے صاف ہوکر آئے گا، اور دیر تک چلے گا، اس میں یہ طاقت آجائے گی کہ اگر اس کی تحریک میں کبھی عارضی کمزوریاں پیدا ہوجائیں، تو اس کے اندر ہی سے انقلابی قوت پیدا ہوکر اس کمزوری کو دور کردے اور اس تحریک کی اصلاح کردے۔

مضبوط مرکز کا نقصان :

اگر قوموں کو کسی بین الاقوامی مرکز کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ جائیں، تو اس مرکز میں کمزوری آنے کے بعد ان میں انقلابی تحریک پیدا ہونا اور ان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ ایک بڑے مرکز سے اقوام میں ایک پروگرام جاری کرنے سے اگر یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ تحریک بہت جلد پھیل جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ بھی پیش نظر آتا ہے کہ اگر اس مرکز میں خرابی آجائے تو اتنی بڑی قوموں کی اصلاح خطرناک طور پر مشکل ہو جائے گی اور پھر وہ خرابی اندھے بچے دے کر قوموں کو بہت دور تک گمراہ کر دے گی۔

صحیح طریق عمل :

اس لئے صحیح طریق عمل جو آج تک دنیا میں تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے، یہی ہے کہ ہر ایک قوم کے اندر اس کی ذہنیت کے مطابق اس کی زبان میں بین الاقوامی اہتداء کا مخزن جمع کر دیا جائے ،وہ قوم اپنے بھلے برے کا فیصلہ کرنے کے لئے خود مختار ہو۔ اس طرح ایک پروگرام پر مختلف قومیں تیار ہو جائیں، تو ان کو کسی بھی مرکز میں بیٹھ کر، بین الاقوامی پروگرام کامیاب بنانا چنداں مشکل نہیں ہے۔

بین الاقوامی مرکز :

ہم اس بین الاقوامی مرکز کے لئے کوئی ایسی سرزمین تجویز نہیں کر سکتے، جو کسی خاص قوم کے تمدن سے رنگین ہو، اگر یہ بین الاقوامی مرکز کسی خاص متمدن قوم کے ہاتھوں میں آجائے گا، تو وہ اپنے قومی پروگرام ہی کو بین الاقوامی درجہ دینے کے لئے، اسے بری طرح استعمال کرے گی۔ اس لئے ہم حجاز کی سرزمین کو جو وادی غیر ذی زرع ہے اور جس کا بیت العلم اقوام میں "حرم" کا درجہ پیدا کر چکا ہے، بین الاقوامی مشاورت کے لئے بطور مرکز تجویز کرتے ہیں اور اس کی مرکزیت کو تمام دیگر مراکز پر راجح مانتے ہیں، بشرطیکہ اس پر کسی خاص متمدن قوم کا تغلب پیدا نہ ہو جائے اور حجاز اپنی فطری آزادی پر قائم رہے۔

سورۂ صف کے آخری حصے کے مطابق حضرت مسیحؑ کا جو طریق عمل بیان کیا گیا ہے، اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمی مشن قائم کیا، اس کی مثال سورۃ الجمعہ میں یوں آتی ہے :

(۱) يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (۶۲:۱)

(جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، جو بادشاہ، پاک ذات اور بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔)

کیا خدا محتاج ہے؟

اہل علم کو اشاعت معارف کی جو دعوت دی گئی ہے، اس میں اللہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کا نظام اس پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔ وہ اس میں کسی کا محتاج نہیں ہے، تو جو نظام وہ انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بھی وہ انسانوں کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ انسانوں سے کیوں کہتا ہے کہ وہ، ''یہ کام کریں اور خدا کے لئے کریں؟'' یہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ترقی کا موقعہ دیا جائے۔

زمین و آسمان اس اللہ کی پاکیزگی کی شہادت دیتے ہیں اور ان کی ساخت ثابت کرتی ہے کہ اللہ ان صفات کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ:

(۱) الملک (۲) القدوس (۳) العزیز (۴) الحکیم۔

اس کائنات میں خدا تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ کا کامل ظہور ہو رہا ہے۔ چنانچہ خدا کے سوا کوئی شخص اپنے آپ کو حقیقی اور مطلق معنوں میں الملک (بادشاہ) نہیں کہہ سکتا۔ ساری کائنات میں حکومت اور بادشاہی دراصل اللہ ہی کی ہے۔ اسی طرح کوئی اپنے آپ کو عیوب ظاہری و باطنی سے قدوس (پاک) نہیں کہہ سکتا۔ کائنات صرف خدا ہی کو کامل اور اکمل طور پر عیوب سے پاک ثابت کرتی ہے۔ ایسے ہی حقیقی عزت اور اس کے ذریعہ سے غلبہ صرف خدا کو حاصل ہے اور سب کی عزتیں اور غلبے اس کے غلبے اور عزت کے دھندلے نقوش ہیں۔ حکیم بھی حقیقت میں اللہ ہی ہے، جو اس کائنات کا خالق باری اور مصور ہے، وہی اس کائنات کے تمام اجزا اور ان کے باہمی ربط اور ان کی اندرونی روح سے واقف ہے، پس حکمت کا مالک اصل میں اللہ ہی ہے۔

ان صفات کے بیان کی غرض:

اللہ تعالیٰ جو الملک، القدوس، العزیز اور الحکیم ہے، ان صفات کے تقاضوں پر انسان کو ترقی دینا چاہتا ہے۔

(۱) الملک

اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی بادشاہی میں نیابت اور خلافت دینی چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جیسے اس کا حکم ملائک (فرشتوں) کے ذریعے سے آسمانوں میں پورا ہوتا ہے، اسی طرح نوع انسانی میں بھی اس کا حکم پاکباز فرشتہ خصلت انسانوں کے ذریعے سے پورا ہو۔

(۲) القدوس:

خدا تعالیٰ قدوس ہے، وہ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے، اس کے نام کی جو حکومت قائم ہو اور اس کے نام سے جو تعلیم دی جائے اس میں بھی انسانی عیوب پیدا نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ وہ جماعت جو اللہ کے نام کی حکومت پیدا کرے انسانی کمالات کا بہترین مظاہرہ کرے اور اس میں خدا کی قدوسیت کا رنگ (صبغۃاللہ) غالب ہو۔ دنیا کی حکمران جماعتوں میں جتنے عیوب پائے جاتے ہیں، یہ جماعت نسبتاً ان سے پاک ہو۔ دنیا کی معلم جماعتوں میں جس قدر غلطیاں راسخ ہو چکی ہیں، قدوسیوں کی یہ جماعت ان سے بھی پاک ہو۔ یہ اللہ کا منشا ہے اور قدوسیت الٰہی کے مناسب ہے۔

(۳)العزیز:

اللہ تعالیٰ ان قوموں کو جو قرآن حکیم کی تعلیم بلند کریں، عزت دینی چاہتا ہے، وہ اس تعلیم کے ذریعے سے دنیا میں غلبہ حاصل کریں گے۔ اور آخرت میں مراتب رفیعہ پر فائز ہوں گے۔

(۴) الحکیم:

عزت ایک دفعہ سیاسی یا فوجی غلبے سے حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اسے صدیوں تک سنبھالنے کے لئے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے، خدا اس جماعت کو حکمت بھی عطا کرنا چاہتا ہے تاکہ حکومت اور حکمت ان میں جمع ہو جائیں۔ کسی قوم میں حکومت سنبھالنے کی طاقت اتنی ہی ہو گی جتنی اس میں حکمت ہو گی۔

حکمت کیا ہے؟:

فطرت انسانی کے جو طبعی تقاضے ہیں، ان کی پوری سمجھ پیدا کرنا الحکمت ہے، یعنی افراد انسانی، اقوام اور اصناف کو سمجھنا اور انہیں نوعی تقاضوں کے ماتحت لانا حکمت ہے۔ افراد، اشخاص، اقوام اور اصناف کے تقاضے غیر متبدل نہیں ہیں مگر انسانیت کے تقاضے مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے۔ "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ" (اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی) اور ان تقاضوں کو سمجھنا "ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ" (۳۰:۳۰) (یہی دین قیم ہے) اور ان تقاضوں کے مطابق قرآن کے احکام نافذ کرنا حکمت عملی ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ قرآن حکیم (یٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝) کے ذریعے سے انسانوں کو حکمت سکھائے، پس خدا کی حاکمیت، قدوسیت، عزیزیت اور حکیمیت کا تقاضا ہے کہ ایک نبی ایسا پیدا ہو، جو ساری نوع انسانی کو نوعی تقاضوں کا صحیح علم دے، اور یہ علم منظم طور پر اہل دنیا کو سمجھادے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ، الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔

قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشا ان الفاظ میں بتایا ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (۹: ۶۱ اور ۴۸: ۲۸)

(وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کردے۔)

اس کے لئے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے اور غالب کرے۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۃ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے اور اسی سورت سے حزب اللہ کے غلبہ کی پیشگوئی کی جارہی ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصے میں آیا ہے کہ:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (۵۸: ۲۱)

یعنی (خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ اس لئے وہ اپنے رسولوں کی جماعتوں کو عزت دیا کرتا ہے۔)

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (۶۳: ۸)

(ہر قسم کی عزت اللہ کو اس کے پیغمبر اور مؤمنوں کے لیے ہے)

اس کے بعد سورہ حشر میں آتا ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (۵۹: ۱)

(جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کے (مقرر شدہ قوانین پر چلتے ہوئے اسکی عظمت اور) پاکی بیان کرتے ہیں اور وہی زبردست طاقت اور غلبے والا (اور) حکمت والا ہے۔)

یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبے کی پیشگوئی کرتی ہے جس کے لئے اس سورت (الحشر) میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں خدا تعالیٰ کی دو صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر نہایت معنیٰ خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لئے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد سورۃ الممتحنہ میں حزب کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لئے ہدایات دی گئی ہیں۔ اس لئے اس سورت میں "العزیز" اور "الحکیم" کے اسمائے حسنیٰ کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورہ صف میں سورۃ حشر کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ یعنی سورہ حشر میں حزب اللہ کے حربی اصولوں کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے تو سورۃ صف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے، اس لئے یہاں پھر ان اسمائے حسنیٰ کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۵۹:۱)

(جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہی غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔)

سورۃ جمعہ میں غلبے کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے، بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تو ان کی توضیح بھی کر دی گئی۔ اس لئے سورہ الحشر اور سورہ الصّف میں خدا تعالیٰ کے جو اسماء حسنیٰ آچکے ہیں، یعنی اَلْعَزِيْزُ، اَلْحَكِيْمُ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، اَلرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ، اَلْمَلِكُ، اَلْقُدُّوْس، اَلسَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، اَلْمُهَيْمِنُ، اَلْجَبَّارُ، اَلْمُتَكَبِّرُ، اَلْخَالِقُ، اَلْبَارِئُ، اَلْمُصَوِّرُ۔ ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء حسنیٰ یعنی "اَلْمَلِكُ، اَلْقُدُّوْسُ، اَلْعَزِيْزُ اور اَلْحَكِيْمُ" کو سورۃ جمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

(۲) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

چنانچہ خدا نے اُمیوں میں سے ایک انسان چن لیا، اس کے اندر ایسی ہمت اور عالی دماغی پیدا کی کہ وہ اس نیابت الٰہی کے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

نبی اُمیّوں میں سے کیوں لیا گیا؟

وہ ان پڑھ لوگوں میں سے لئے گئے۔ کیونکہ پڑھے لکھے لوگ اہل کتاب، اپنی فطرت خراب کر چکے ہیں۔ ان کے قلوب شکوک و اوہام کے گہوارے بنے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت شناسی سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کو کوئی بات سمجھانا آسان نہیں ہے۔ مکہ معظّمہ ایک غیر متمدن مرکز ہے اور کسی خاص قوم کے تمدن کے زیر اثر نہیں ہے۔

اس لئے بھی یہ مرکز اس قابل ہے کہ صحیح اور صالح تعلیم جو انسانیت کی اساس پر قائم ہو، اس قوم میں پھیل سکے۔ اہل قریش اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں، وہ قدیم روایات عالیہ کے حامل ہیں۔ اگرچہ اس وقت جہالت کے باعث ان کی حالت اچھی نہیں ہے، لیکن اوپر کے پردے کے نیچے، صالح اور کارکن طاقت موجود ہے۔ وہ بین الاقوامی پروگرام اخذ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں، پھر ان پر کوئی حکومت بھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے ان پر پابندیاں عائد ہوچکی ہوں۔ ہر ایک خاندان اور ہر گھرانہ اپنی فطری آزادی پر قائم ہے۔ اگر ان لوگوں کو بین الاقوامی پروگرام کے اصول صحیح طور پر سمجھادیئے جائیں، تو ان کے تمام خاندان اس میں رنگین ہوجائیں گے اور اس طرح بین الاقوامی کام کے لئے پنیری تیار ہوجائے گی۔

عام اہل یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب اور اہل عرب کو اُمّی کہا گیا۔ ہمارے نزدیک مجوس، ہنود اور بدھ مت بھی اُمّی اقوام میں داخل ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، جس کے احکام کو یہ ناقابل تبدیل قانون مانتے ہوں۔ اگر کوئی تھی بھی تو مرور زمانہ سے وہ عوام میں سے بالکل نکل چکی ہے اور عوام اتنے جاہل رہ گئے ہیں کہ انہیں کسی کا علم بھی نہیں ہے اور یہ صرف اپنے علماء کی زبانی تعلیم ہی کو خدائی تعلیم مانتے ہیں۔ صرف نصاریٰ اور یہود ساری انسانیت کو جامع نہیں ہیں۔ انسانیت کو جمع کرنے کے لئے ہنود، مجوس اور بُدھوں کو بھی ذہن میں لانا پڑتا ہے۔

''الملک'' کا اثر حیات انسانی پر :

چھوٹے چھوٹے فقرے ہوں، جن میں حکمت کے گر مستور ہوں، الفاظ فصیح ہوں، جملے کی ترکیب دلکش ہو، ایسے جملوں کو آیات کہا جاتا ہے۔

رسول ان کو اس قسم کی آیات سکھاتا ہے، جن میں فطرت انسانی کے مطابق احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام انسانیت عامہ کے تقاضے پورے کرتے ہیں، رسول ان کو یہ باتیں اپنی قوم کی مادری زبان میں جو فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور یاد کرواتا ہے، کیونکہ یہ لوگ اَن پڑھ ہیں۔ اس قسم کے جملے ان کو روزمرہ کام آنے والے ہیں۔ یہ استدلال کی الجھنوں سے پاک ہیں۔ اس قسم کے مختصر جملوں پر حکمت کی بڑی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حکمت کے چار اصول قرار دیئے ہیں :

(۱) طہارت (۲) سماحت (۳) خضوع (۴) عدالت

انہوں نے حکمت منزلی، حکمت بلدی، حکمت ملی اور بین الاقوامی حکمت انہی اصول اربعہ پر رائج کر دکھائی ہے۔

اگر ان اساسات کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں بغیر کسی خاص ترتیب کے عام لوگوں کو پیش کر دیئے جائیں اور ان میں سے ہر شخص ایک جملہ چن کر اسے اپنا مقصد زندگی بنالے تو یہ اس قوم کی حکیمانہ ترقی کے لئے بنیاد ثابت ہوں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں حکمت کے ان جملوں کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور فقط توحید کے لفظ کو سامنے رکھ کر تمام شرائع کو اس طرف راجع کر دکھایا ہے اور عدالت کو بالکل بھول گئے ہیں!

توحید اور عدل:

ہماری تحقیق یہ ہے کہ اسلام نے توحید پر جو زور دیا ہے اور شرک کے رد کی جو اہمیت جتائی ہے، تو اس کی روح یہ ہے کہ مشرک سب سے بڑا ظالم ہے۔ دوسرے لفظوں میں توحید، انسانیت کی سب سے محکم اساس ہے۔ اگر ہمارے بچوں اور ان پڑھ لوگوں کو اخلاق کے اساسی جملے یاد کرادیئے جائیں، جو ان کے روز مرہ میں استعمال ہو سکتے ہیں، تو ہماری جہتیں قرآن حکیم کے سمجھنے کے لئے بہت جلد تبدیل ہو سکتی ہیں، مگر اس کوتاہی نے باوجود بہت محنت کرنے کے ہمیں نتائج سے محروم کر رکھا ہے۔

اگرچہ تقویٰ کے لفظ میں عدالت شامل ہے جیسے "اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی" (۵:۸) سے سمجھ میں آتا ہے، یا جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا بِالۡقِسۡطِ (۳:۱۸) کی آیت میں اشارہ ہے۔ اور ہم ان اشاروں کو صحیح طور پر سمجھ لیتے تو ہماری سوسائٹی اتنی نہ گرتی۔ "لا الٰہ الا اللہ" کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاف قائم کیا جائے۔ یہ "قَآئِماً بِالۡقِسۡطِ" کا ترجمہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اللہ کے سوا تمام معبودوں کا انکار کر دے اور جس سوسائٹی میں رہے، وہاں انصاف قائم کرے اور وہ انصاف کو اپنے ایمان کے مرکزی نقطے تک پہنچادے، یعنی اسے جتنا اللہ پر یقین ہے اسی قدر انصاف کرنا اپنا فرض بنالے تو اس سے بڑھ کر نہ انقلابی جماعت ہو سکتی ہے نہ اصلاح کرنے والی۔

خدا کی قدوسیت کا اثر:

(۲) وَيُزَكِّيۡهِمۡ: جو بات کہی جائے سوچ سمجھ کر کہی جائے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے۔

تزکیہ کیا ہے؟:

ایسی بات دنیا میں اثر پیدا کرتی ہے، اس سے انقلاب نمایاں ہوتا ہے اور اس سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ پس سوچ سمجھ کر ذمہ داری سے بات کہنا تزکیہ ہے۔

لوگوں کو اصول بتادیئے گئے ہیں، اب ان سے جو کچھ کہا جائے وہ ان اصولوں کی طرف راجع ہونا چاہئے۔ وہ اپنے معاملے کو گھر میں جاری کریں یا شہر میں۔ ان کا تعلق ان کی ذات کے ساتھ ہو یا حکومت کے ساتھ۔ ان اصولوں سے جو انہوں نے ابتدا میں اپنالئے ہیں، باہر نہیں جائیں گے۔ ہر معاملے کی تہہ میں وہ انہی اصولوں کو ملحوظ رکھیں گے۔

ذمہ داری کا مطلب:

سوچ سمجھ کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک بات کہتے ہیں، تو وہ خود بھی اس کے پورے پورے پابند ہوتے ہیں۔ یہ ان کی ذمہ دارانہ حیثیت ہے۔ اس کے لئے انسان تزکئے کے بعد ہی تیار ہوتا ہے۔ ان دونوں خوبیوں کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ گندی ہے۔ جس میں اس قسم کی کوئی گندی عادت ہو، اس کی نسبت کہا جائے گا وہ نادان یا جاہل ہے۔ ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ بدمعاش ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ اس قسم کی گندگیوں سے پاک انسان مزکیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں، انسان کو پاک کرنے کی طاقت ہے۔ ہر فرد کے دل میں پاکیزگی کا خیال مستقل طور پر قائم کر دیتے ہیں۔ یہ ہے "یُزَکِّیۡهِمۡ" کا ترجمہ۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اَلْكِتَاب: "جماعتی قانون"، اسے افراد کی حالت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر جماعت مجموعی طور پر اس کی پابندی نہ کرے، تو برباد ہو جائے گی، افراد میں صلاحیت باقی رہے تو ممکن ہے مگر افراد میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، اس قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ اس جماعت کا مستقل عنوان ہوتا ہے۔

ناقابل تبدیل قانون کو عربی میں، "لکھا ہوا قانون" کہا جاتا ہے۔ حاکم جب ایک قانون کو لکھ دیتا ہے، تو اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے توریت کے غیر متبدل احکام عشرہ کو "الکتاب" کہا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم کو بھی جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر متبدل ہے اور جو حقیقت میں توریت ہی کا دوسرا ایڈیشن ہے "الکتاب" کہا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی ایک ایک سورت بھی الکتاب ہے۔ اس میں مفرد جملوں کے تعلیمی درجے ہیں۔ بعض میں اونچی تعلیم ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کتاب سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک سورت کے ان مفرد جملوں یا آیتوں کے نظام کو سمجھا جائے۔

يُعَلِّمُهُمْ: "رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے ہیں" یعنی ان میں یہ سمجھ پیدا کر دیتے ہیں۔ اب ایک، سورت پڑھنے والا

اس کا مطلب نکال لے گا، اس میں کوئی تمہید ہو گی، کوئی دلیل ہو گی اور کوئی نتیجہ ہو گا۔ سب میں ایک نظام اور ربط پایا جائے گا، اس کے بغیر کوئی مجموعہ، کتاب کہلا ہی نہیں سکتا۔

تناسق سورۃ اور ربط آیات کی ضرورت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو دو مختلف خیال اپنے فکر کے لئے قرآن سے استدلال نہ کر سکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے۔ اس لئے ایک عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لئے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔

قانون کی پابندی سے جماعت کی جو شیرازہ بندی ہوتی ہے، وہ اس جماعت کو عزت مند بناتی ہے، تو خدائے عزیز اس کتاب (قانون) کے ذریعے سے مومنوں کو عزت دینا چاہتا ہے۔

اَلْحَكِيْم کا اثر:

يُعَلِّمُهُمُ الْحِكْمَةَ

الحکمۃ قانون کی روح کا نام ہے۔

قرآن حکیم انسانیت میں جو تہذیب پیدا کرنی چاہتا ہے، اس کی بنیاد انسانیت کے عام اصولوں پر ہو گی۔ ان احکام سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسانیت مکمل ہوتی جائے گی۔ احکام کی ایسی روح معین کر دینا، کہ ان احکام سے انسانیت کو اس طرح ترقی دینے کے سوا، دوسرے مطلب کے لئے کس طرح پڑھنی چاہئے؟ یہ الکتاب (The Letter of Law) ہے۔ اس کی تشریح و توضیح فقہاء (Gurists) کا کام ہے۔ قرآن حکیم نے نماز کے متعلق یہ بھی فرما دیا ہے کہ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" (۲۰ : ۱۴) (یعنی نماز ادا کرنا اس مطلب کے لئے ہے کہ انسان کو اس کا رب یاد آتا رہے)۔ یہ صلٰوۃ کی حکمت کہلائے گی۔ اب اگر ہم صورۃً جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کے تمام قوانین کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں، مگر اللہ کا ذکر ہماری طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوتا، تو سمجھا جائے کہ ہماری نماز منافقانہ ہے اور نماز

پڑھنے سے کوئی دنیاوی فائدہ مقصود ہے۔ اس ایک جملے نے نماز کو غلط طریقے پر استعمال کئے جانے سے روک دیا۔

اسی طرح قرآن حکیم کی نسبت کہا گیا کہ "ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ" یعنی یہ انصاف قائم کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اس ایک جملے میں قرآن حکیم کی ساری حکمت ضبط کر دی گئی ہے۔ اب اگر قرآن پڑھنے والوں کا مقصد انصاف قائم کرنا نہیں ہے، تو وہ حقیقت میں قرآن نہیں پڑھ رہے۔ وہ منافقانہ نماز کی طرح کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے صورۃً قرآن کو ڈھال بناتے ہیں۔

(۲) "وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ"

یعنی "یہ لوگ اس سے پہلے ان قوانین اور ان کی روح سے قطعاً ناآشنا تھے۔" گو ان میں صلاحیت موجود تھی، مگر معلّمین سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے ان کی سوسائٹی کا نظام، اس موضوع سے بہت دور آگے بڑھ کر یہاں تک پہنچا کہ اس جماعت نے قیصر و کسریٰ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ بین الاقوامی پروگرام سے ناآشنا تھے، لیکن جب وہ پروگرام ان کو دیا گیا تو انہوں نے اسے آگے بڑھانے کی تمام شرطیں پوری کیں اور دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیتوں کو چیلنج دے دیا۔ یہ نتیجہ تھا اس تربیت کا جو قرآن نے انہیں دی۔

(۳) وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔

(اور اس رسول کی بعثت) دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ اور وہ اللہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔)

اُمّیوں کا دوسرا طبقہ :

"اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ" سے مراد ایرانی ہیں۔ یہ امیوں کا دوسرا طبقہ ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: دوسری قوم جو ابھی تک عرب سے نہیں ملی، وہ ان کی قوم ہے۔ "مِنۡہُمۡ" کی ضمیر "ھُمۡ" کا مرجع اُمیین ہی ہے۔

اہل فارس ابتداء میں ایک کتاب کے مالک تھے، لیکن اب وہ کتاب ایک چھوٹے سے طبقے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، جس نے اس کے علم پر قبضہ کر رکھا تھا اور یہ علماء ہی اس علم کے خزینہ دار رہ گئے تھے۔ عوام بالکل امی تھے۔ اب یہ لوگ عربوں سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آگے یہ چل کر ایرانی ہی ہندوؤں اور بدھوں کے استاد بنیں گے۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلام ایرانی علماء کی کوششوں سے پھیلا، اسی طرح ترکوں کو بھی ایرانیوں ہی نے اسلام سے متعارف کرایا، اس طرح اسلام کی بین الاقوامیت متحقق ہو گئی۔

مکہ میں بین الاقوامیت اور اس کی بین الاقوامی ترقی کا بیج مکی زندگی میں ہی بو یا گیا تھا، کیونکہ بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کو اس زمانے میں قریب کا ہم پلہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ جبکہ یہود نے تورات کو ماننے والی غیر یہودی اقوام کو اپنے برابر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابتدائی مکی زندگی میں جس بین الاقوامیت کی بنیاد اشخاص کی شمولیت سے رکھی گئی تھی، اس نے آگے چل کر اقوام کی بین الاقوامیت کی شکل اختیار کرلی۔ چنانچہ جہاد میں ایران فتح کرنے کے لئے عرب کے ساتھ عراقی نومسلم بھی شامل ہوئے۔ ایسے ہی رومی فتوحات میں، شام کے نومسلم عربوں کے شریک رہے۔ یہ وہ صورت ہے جس کی طرف سورہ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ؀

(مسلمانو! تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ! جیسے عیسیٰ بن مریم نے (اپنے) حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہوتا ہے؟ حواریوں نے کہا تھا، اللہ کے مددگار ہم ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کی راہ اختیار کی۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی تو وہ غالب ہو گئے۔)

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی، اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہو گیا، اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آ گئی۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز:

یہاں ایک مخفی دستورِ حقیقت کی طرف تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے، انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں مکہ معظّمہ میں انہی قوموں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں، جن کو 'جنوں' کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے۔ اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ راز ہے، جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورہ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ

تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان قوموں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہو گیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے اڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

(۴) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

(یہ (نبوت) اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)

بین الاقوامی مرکزیت :

یہ خصوصیت، جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ ان کے پروگرام پر دوسری قوموں کے حصے ٹھیک ہوتے جاتے ہیں، اور اپنی قوموں سے لڑنے میں زیادہ ہمت دکھاتے ہیں اللہ کا خاص فضل ہے۔

یہود کی گراوٹ :

حضرت مسیحؑ نے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تعلیمی کام شروع کیا، ان کے حواریوں کی زندگی میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، کہ وہ تعلیم دیتے ہوئے شہید ہوئے مگر تعلیم کو ترک نہ کیا۔

حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے کام کے نمونے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی کام کیا، یہ انصار اور مہاجرین ہیں۔ جب کام بڑھے گا تو فرائض تقسیم ہو جائیں گے، لیکن جو چیز سب میں مشترک رہے گی، وہ یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبرائیں گے، عدم تشدد کی پابندی کریں گے، تعلیم دیں گے اور جب تک انہیں خاص تیاری کے بعد حکم نہ دیا جائے، وہ لڑیں گے نہیں۔ اس کے باوجود وہ موت سے نہیں بھاگیں گے۔ ظاہر ہے کہ مخالف قوتیں کب یہ برداشت کر سکتی ہیں کہ ان کے نظام کو توڑنے والی تعلیم ان کے گھروں میں پھیلے؟ وہ ضرور رکاوٹیں ڈالیں گے، وہ ان لوگوں کو تکلیفیں پہنچائیں گے حتیٰ کہ قتل بھی کریں گے۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب اگر ان میں یہ جذبہ کمزور ہو گیا ہے اور وہ موت سے گھبراتے نہیں تو وہ کارآمد ثابت نہیں ہوں گے۔ اگلی آیتوں میں یہی مضمون آتا ہے۔

(۵) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

(جن لوگوں پر توراۃ (کے علم و فضل) کا بار ڈالا گیا تھا، پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی

ہے جو بڑی بڑی کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ان کی مثال (اس سے بھی) بری ہے اور ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا)

انقلاب کے لئے موت سے بے خوفی کی ضرورت :

یہود اس بزدلی اور منافقت کا مجسمہ ہیں، ان کا اس بات کو نہ سمجھنا کہ تعلیم موت سے نڈر ہوئے بغیر جاری نہیں رہ سکتی، ان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ وہ جس تحریک کے حامل ہیں، وہ اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تحریک ہے۔ جس تحریک میں اتنی نہ سہی کسی درجے کی بھی انسانی عزت و شرف کا شائبہ ہو، گو وہ اتنی جامعیت نہ رکھتی ہو کہ، اس میں اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ہوں، بلکہ صرف ایک آدھ میں انسانیت کی شان بلند کرنے والی ہو، وہ بھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تعلیم جاری رہ سکتی ہے، سواءِ اس کے جس کے نتیجہ میں پارٹی پیدا ہو اور جب تک اس کے معلم اور مبلغ موت سے نڈر ہو کر آگے نہ بڑھیں۔ یورپ کی انقلابی سوسائٹیوں کو دیکھ کر یہ فکر بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ انسانیت کی بہت تھوڑی جزوی خدمت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو بھی ان کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے باوجود وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا : سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء کی ایک جماعت ہے جو حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کی حامل ہے۔ وہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ "لَمْ يَحْمِلُوْهَا" یعنی 'وہ اس ڈیوٹی کے لوازم محسوس نہیں کرتے'۔ "حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ" نام تو ہے تورات سکھانے والے، مگر سکھانے کی جو شرطیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے۔ اس صورت میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسانیت سے گر گئے ہیں، کیونکہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس تعلیم کو قبول کیا ہے اسے آگے بڑھانے کے لئے موت تک قبول کی جائے۔ پس وہ نرے گدھے ہیں اور کتابیں لادے پھرتے ہیں، مگر ان کا مطلب نہیں سمجھتے جس سے ان کے دلوں میں کام کا ارادہ پیدا ہو۔ گدھے پر کتابیں لادو اسے کچھ خبر نہیں ہو گی کہ کتابیں ہیں یا اینٹیں!

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ظلم اور تکذیب اٰیات اللہ :

قرآن حکیم جیسی تعلیم کا ان کو گدھا کہنا معمولی بات نہیں ہے! انہوں نے ظلم کی بنیاد ڈال دی ہے۔ انصاف کا ایک قانون قوم مانتی ہے، تو وہ دنیا میں بہترین نمونہ پیش کر سکتی ہے۔ اب انصاف کے اتنے بڑے قانون کو جو

حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلا، اُسے بیکار اور بے ثمر بنا دینا اور اس کی تعلیم برائے نام جاری رکھنا اور ایسے نمونے تیار کرنا جن سے کوئی شخص تربیت نہ پا سکے بہت بڑے ظلم کی بنیاد ڈالنا ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو مجرم تک نہیں مانتے، تو گویا موسیٰؑ کی تعلیم ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی، اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں۔ یہ آیات اللہ کی صریحی تکذیب ہے۔ سیاسی کاموں میں اس طرح نہیں ہو سکتا کہ ایک تحریک کی تائید کرنے والا ہے اور دوسرا اسکی مخالفت میں بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔ دونوں اس کے موید مان لئے جائیں، تو یہ حقیقت میں اس تحریک کی تکذیب ہے۔ 'کام سے انکار' کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دینی کام میں سر دینا پڑے تو اس دین ہی سے انکار کر دینا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

ان لوگوں کو ایک دفعہ صحیح بات سمجھا دی گئی ہے، مگر اب وہ اس پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، اس لئے اب ان کو نیا نبی دینا ضروری نہیں۔ نبی ایسی مردہ جماعت کے سامنے آ کر کیا کرے گا؟

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (۷:۱۷۹)

آیت کا خلاصہ یہ ہے "جو لوگ کتاب الٰہی کے حامل ہوتے ہوئے اور کائنات میں ہدایت کا سامان ہوتے ہوئے اور اس امر کے باوجود کہ ان کو قلب، بصر اور سمع جیسے ذرائع حصول علم دیئے گئے ہیں، وہ سوچ کر کام کا ارادہ نہیں کرتے، وہ حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ حیوانات علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے محروم ہیں، وہ اگر سوچ سمجھ کر اپنی راہ عمل تعین نہ کریں، تو یہ ان کی فطرت ہے۔ مگر انسان جب اس قسم کی روش اختیار کرے تو وہ اپنی انسانیت سے گر جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ وہ مطلق حیوانیت کے مقام پر ٹھہر جائے بلکہ وہ اپنے قویٰ کو غلط طریق پر استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح حیوانیت مطلقہ سے بھی گر جاتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں کہا گیا کہ؛ بِئْسَ مَثَلُ۔ ان کی مثال بہت بری ہے۔

اب یہود کو ان کی غلطی پر صاف الفاظ میں متنبہ کیا جاتا ہے۔

(۶) قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾

(اے پیغمبر!) یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم اللہ کے ولی اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ (خدا کی راہ میں) موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو (تو ضرور ایسا کروگے)۔

یہود کو چیلنج :

یعنی "اگر یہود کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح موسیٰؑ کو ساری دنیا سے چن لیا، ایسے ہی موسیٰؑ کے متبع ہونے کی وجہ سے یہود دنیا کی ممتاز ترین قوم ہے اور کوئی قوم اس مقام پر نہیں پہنچتی، تو ان کا زعم صرف اسی صورت میں صحیح مانا جاسکتا ہے کہ موسیٰؑ کی تعلیم کے پورے پورے پابند ہوں اور خدا سے موت مانگیں، یعنی جس میدان میں موت کا اندیشہ ہو وہاں آگے بڑھ کر اپنی تعلیمات کو پھیلائیں"۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت مسیحؑ کے حواریوں سے بہتر مانتے ہیں مگر وہ لوگ (حواری) تو مسیح کی تعلیم اور تورات موت کے منہ میں جاکر پہنچا آتے ہیں، اگر یہود سچے ہیں تو انہیں بھی اس طرح آگے بڑھ کر میدان میں جانا چاہئے۔

تمنائے موت کی تفسیر قرآن سے :

تمنائے موت کی تفسیر قرآن نے کردی ہے۔ ایک صحابی بدر میں حاضر نہ ہوسکے تھے، وہ کہنے لگے کہ کاش! ہمیں بھی کفار سے لڑنے کا موقع ملتا! پھر اللہ سبحان تعالیٰ دیکھتا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد احد کی جنگ ہوئی، وہ اصحابی اس جنگ میں شامل تھے۔ مگر احد میں شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ (۳ : ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں تمنائے موت کی معنی ہیں: میدان جنگ میں جانے کے لئے آمادہ ہونا، دوسرے لفظوں میں قتل ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا! قرآن کا پروگرام ہو یا تورات وہ ایک ہی چیز ہے۔ یورپ کی انقلابی جماعتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس میں موت سے نڈر ہونے کا مادہ نہ ہو، وہ کسی معمولی انقلابی تحریک کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا، قرآن حکیم یا تورات کے انقلاب کو کامیاب بنانا تو بہت بڑی چیز ہے۔

(۷) وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾

(اور یہ کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں، کیونکہ انہوں نے ایسے کام کیے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب سمجھتے ہیں۔)

موت سے بھاگنے کا سبب :

چونکہ یہ لوگ انسانیت کے درجہ سے گر چکے ہیں، اس لئے یہ کبھی ایسے میدان میں نہیں اتریں گے، جہاں

انہیں موت کا خوف ہوگا۔ غلط طریقے پر زندگی تعمیر کرنا، اپنے شرعی پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے سامان زندگی جمع کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس کی ایک علمی جماعت مرتکب نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر وہ ایسے موقعوں پر جانے لگیں تو جو سامان انہوں نے اکٹھا کر رکھا ہے اور جس کے بڑھانے میں وہ دن رات مگن ہیں، وہ برباد ہو جائے گا۔ مگر انہیں سامان دنیا کی فراغت نصیب نہ ہوگی، جب تک وہ اپنے قانون کی حکومت نہ کرلیں گے۔ لیکن وہ اس قانون کی حکومت قائم کرنے کے لئے قربانی دینے کو تیار نہیں اس لئے ان کا اس پروگرام پر قبضہ جما کر بیٹھنا ظلم عظیم ہے۔

ہم نے اپنی بیرونی زندگی میں اپنے ہندوستانی نوجوانوں کو جو کالجوں میں تعلیم پا چکے تھے، یا ہماری اپنی درسگاہوں میں پڑھ چکے تھے، کا کافی تجربہ کیا ہے۔ ان میں موت کے منہ میں جانے کی ہمت کسی دوسری قوم کے نوجوانوں سے کم نہیں پائی گئی۔ ایک ایک آدمی کو تین تین دفعہ موت کے منہ میں بھیجا گیا۔ وہ خوشی خوشی گیا اور کامیاب واپس آیا۔ اگر ہم یہ چیزیں نہ دیکھ لیتے تو ہمیں کبھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ ہم شاہ ولی اللہؒ کے پروگرام یا شیخ الہندؒ کے پروگرام کو زندہ کرنے کا نام لیتے، چونکہ ہمارے نوجوانوں میں یہ مرض سرایت نہیں کئے ہوئے، اس لئے ہم خداوند تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ اگر ہماری قوم میں دین کی پابندی کے ساتھ آج کے سائنٹفک انقلاب کا ڈھنگ پیدا ہوسکے تو ہم دنیا کی قوموں کی صف اول میں بیٹھ سکیں گے، اسے چاہے مرض سمجھو یا خوبی ہماری قوم دین کے پروگرام کے سوا کسی اور پروگرام پر اٹھے گی نہیں۔ یورپین ذہنیت کے لوگ اسے مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ہمارے پاس ایک دینی انقلابی پروگرام موجود ہے اور وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ پر ہے جس کے تربیت یافتہ نوجوان موت سے نہیں گھبراتے، اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ان کو اس پروگرام سے پوری طرح واقف کر دیا جائے تو وہ کسی دوسری قوم سے ہرگز پیچھے نہ رہیں گے۔

جو موت سے نہیں گھبراتے وہ پیچھے ہٹ نہیں سکتے :

یہاں ہم یہ بات نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں، کہ اگر کوئی مرشد نما بزرگ، علمی نقصان رکھنے والا استاد، موت کے منہ میں جانے کے لئے آمادہ نہیں ہے تو اسے جماعت کی سرداری سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسنؒ ہمارے بزرگوں میں تیسرے طبقے کے آدمی ہیں، پہلے طبقے کے لوگ وہ تھے جو حضرت مولانا کے ساتھی تھے، دوسرے طبقے کے وہ لوگ تھے جو مولانا گنگوہیؒ کی طرز کے تھے۔ مولانا شیخ الہند دونوں جماعتوں سے پیچھے کی جماعت کے تھے۔ ہم نے ان کو موت سے اتنا بے خوف دیکھا ہے کہ ہم دنیا کے کسی انقلابی کو ان کے برابر نہیں مان سکتے۔ اس لئے ہماری طبیعت میں فخر ہے کہ ہمارا استاد دنیا کا سب سے زیادہ موت

سے بے خوف بزرگ تھا۔ جس جماعت کا رہنما ایسا ہو اور جس کے نوجوان افراد ایسے ہوں جیسے ہم نے دیکھے، وہ دنیا میں ناکام نہیں رہ سکتے۔ معلوم ہو کہ کامیابی کی شرط یہ ہے کہ موت سے ڈرنے والے آدمیوں کو جماعت کی رکنیت سے قطعاً خارج کر دیا جائے۔

ہمارے استاد جہاد کی تحریک کے رہنما، ہماری اس جماعت کے سب آدمی اس چیز کو جانتے ہیں، حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں سورۂ برات کی کسی آیت کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے فلاں سن میں علماء کو دعوت جہاد دینی شروع کی، تو سوائے مولانا (شیخ الہند) کے اس تحریک کا کہیں سے جواب نہ ملا۔ یہ اتنی صاف بات ہے کہ مولانا ابوالکلام بھی جو دوسری جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اسے جانتے ہیں۔ اسی طرح علی گڑھ کی جماعت کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں۔ اب اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں، مولانا شیخ الہند کی جماعت میں ایک طبقہ ان کی تحریک کی عملاً مخالفت کرتا رہا۔ کم سے کم ان کے عمل سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا شیخ الہند کے طریقے کی تغلیط ہو جاتی ہے، مگر وہ مولانا کے خلاف زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم نے ایک مرتبہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ایک مثال دے کر یہ بات سمجھائی کہ مولانا شیخ الہندؒ کو ماننے والی جماعت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۱) ایک جماعت تو وہ ہے، جو حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو صحیح مانتی ہے اور ان کے ساتھ شریک کار ہو گئی ہے۔

(۲) دوسری جماعت وہ ہے کہ ان کے پروگرام کو صحیح تو مانتی ہے لیکن یہ لوگ کام نہ کر سکے اور کمزوری کا عذر پیش کرنے لگے اور اپنے آپ کو مجرم کے طور پر پیش کرنے لگے۔ یہ دونوں لوگ ایسے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان والی جماعت تھی۔

(۳) تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جو اپنے قول و فعل سے حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ اور مدعی ہیں کہ ہم مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ان کے علوم کے حامل ہیں۔ یہ جماعت ایسی ہے جیسی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافقین کی جماعت تھی۔

اب ہم کہتے ہیں کہ یا تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ مولانا شیخ الہندؒ جاہل اور مفسد تھے، انہوں نے مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال دیا اور ان کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگر مولانا شیخ الہندؒ کو حق پر مان لیا جائے تو ان کے اتباع میں سے جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فکراً ان کے خلاف تلقین کرتے ہیں، وہ ان کے مکذب ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مولانا شیخ الہندؒ کا مسلک بھی ٹھیک ہو، اور ان کے خلاف دعوت دینے والی جماعت، راستی پر ہو۔ اس قسم کے لوگوں کو ضرور دیوبندی جماعت کی لیڈرشپ سے علیحدہ کر دیا جانا چاہئے۔ جب تک یہ منافقت پیدا کرنے والے لوگ ذمہ

داری کے مناصب پر قابض رہیں گے، مخلصین آگے بڑھ کر کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ آج ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم ان کو جماعت سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مگر جب ہمارا بس چلے گا انکو ملک سے خارج کرنے، جیل میں قید کرنے یا موت کی سزا دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

(۸) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(ان سے کہہ دو، اے نفس پرستو! جس موت سے تم اس قدر بھاگتے ہو وہ کچھ تمہیں چھوڑ نہ دیگی ایک دن ضرور آئے گی۔ پھر تم اُس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے پھر جو کچھ کرتے رہے ہو! وہ تم کو اس سے آگاہ کر دے گا۔)

موت سے مفر نہیں:

موت سے ڈرنے والے لوگ موت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ نہایت نامعقول فکر میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جس قسم کی توقعات انہوں نے باندھ رکھی ہیں، وہ مرنے سے پہلے کبھی پوری نہ ہو سکیں گی، بلکہ وہ حسرتیں لے کر مر جائیں گے اور پھر اتنے بڑے پروگرام کو برباد کرنے کی ذمہ داری کی جواب دہی کے لئے خدا کے سامنے حاضر ہوں گے، وہ ان کے تمام ظاہری کاموں اور ان کے دلوں کے خفیہ ارادوں کو بخوبی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے درس عبرت:

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم نے تعلیم کے لئے دو نمونے پیش کئے، ایک قریش کا اور ایک آرین قوموں کا۔ یہ دونوں قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اور موت سے نہیں ڈریں گے، یہ حضرت مسیحؑ کے حواریین کا نمونہ تھا جو قرآن حکیم نے معین کیا ہے۔

اس کے بعد دوسری جماعت یہود کی پیش کر دی گئی ہے۔ جنہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو تنبیہہ کر دی گئی کہ ان کے نمونے کی پیروی نہ کریں اور ان سے کوئی مشابہت اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ جس طرح نصاریٰ نے باوجود یہود کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے کے ان کی اس نالائق حرکت میں موافقت نہیں کی، مسلمان بھی اس بری حرکت میں ان کی موافقت نہیں کریں گے۔ قرآن حکیم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا نمونہ زندہ کر دیا، مگر وہ یہود کے طرز عمل سے بیزار ہے۔ یہود پر ایک دفعہ تو حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے لعنت پڑی اور دوسری مرتبہ وہ قرآن حکیم کی مخالفت کی وجہ سے ملعون ہوئے، ان کی کبھی موافقت نہ کی جائے گی۔ انہوں نے طلب دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنالیا ہے۔ چنانچہ آج سرمایہ داری کا مرکز یہ ہو رہے ہیں۔

ہنود اور یہود کی مماثلت :

ہماری سمجھ میں ہندو برہمن، یہودیوں کا پورا پورا نمونہ ہیں۔ اگر یورپ میں سرمایہ داری کی مصیبت یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے، تو ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان میں ہندو جو برہمنوں کے تابع ہیں سرمایہ داری کی وہی مصیبتیں پیدا کریں گے، جو یہود نے یورپ میں پیدا کیں۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ مل کر کسی شکل میں کام کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر یہ ملکی خدمت میں کوئی سچا کام کریں تو اس میں بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کریں۔ یعنی ان سے قطعی طور پر مستغنی ہو جائیں۔ ہم نے ابھی یہ درجہ اپنے لئے پیدا نہیں کیا۔ بعض اوقات وہ اچھا کام کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے علیحدہ رہ کر اتنا اچھا کام نہیں کر سکتے، تو ہم اس خاص حرکت میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کا سارا پروگرام ماننے کے لئے تیار رہیں۔

(۹) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۹

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے ندا کی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم جانو!)

یہودیت سے بچنے کا طریق :

اب مسلمانوں کو ایسا طریقہ بتانا چاہئے کہ ان میں یہودیت نہ آئے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی زمانے میں یہود اچھی قوم تھے۔

يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (۲:۴۷)

مگر ان میں بعد میں تنزل آ گیا مسلمانوں کو ان باتوں سے متنبہ کر دینا چاہئے جس سے یہ تنزل پیدا ہوا تاکہ وہ ان باتوں سے بچے رہیں۔

آیت نمبر ۹ میں اس امر کی توضیح شروع ہوتی ہے۔

جماعتی کام میں ایک دِقّت ہے۔ وہ یہ ہے کہ یا تو قرآن کی انقلابی تعلیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تیاری ہو سکتی ہے یا روپیہ کمایا جا سکتا ہے۔ اگر اس قسم کا تعارض ایک وقت میں پیدا ہو جائے تو ہمیشہ روپیہ پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ جذبہ اسی وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سعی نہ کی جائے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تمہیں انقلابی تحریکوں کی حقیقت اور ان کی کامیابی کے پروگرام کا موازنہ ہے تو تم کبھی مالی منفعت کو اس انقلابی فکر یا ہمت پر ترجیح نہیں دو گے۔

انقلاب میں کامیابی کی شرط :

کسی جماعت میں انقلابی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کے کارکنوں کا دماغ بلند ہو، وہ انقلابی معاملات کو آخر تک سوچ سکیں، ان کی ہمت اتنی بلند ہو کہ وہ اس راہ میں تمام مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کر سکیں۔ جب رہنمائے انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیں، یعنی اگلے ہفتے کا پروگرام دیں تو وہ لوگ جو انقلاب کی حقیقت سمجھ چکے ہیں، اس اجتماع سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے، وہ کسی مالی منفعت کے خیال سے اس جماعت کی حالت سے کوتاہی نہیں کر سکتے۔

(۱۰) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

(پس جب نماز ادا ہو چکی ہو تو زمین پر چلو۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔)

انقلاب اور جلبِ مال :

اس میں شک نہیں کہ انقلابی ضروریات اور مالی ضروریات شخصی کا تعارض پیش آئے تو انقلابی ضروریات کو ترجیح دی جانی چاہئے، مگر مقصود یہ نہیں ہے کہ اکتساب مال کو کلیۃً ترک کر دیا جائے، بلکہ انقلابی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اور پروگرام سیکھ چکنے کے بعد مالی منافع حاصل کرنے میں بھی پوری ہمت سے کام لو۔ مدعا صرف یہ ہے کہ حصول مال کو انقلابی کاموں پر ترجیح نہ دی جائے۔

"وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" یعنی جتنی مالی منفعت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ اللہ سے طلب کرو، اس طرح تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کی ہمت پیدا کر لو تاکہ علمی مجلس میں جو وقت صرف کیا ہے اس کی کسر بھی نکل جائے۔

"وَاذْكُرُو اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔ جب تم مالی معاملات میں مصروف ہوتے ہو اس وقت بھی اللہ کو نہ بھولو۔ بلکہ اسے یاد رکھو، اللہ تمہیں اتنی سمجھ دے دے گا کہ تم اس کمی کو پورا کر لو۔

ایک محسوس مثال :

اگلی آیت میں اس کلیہ قاعدے کو ایک محسوس مثال کے ذریعے سے عام فہم بنا دیا گیا ہے۔

(۱۱) وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاۨ انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۠

(اور جب وہ لوگ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں، تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں! کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔)

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے والوں سے ملنے چلے گئے، تاکہ پہلے معاملہ کر کے زیادہ نفع حاصل کر سکیں۔ اس قسم کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ جب انقلابی، علمی کام ہو رہا ہو تو ملی معاملات اور کھیل کو دسب مؤخر کر دینے لازم ہیں۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ

یاد رکھو قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم سے جو طاقت جماعت میں پیدا ہو گی وہ تجارت اور لہو ولعب سے بدرجہا بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۠

انسان انقلابی عقل میں جتنی ترقی کرے گا، اتنا ہی تجارت میں بھی زیادہ نفع کمانے کی قابلیت پیدا کرے گا۔

تجارتی پیچ بھی انقلابی تحریکات کے داؤ پیچ کی مانند ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ انقلابی مسائل حل کر سکتے ہیں، وہ اس دماغی قوت کو تجارتی کاموں کی طرف متوجہ کریں، تو وہاں بھی مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

سورۃ المنافقون
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

تفسیر سورۃ المنافقون

یہ سورۃ مدنی ہے

سورۂ جمعہ کے ساتھ ربط

پچھلی سورت الجمعہ میں بے عمل لوگوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی تھیں۔

(۱) بے عمل لوگ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتے اور سستی برتتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل، صوری، تو باقی رہتی ہے لیکن معنوی طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی تمثیل کے لیے

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

(۲) جو لوگ احکام الٰہی کی تعمیل میں جان دینے سے جی چراتے ہیں۔ اس کی تمثیل آیت: فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ میں بیان کی گئی۔

منافق کون ہے؟

جب کسی انسان کے تحت الشعور (Subconscious Mind) میں، اپنی جان بچانے کا فکر بیٹھ جاتا ہے تو وہ احکام الٰہی سیکھنے سے طبعاً گریز کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ ان احکام میں کہیں ایسی چیز کا ذکر نہ آجائے جس پر مجھے جان دینی پڑے۔ وہ دنیوی زندگی ہی کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس طرح کا مسلمان بظاہر ایک مسلم سوسائٹی کا ممبر بنا رہ سکتا ہے لیکن وہ اس سوسائٹی کے مرکز میں نہیں آسکتا اور نہ بیدار مرکزی طاقت اس پر کبھی اعتماد کر سکتی ہے۔ کسی سیاسی جماعت میں جو شخص اس قسم کا ہو جب اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو اس تحریک کو روکنے کا باعث بنتی ہیں تو وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔

نفاق کا انجام کفر ہے

اس طرح کی زندگی بسر کرتے رہنے میں ضرور کوئی نہ کوئی وقت آتا ہے کہ ایسا شخص اس تحریک کے روکنے

والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ دینی تحریک کو روکنے والے کا نام کافر ہے۔ منافق اصل میں انقلابی تحریک کو روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اسے آگے بڑھانے والی تحریکات میں حصہ لینے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے البتہ یہ بات کہ اس نے تحریک کو روکا اس پر اس وقت صادق آتی ہے جب وہ عملاً مخالفین تحریک میں شامل ہو جائے، ایسے شخص کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ جب وہ مخالفین کی تحریک میں شامل ہو کر تحریک کو روکتا ہے تو کافر بن جاتا ہے۔ زمانہ حال کی بولی میں (Sleeping Partner) اور اخلاقی ہمدردی (Moral Sympathy) کے جو الفاظ رائج ہیں در حقیقت منافقانہ ذہنیت ہی کا اظہار کرتے ہیں اگرچہ اس حد تک نہ سہی جو کفر سے ملی ہوتی ہے۔ ایسا شخص عمرانیت کی اصطلاح میں (Value Deranged) کہلاتا ہے۔

منافق کا اخراج اور مصلحت

منافق شخص ترقی کرنے والی سوسائٹی کا غیر فعال حصہ ہوتا ہے اور کسی ترقی کرنے والے معاشرے میں غیر فعال حصہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ کوئی کام اسے سپرد کر کے یہ توقع رکھنا کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ اسے پورا کرے گا غلط ہوتا ہے لیکن اسے سوسائٹی سے علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چلتے چلتے اسے سمجھ آجاتی ہے اور فعال بن جاتا ہے۔ جیسے کنواں کھودتے ہیں تو کسی جگہ سخت زمین آجاتی ہے، اور انسان مایوس ہو کر اسے چھوڑ بیٹھتا ہے، مگر زلزلے یا کسی اور مؤثر قوت کے بروئے کار آجانے سے زمین پھٹ جاتی ہے اور پانی نکل آتا ہے۔ اس لئے ایسے انسان کو سوسائٹی سے کلیۃً خارج کرنا مصلحت قرار نہیں دیا گیا۔ اس مصلحت کے تحت رسول اکرم ﷺ نے منافقین کو اپنی جماعت سے خارج نہیں کیا۔ گو وقت آنے پر منافقین اسلامی تحریک سے خود بخود علیحدہ ہو گئے۔

منافق کی سزا موت

تاہم کوئی پارٹی صحیح طریق سے کام نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ منافقین کو الگ نہ کرے۔ اسے صحیح طور پر معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے اندر کون کون سے منافقین ہیں، ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں ذمہ داری کا کام دیا جائے گا۔ لیکن اگر منافقین کی حرکات اس حد تک پہنچ جائیں کہ مرکزی جماعت انہیں قتل کرنا مفاد عامہ کے لئے ضروری سمجھتی ہے تو وہ یہ بھی کر سکتی ہے لیکن یہ بڑی ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کی چیز ہے۔

قتل کی شرط

ہمارے خیال میں منافقین کو اس وقت قتل کرنا چاہئے ،جب وہ اعلانیہ طور پر تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں، اس صورت میں ان کے قتل سے کوئی فساد برپا نہیں ہوتا، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سوسائٹی میں انسان کی جان محفوظ و مامون نہیں ہے۔ ہر شخص کو یقین ہونا چاہیے کہ جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے اس کا جان و مال محفوظ رہے گا، مگر یہ کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ منافقین اور کارکن لوگ ایک ہی صف میں بٹھا دیئے جائیں۔

دوسری سزا

ضرورت کے وقت ایسے آدمیوں کا پردہ فاش بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کام کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں۔

ڈسپلن کمیٹی

ہم نے یورپ میں پارٹیوں کا جو نظام دیکھا ہے اس میں خاص چیز یہ ہے کہ پارٹی میں ضبط (Disipline) قائم رکھنے کے لئے ایک علیحدہ کمیٹی ہوتی ہے اسے ڈسپلن کمیٹی (Disipline Committee) کہتے ہیں۔اس کمیٹی کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی نہ کوئی اسے منسوخ کرسکتا ہے۔ یہ کمیٹی نگرانی کرتی رہتی ہے۔اس کے جاسوس ہر رکن پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں کہ وہ کس سے ملتا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ کیا فکر رکھتا ہے؟ بعض اوقات اس کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اسے سوسائٹی میں نہیں رکھنا چاہئے،اس وقت اسے قتل ہی کر دیا جاتا ہے، اس فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔انقلاب میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں جو انقلابات ہو چکے ہیں ان میں ایسا ہی کیا جاچکا ہے۔

اس سورت کا موضوع

یہ سورت حقیقت میں اس جماعت منافقین کی ذہنیت کی توضیح کرتی ہے، جو مذہبی حلقے میں پائی جاتی ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہ علمی جماعت ہے۔ تورات کی حامل ہے۔ مگر موت سے بھاگتی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو سوسائٹی پیدا کریں گے وہ اسی قسم کے ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ ایک آدمی کتاب الٰہی کو تو مانتا ہے، مگر اس کے حکم سے جان دینے پر آمادہ نہیں ہوتا، ایسے شخص کی صحبت سے جو سوسائٹی پیدا ہوگی، وہ منافقوں کی سوسائٹی ہی ہو سکتی

ہے۔ اگر ایک عالم اس قسم کی تحریک جاری کرے جس سے بنی آدم کا ایک اچھا خاصہ حصہ منافق بن جائے، تو ان سب کا وبال اس ایک کی گردن پر ہوگا۔ اس قسم کے عالم بالتّورات یا عالم بالقرآن منافق ہے اس سے ایک سلیم الطبع ان پڑھ آدمی بدرجہا بہتر ہے۔ وہ جاہل تو ہو سکتا ہے لیکن منافق نہیں بن سکتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی سبب سے صحیح بات نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ اعلانیہ منکر بھی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایک تعلیم کو اعلانیہ تو مانتا رہے مگر اس کا قلب یقین سے یکسر خالی ہو۔ یہ سلامت طبع کے خلاف ہے۔

مثال کے طور پر ایک بڑا مقصد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک گروہ ایک اصول کو اختیار کرلیتا ہے، وہ ایک پارٹی کہلائے گی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے دوسرا گروہ دوسرا طریق اختیار کرتا ہے۔ یہ دوسری پارٹی بن جائے گی۔ ایک طرح سوچنے والے لوگ دوسری طرح سوچنے والی پارٹی میں شامل نہیں ہو سکتے وہ بالمقابل پارٹی بنائیں گے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو مختلف اصول کار رکھنے والی پارٹیاں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ اس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک پارٹی لڑنے کو جائز سمجھتی ہے اور دوسری لڑنے کو ناجائز سمجھتی ہے گو دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ملک کے لئے آزادی حاصل کرنا۔ اگر یہ دونوں پارٹیاں مخلوط ہو جائیں تو ان کے کام میں جمود (Dead lock) پیدا ہو جائے گا۔

ایسے ہی ایک پارٹی ہے جو ایک ایک شخص کا، مخالف طاقت سے لڑنا، جائز سمجھتی ہے یہ انقلابی جماعت ہے۔ دوسری پارٹی وہ ہے جو سوائے ایک بڑے مسلمان بادشاہ اور بڑی فوج کے، مخالف غیر مسلم طاقت سے لڑنا، جائز نہیں سمجھتی۔ اگر یہ دونوں مل کر کام کرنے لگیں تو دونوں نکمّی ہو جائیں گی۔ اس لئے ان کو دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا چاہئے۔ یہ نہایت کارآمد اصول کار ہے جو یورپ کی انقلابی پارٹیوں کے تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہم مختلف الاصول جماعتوں کے مل کر کام کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ پارٹی پالیٹکس کا اصول اولین یہ ہے کہ ہم فکر لوگ ہی جمع ہو کر پارٹی بنائیں اور ایک متحدہ پروگرام پر کام کریں۔

مرتب کہتا ہے: حضرت مولانا سندھیؒ لاہور سے ایک عالم کو اپنے ساتھ گوٹھ پیر جھنڈے (سندھ) لے گئے وہ ان کی درسگاہ میں پڑھانے لگ گیا۔ ایک روز اس عالم نے مولاناؒ سے بڑے زور سے کہا کہ میں فلاں روز لاہور جارہا ہوں میرے لئے تین سو روپے کا بندوبست ہو جانا چاہئے۔ مولاناؒ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ جس روز کا ان عالم صاحب نے نوٹس دیا تھا، اس سے ایک روز پہلے وہ پھر روپے لینے کے لئے پیچھے پڑ گئے۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ عالم آگے بڑھے کہ وہیں مولاناؒ سے پھر تقاضا کریں لیکن مولاناؒ نوافل پڑھنے کے لئے نیت باندھ چکے تھے۔ عالم صاحب کو مایوس ہو کر بیٹھ جانا پڑا لیکن وہ تلملاتے رہے۔ مولاناؒ نے ابھی دو نفل پڑھ کر سلام پھیرا ہی تھا کہ ایک

شخص مسجد میں آیا اور روپوں کی ایک تھیلی مولاناؒ کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ یہاں رکھ دو وہ رکھ کر چلا گیا۔ پھر مولاناؒ نے اس عالم کو اشارہ کیا کہ ان روپوں میں سے لے لو انہوں نے اپنے مطالبے کے تین سو روپے گن کر لے لئے اور باقی روپے جو تعداد میں کئی سو تھے، تھیلی ہی میں رہنے دیئے۔ مولاناؒ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات آئے کہ پہلے ایک پیسہ بھی نہیں لیکن ہزاروں کی ضرورتیں فضل الٰہی سے پوری ہوتی رہیں اور آپ برابر انقلابی کام میں لگے رہے۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①

(جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔)

منافقین کی منافقت

منافق کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یہ کہنا صحیح ہے اس لیے کہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا آپ کو رسول کہنا محض زبانی ہے وہ دل سے مان کر رسول اللہ نہیں کہتے ویسے ہی کہتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ کو رسول اللہ بھی کہتے رہیں گے اور اس کے کام میں رکاوٹیں بھی ڈالتے رہیں گے اس لئے ان کا یہ زبانی دعویٰ جھوٹا ہے۔

آیت نمبر ۲ : اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

(ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے سو یہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے ہیں بے شک وہ کام بہت برے ہیں۔ جو یہ کرتے ہیں۔)

اگر ان سے کہا جائے کہ تم رسول اللہ کو رسول اللہ مانتے ہو تو وہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کو مانتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی احکام پر عمل کرنے سے روکتے ہیں اب زبانی قسمیں کھا کھا کر کہنا کہ ہم رسول ﷺ کو مانتے ہیں نہایت برا کام ہے اس طرح کی سوسائٹی پیدا کرنا جرم ہے۔ قرآن حکیم وہ پہلی کتاب ہے جس نے علم کی غایت اصلی عمل کو قرار دیا ہے۔ علم اگر معاشرے کی ترکیب میں داخل ہے تو معاشرہ بغیر افراد کی عمل کے حقیقی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ قرآنی عمرانیات علم کی عظمت اور علم و عمل کے امتزاج سے ظاہر ہوتی ہے۔ معاشرے اور علم کی

مناسبت سے عمل کو جو اہم مقام حاصل ہے وہ آج کی عمرانیات کا اہم مسئلہ ہے چنانچہ دور جدید کے مشہور ماہر عمرانیات (Talcoat Parsons) معاشرے کے وجود اور ارتقاء کے لیے عمل پر بہت زور دیتا ہے لیکن قرآن حکیم نے علم و عمل کے لزوم کو انسانی زندگی کے لیے جس قدر ضروری قرار دیا ہے وہ ٹالکوٹ پارسنز کی ضخیم کتابوں سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔ صحیح علم پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کا ارادہ پیدا ہو جائے جب صحیح علم سے کام کا ارادہ پیدا نہ ہو تو اس پڑھنے کا کیا فائدہ۔ فرض کرو کہ ہم ایک کتاب اس شرط کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کریں گے، اس کتاب کے پڑھنے کی فضیلت کی سند تو مل جائے گی اور پڑھا بھی سکیں گے لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کا کام انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔

منافقت کا سبب

آیت نمبر ۳ : ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۝

(ہم اس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان لائے پھر نیک ہوگئے لہٰذا ان کے دلوں پر مہر کردی گئی اب یہ لوگ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔)

ان کی یہ ذھنی حالت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے تو ارادہ کرتے ہیں کہ ہم یہ کتاب پڑھتے ہیں تاکہ اس پر عمل کریں، پھر مشکل چیز آجاتی ہے یعنی جان دینی پڑتی ہے اس وقت جان چرا جاتے ہیں پھر ان کے دلوں میں اس غلطی کی ندامت پیدا ہوتی ہے کہ ان کو دوبارہ ایمان لانا ہے۔ پھر دوسری دفعہ جان دینے کا موقعہ آتا ہے تو پھر جان چرا جاتے ہیں اس طرح بار بار کرتے رہنے سے جان چرانے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے، پھر ان کی دلوں سے یہ احساس ہی جاتا رہتا ہے کہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ نصوص و آیات حضور رسالت مآب ﷺ کے دور کے بے عمل اور منافق افراد کی حد تک محدود نہیں بلکہ دور جدید کے اصول عمرانیات کے مطابق بھی یہ آیتیں ان لوگوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتی ہیں جو اسلام کو موجودہ سائنٹفک تہذیب کے مقابلے میں بے اثر ناقابل عمل اور ختم شدہ قوت سمجھتے ہیں۔

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب

اب ان کے دلوں میں عمل کرنے کا ارادہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ مطلب ہے دلوں پر مہر لگ جانے کا۔

(۴) وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

(اے پیغمبر! جب آپ ان کو دیکھیں تو انکے ظاہری جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتوں کو دلچسپ ہونے کی وجہ سے کان لگا کر سنیں۔ گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو کسی دیوار کے سہارے لگادی گئی ہیں۔ وہ ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے بچتے رہئے خدا ان کو ہلاک کرے! یہ کہاں پھرے چلے جارہے ہیں؟)

منافقین کی ظاہری حالت

اگر ان کی صورتیں دیکھو تو بھلے آدمیوں کی سی نظر آئیں گی

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ: اگر وہ باتیں کریں تو سننے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے۔ تقریر خوب کرسکتے ہیں اور ایسی لچھے دار باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا چاہے کہ سنتا ہی رہے۔

منافقین کی حقیقت

لیکن حقیقت میں خشک لکڑیاں ہیں جنہیں گویا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ سر سبز نہیں ہیں کہ آپ ہی کھڑی رہیں۔ وہ گویا لکڑی کی خوبصورت پتیاں ہیں جن میں عمل کی طاقت نہیں ہے۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ: بلند آواز سے زور سے بات کی جائے، تو اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ اسے اپنے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ بات کی جائے۔ آہستہ اس لئے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان سن کر عمل نہ کرنے لگ جائے جس سے انقلابی پارٹی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ آپس میں سرگوشیاں ہی کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کو عدد (گنتی) میں لانا مضر سمجھتے ہیں۔

هُمُ الْعَدُوُّ: تحریک کے اصل دشمن یہی ہیں۔ اس لئے کہ یہ تحریک کی عام دعوت کو روکتے ہیں۔

فَاحْذَرْهُمْ: ان سے ہمیشہ بچتے رہو اور تحریک کے مرکز کے قریب نہ آنے دو۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ: منافقین کو قتل نہ کیا جائے

اللہ انہیں ہلاک کرے گا۔ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے گی کہ یہ خود بخود مر جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو عمداً ہلاک کرنے سے فساد پیدا ہو سکتا ہے اور خدا ہی انہیں سمیٹ لے تو اچھا رہتا ہے۔

اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ : کیسے پھرے جاتے ہیں! انہیں سمجھایا جائے تو بات سمجھ جاتے ہیں مگر پھر بھی پھر جانے کا ڈھنگ نکال لیتے ہیں۔ اعتراض بھی نہیں کر سکتے مگر کام بھی نہیں کرتے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہونے دیتے کہ یہ دین سے پھر گئے ہیں یہ ان کی عقلمندی ہے کہ پھرے ہونے کے باوجود پھرا ہوا ہونا ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

(۵) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝

(اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لئے بخشش طلب کرے تو یہ لوگ اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ متکبرانہ انداز کے ساتھ بے رخی برتتے ہیں۔)

ان کی غلطیاں معمولی نہیں۔ ویسی نہیں جیسی ایک سلیم الفطرت انسان سے کبھی کبھار ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے انسان کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اسے تسلیم کر لیتا ہے مگر انہیں متوجہ کیا جاتا ہے تو یہ غلطی کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سے اتفاق سے غلطی ہو گئی آؤ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر اقرار کر لو وہ اللہ سے تمہارے لئے دعا کریں گے۔

لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ : وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے اور سر پھیر لیتے ہیں۔

یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ: وہ کہتے ہیں کہ ہم کیسے اعتراف قصور کریں؟ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی توہین ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اعتراف نہ کریں۔

(۶) سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝

(اے پیغمبر ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔)

منافقت روکنے کی انسانی تدبیر

رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی میں احکام الٰہی کی نافرمانی کا مرض عام طور پر نہ پھیلے اس لئے ان خطاکاروں سے کہا جاتا ہے کہ تم سے غلطی بھولے سے ہوتی ہے آؤ ہم تمہارے لئے مغفرت طلب کریں مگر خدا تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تمہاری یہ شفقت ان منافقین کے لئے مفید نہیں ہوگی تمہارا ان کے لئے مغفرت طلب کرنا یا نہ کرنا برابر ہے اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝

اس قسم کے قصداً بدکاری کرنے والے لوگوں کو جو قانون شکنی کو عادت بنا لیں ہدایت کا کوئی سامان نہیں دیا

جاتا۔ انقلابی جماعت میں اس قسم کے منافقین کو راہ نہیں دی جاتی۔ ایسے لوگ رجعت پسند جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(۷) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝

(یہ لوگ وہی تو ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ وہ خود بخود منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانوں کے اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن یہ منافق اس کی بات ہی نہیں سمجھتے۔)

منافقین کا طریق کار

منافقین کے افعال بتدریج انقلابی تحریک کی مخالفت پر ختم ہوتے ہیں۔ وہ انقلابی تحریک کی دو طرح مخالفت کرتے ہیں۔

(۱) انقلاب کی مالی امداد سے دست کشی

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا : وہ اس انقلابی تحریک کی مالی امداد بند کر کے اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ سازش کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور کام کرتے ہیں انہیں خرچ مت دیا کرو جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝

حقیقت یہ ہے کہ ان منافقین کی شرارتوں سے انقلابی کارکن یعنی مسلمان بھاگیں گے نہیں اور نہ دل تنگ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور خزانے سے عطا فرمادے گا۔ صرف ان منافقین کے پاس ہی دولت نہیں ہے۔ اگر یہ اپنی امداد بند کر دیں گے تو اللہ کسی اور کے دل میں ڈال دے گا وہ ان کارکنوں کو کھانے پینے وغیرہ کی امداد دے گا۔ زمین آسمان کے سب خزانے اللہ کے ہیں، خدا جانے کس خزانے سے انہیں رزق پہنچ جائے گا۔ رزق نہ پہنچنے کی وجہ سے تو وہ منتشر نہیں ہوں گے۔

(۸) يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۧ۝

(نیز یہ منافق یوں کہتے ہیں اگر اب کے ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہے لیکن یہ منافق اس بات کو نہیں جانتے۔)

(۲) انقلابیوں کے اخراج کی سازش

ان کی دوسری کوشش یہ ہے کہ انہیں اس سرزمین سے ہی نکال دیں جو اب انقلاب کا مرکز بن گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے کی طرف واپس گئے (یہ واقعہ سفر میں پیش آیا تھا) تو "عزت والے لوگ" ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے آپ کو عزت والا سمجھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) "ذلیل" قرار دیتا ہے۔ ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حقیقی عزت تو اللہ، رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ مومنین کو عزت کہاں سے نصیب ہوگی؟ اس کا ان منافقین کو علم ہی نہیں۔ جب رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے کہا ہے "عزت والا' ذلیل کو مدینے سے نکال دے گا۔" وہ اس قول کا مطلب سمجھتا ہے اس نے مدینے میں اپنے باپ سے کہا ابا! اپنے کو ذلیل کہہ ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ اللہ کی قدرت دیکھو عبداللہ بن ابی کو یہ لفظ کہنے ہی پڑے۔

اسی طرح احکام الٰہی کی تکمیل سے جان چرانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جان چرانے والا شخص اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ آخر کار وہ مخالفانہ قوت پیدا کر کے قرآنی انقلابی مرکز کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو روپے والا اور عزت والا مانتا ہے اور اس زعم میں وہ حق کی مرکزی طاقت کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک پیش گوئی

ان آیتوں میں یہ سمجھا دیا کہ یہ لوگ اس کوشش میں ناکام رہیں گے اور قرآن کی طاقت کو توڑ نہیں سکیں گے۔ قرآن حکیم کی تحریک نہ روپے پیسے کی تنگی سے فیل ہوگی نہ اس کی مرکزی طاقت کو زمین سے مٹایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مدنی انقلابی تحریک کی کامیابی ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے لیکن منافقین کا نام و نمود بھی نہ رہا۔

نفاق کا انسداد

اب ایسے اعمال بتائے جائیں گے کہ نفاق پیدا نہ ہو۔

(۹) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۹

(اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر پائیں اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ سخت نقصان میں رہیں گے۔)

ذکر اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے۔

قرآن کے علوم کے حصول کو مقدم کرو

قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مال اور اولاد کے بکھیڑوں کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جاؤ۔ ایمان حاصل کرنے کا صحیح طریق یہ نہیں ہے کہ پہلے اپنے بچوں کے لئے مال و زر جمع کرنے میں لگے رہو، فرصت ملی تو قرآن بھی پڑھ لیا، صحیح طریقہ عمل یہ ہے کہ اچھا وقت اور اچھی طاقت قرآن حکیم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کی جائے۔ پھر جو وقت اور طاقت بچ رہے وہ بال بچوں کے جھگڑوں اور دولت کے بکھیڑوں میں صرف کی جائے۔

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۹

جو شخص مال و دولت کے جھمیلوں کو ذکر اللہ پر مقدم کرتا ہے وہ دماغی قوت وغیرہ تو دولت کمانے میں صرف کرلیتا ہے اور جب اعضاء و قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے لاؤ، تھوڑا سا قرآن بھی پڑھ لیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نقصان میں رہیں گے انہیں حقیقی علم حاصل نہیں ہوگا وہ بظاہر تو قرآن حکیم کے عالم ہوں گے لیکن ان میں طاقت عمل نہیں ہوگی۔

(۱۰) وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۝۱۰

(اور ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خیرات کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ آثار موت کو مشاہدہ کر کے یوں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں خوب خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔)

مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو تاخیر نہ کرو

جس طرح ذکر اللہ کے سمجھنے میں تاخیر کرنے سے یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صحیح معرفت دماغ میں نہیں بیٹھتی اسی

طرح مال و دولت جو اللہ کے لئے صرف کرنی ہو (یعنی دینی کام پر لگانی ہو) اسے فوراً دے ڈالنا چاہیے۔اس میں تاخیر کرنے سے بعض اوقات برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً انسان مر جاتا ہے اور مرتے وقت یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں اپنی دولت کسی اچھے کام میں صرف کرتا۔ موت کا وقت معلوم نہیں ہے اس لئے جو روپیہ اچھے کام میں صرف کرنا ہو اسے فوراً خرچ کر ڈالنا چاہیے تاکہ پھر یہ نہ کہنا پڑے کہ اگر میں زیادہ دن زندہ رہتا تو یوں کرتا اور اللہ کے سامنے جا کر یہ بہانہ بنائے کہ اگر مجھے مہلت ملتی تو یوں کرتا، کچھ دن زندہ رہتا تو نیک بنتا اور مال دیتا اس وقت یہ سب بے سود ہوگا اس لئے جو کچھ کرنا ہے اب کرلو۔

(۱۱) وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠

(اور جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔)

کیا اللہ تعالیٰ اس مال و دولت کی خاطر اس قانون کو بدل دے جس کے مطابق اسے مارنا ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان باتوں میں جلدی کرو!

جب انسان بنایا گیا اس وقت اس میں چند محدود قوتیں رکھی گئیں۔ یہ مختلف سلسلے ہیں جن کے ماتحت یہ قوتیں رکھی گئیں ہیں۔ اس حدبندی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کے مطابق وقت پر مر جاتا ہے جو حدبندیاں لگائی گئی ہیں وہ ایک سلسلہ عظیم کے ماتحت ہیں تو کیا اس کم بخت کے چار پیسوں کی خاطر وہ سارے سلسلہ قانون کو بدل دے؟ یہ کبھی نہ ہوگا کہ قانون کے مطابق وقت آجائے تو اسے اور زندگی دی جائے۔ اللہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

ایک استثناء

جو کچھ تم کرتے ہو اور جو تمہارے ارادے میں ہے اللہ سب کی تہہ تک سے واقف ہے۔ اگر کسی شخص نے اللہ کے کام میں روپیہ دینے میں کسی صحیح ضرورت کی وجہ سے تاخیر کی ہے مگر اس نے دینے کا پختہ ارادہ کررکھا تھا اور اتفاق سے وہ روپیہ دینے سے پہلے مر گیا تو اس کا یہ عمل ضائع نہ ہوگا البتہ بے ضرورت تاخیر کی پوچھ ہوگی۔

سورۃ مزمل و مدثر
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

کائنات میں تغیر و تبدل اور کشمکش کا سلسلہ اس قدر ہمہ گیر ہے، کہ اس کا کوئی گوشہ اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بے جان مادے کے طبعی تغّیرات سے لے کر حیوانات کی جہد للبقاء (Struggle for Existence) تک ہر جگہ یہ سلسلہ تغیرات کارفرما نظر آتا ہے۔ حیوانات میں جوں جوں شعور بڑھتا جاتا ہے، کشمکش حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوع انسانی میں یہ معمولی تنازع للحیات سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ یعنی اصولوں کی خاطر جنگ کی منزل پر پہنچ چکا ہے۔

انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں ایک طبقہ دوسرے طبقے پر غلبہ پاکر مغلوب طبقے سے ناجائز انتفاع (Exploitation) حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے، تو مغلوب طبقہ کمزور ہونے کے باعث غالب طبقے کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد آ جاتی ہے جس سے آگے وہ دب نہیں سکتا۔ اس وقت وہ طبقہ بالادست کے خلاف جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ یہ جدوجہد دو صورتیں اختیار کرتی ہے :

(۱) ارتقائی جدوجہد :

اس میں غلط کار طبقے کی اصلاح کی کوشش صرف وعظ و نصیحت سے کی جاتی ہے۔ اور مغلوب طبقے میں بھی احساس عمل اس طریق سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگراس وعظ و نصیحت کے پیچھے کوئی طاقت نہ ہو تو وہ بالکل بے نتیجہ رہتی ہے اور اگر برسراقتدار جماعت مخالفانہ نشر و اشاعت (Counter-propeganda) شروع کر دے تو پھر اس تبدیلی چاہنے والی جماعت کی کامیابی معدوم !

(۲) انقلاب :

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی مقتدر جماعت کے خلاف کوئی صاحب فکر، دعوت و تبلیغ شروع کرتا ہے اور وہ اپنے گرد ایسی جماعت پیدا کر لیتا ہے، جو اپنے نصب العین پر اپنا سب کچھ جان و مال، عزیز و

اقارب اور اپنی ہر محبوب شے قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ جماعت صاحب اقتدار جماعت سے وہ آلۂ اقتدار چھیننے کی کوشش کرتی ہے، جس کے بل بوتے پر وہ کمزور جماعت سے انتفاع کر رہی تھی۔ یہ طریق کار اکثر اوقات تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس انقلابی طریق کار کی تین ضروری جزو ہیں؛

(۱) نصب العین (Ideal) (۲) جماعت (Party) (۳) لائحہ عمل (Programme)

نصب العین: نصب العین سے مراد ہے کہ کوئی جماعت اپنے سامنے سوسائٹی میں ایک غلط نظام پاتی ہے۔ یہ جماعت اسے برباد کر کے اس کی جگہ صحیح نظام لانا چاہتی ہے، تو یہ تخریب اور اس کی جگہ صالح نظام کے قیام کا ارادہ اس کا نصب العین کہلاتا ہے

گفت رومی ہر بناء کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویران کنند

(حضرت رومیؒ نے کہا ہے کہ کسی بھی پرانی عمارت کی تعمیر کرنا ہو تو پہلی بنیادوں کو منہدم کرنا پڑے گا۔)

جماعت: سے مراد یہ ہے کہ چند لوگ جو ہم فکر ہیں وہ اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح کام کرتے ہیں۔ اس حیثیت میں وہ جماعت کہلاتے ہیں۔

لائحہ عمل: یا پروگرام سے مراد یہ ہے کہ وہ جماعت جس کا نصب العین معین ہے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طریقۂ کار سوچتی ہے۔ اس پر خوب اچھی طرح غور و فکر کرتی ہے اور آخر کار سب افراد اسے تسلیم کر کے اس پر گامزن ہونا قبول کر لیتے ہیں۔

جب تک کسی جماعت میں یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں، وہ انقلابی نہیں کہلا سکتی۔ اس جماعت کا فکر شروع سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ طریق عمل یا لائحہ عمل حسب ضرورت بدل سکتا ہے۔

چونکہ صاحب اقتدار جماعت لڑے بھڑے بغیر اپنا اقتدار چھوڑ نہیں سکتی، اس لئے انقلاب میں عموماً جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت جنگ کو بطور ایک ضرورت کے جائز سمجھتی ہے۔ مگر لڑنے اور نہ لڑنے کا فیصلہ حالات کے مطابق کرتی ہے۔ ابتداء میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرتی ہے اور رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملاتی ہے، یہاں تک کہ زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس تیاری کے زمانے میں وہ مخالف کی طرف سے ہر قسم کے اشتعال کے باوجود کھلم کھلا لڑائی سے پرہیز کرتی ہے اور بطریق احسن، طرح دیتی جاتی ہے۔ اور سب حملوں کو

نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے ارکان کو اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور سب میں وحدۃ فکری ہوتی ہے۔ اسلئے دشمن کا پروپیگنڈہ یعنی "فکری حملہ" ان کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ ان کی وحدۃ فکری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وحدۃ عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دشمن کا "اقتصادی حملہ" بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتا۔

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بالکل انقلابی نظر آتی ہیں۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا عمل بالکل قرآنی انقلاب کی عملی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔ ❶

پہلے "نصب العین" کو لیجئے:

قرآن حکیم میں جابجا اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۳: ۱۰۳) کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کسی بات کو نصب العین بنا کر اسے اپنانا کہ اس پر پورے اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکے، ایمان ہے۔ اس ایمان کے مرکز میں قرآن حکیم کو لے آیئے تو حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی مقدس جماعت کا عمل بالکل انقلابی نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (۹: ۳۲)

(یعنی اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین صحیح اور پائیدار قانون دے کر محض اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اسے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دیں)۔ اب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو کسی شک و شبہ کے بغیر نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیا۔

اس کے بعد جماعت کو لیجئے:

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی ایک خاص تعداد ہے، جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے آخر تک کام میں شریک رہی۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر عموماً حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ (۴۸: ۲۹) (محمد رسول ﷺ اور ان کے ساتھی) اور سورۂ توبہ میں ہے۔ کہ: لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (۹: ۸۸) (محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ شریک ایمان ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس آیت میں معین کیا گیا ہے:

---

❶ ہم نے یہاں لفظ جہاد چھوڑ کر عمداً انقلاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لئے جس نظام کی ضرورت ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ لفظ جہاد میسر نہ رہنے کی حالت میں لفظ انقلاب سے بڑھ کر عوام کے لئے کوئی معنی خیز لفظ موجود نہیں ہے۔ جو ہم استعمال کر سکیں۔ اگر ہم انقلاب کے تخیل کو اپنا لیں اور ہندوستان کے اندر اسے کامیاب بنا لیں تو ہم اس سے اگلی منزل کی تیاری کر سکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں اس کے بغیر آگے بڑھنے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہمرے نزدیک درجہ نو آبادی کا حصول ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ (۹ : ۱۰۰) (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جو ان کی اچھی طرح پیروی کریں)

اس آیت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے دو حصے کئے گئے ہیں :

(۱) وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لائے ان کو ''حزب اللہ'' قرار دیا گیا ہے۔

(۲) وہ لوگ جو ان کی پوری پوری طرح پیروی کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پہلی جماعت کی پیروی کرتے رہیں گے۔

اب پروگرام لیجئے :

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کا طبقہ حزب اللہ کہلاتا تھا۔ اس کا پروگرام وہی ہے جو قرآن حکیم نے دیا تھا۔ یہ جماعت اپنے فیصلے قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تشریحات کے مطابق کرتی رہی۔ ان کے بعد جو لوگ ان کی پیروی پوری پوری طرح کریں گے (مُتَّبِعِيْنِ بِاِحْسَانٍ) وہ بھی قرآن حکیم اور تشریحات نبی اکرم ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے اور جہاں نئے حالات میں نئی صورتیں پیدا ہوں وہ اپنے متفق علیہ یا اغلبیت کے فیصلوں سے کام لیں گے۔ امیر اس جماعت میں سے ہوگا اور وہ اپنے رفقاء کے مشورے سے قائم کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں جسے امام الائمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خیر القرون[1] قرار دیتے ہیں اسی طرز پر کام ہوتا رہا اور اس سے سر مو تجاوز نہیں ہوا۔ اس کے بعد اختلافات کا ظہور ہونے لگا۔ اس لئے حضرت امام کے نزدیک صرف حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا زمانہ قابل سند ہے۔

قرآن حکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سارا قرآن ان انقلابی اصولوں پر صحیح اترتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے پہلے پہل دنیا سے روشناس کرایا، انہوں نے اسے انقلابی رنگ ہی میں پیش کیا نہ کہ ارتقائی رنگ میں۔ صفحات مابعد میں سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی جو تشریح کی گئی ہے وہ انہی اصولوں پر کی گئی ہے۔

قرآن حکیم نے جو انقلاب پیدا کیا وہ حقیقت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف تھا۔[2] اس وقت کی

---

[1] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''قرن اول زمان آنحضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات و قرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمد۔ فتنہا ظاہر گردید''۔ (ازالۃ الخفاء، ص : ۱۲۱ ص : ۱۴) (یعنی قرن اول سے مراد حضرت نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مبارک ہے، جو ہجرت سے وفات تک ہے۔ اور قرن دوم سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور قرن سوم سے مراد حضرت عثمانؓ کا عہد ہے۔ اس کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ظہور ہو گیا)۔

[2] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ، لاجرم داعیہ ظہور دین حق و قصد انتقام از کفرہ فجرہ برہم زدنِ دولت کسریٰ و قیصر را آشیانہ خود گردانید تاچوں ایں ہر دو دولت برہم خورد اعظم ادیان موجودہ در شہر آنہا برہم خوردہ باشد (ازالۃ الخفاء ص ۴۶) (یعنی لامحالہ دین کے ظہور اور قانون شکن کفار سے انتقام کے عزم سے مراد کسریٰ و قیصر کی حکومت کی تباہی تھی کہ یہ دونوں حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو موجودہ دینوں میں سے بڑے دین خود بخود تباہ ہو جائیں گے)

مہذّب دنیا کا بہت بڑا حصہ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت آ چکا تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران کی حکومت مشرق میں سرحد ہندوستان تک پہنچ چکی تھی اور قیصر روم کی حکومت مغرب میں انتہائے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس عظیم الشان خطے میں انسانوں کی بہت وسیع آبادی موجود تھی، لیکن وہ انسانیت کے حقوق سے محروم کردی گئی تھی۔ امیروں، جاگیرداروں اور شاہی خاندانوں نے مل کر کسانوں، تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو اس بری طرح لوٹنا کھسوٹنا شروع کر رکھا تھا کہ، وہ بیچارے گدھوں اور بیلوں کی حالت تک پہنچ گئے تھے، جن کو صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ انسان کے کام آتے ہیں۔ سیاسی گروہ کے ساتھ علمی اور مذہبی گروہ نے بھی گویا "سازش" کر رکھی تھی۔ اور آخر الذکر گروہ عوام کو اپنے حال پر مطمئن رکھنے کے لئے مذہب سے تلقین بہم پہنچاتا تھا اور اس کام کی اجرت کے طور پر سیاسی گروہ کی لوٹ کھسوٹ میں سے حصہ پاتا تھا۔ بیچارے عوام، چکی کے ان دو پاٹوں : اقتصادی سرمایہ داری اور علمی سرمایہ داری کے بیچ میں پس کر رہ گئے تھے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان کی حالت کا دردناک نقشہ حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچا ہے۔ وہ چشم عبرت بین کے لئے دیدہ کشا ہے!

ان حالات کا چربہ اس زمانے میں مکے کی زندگی میں وہاں کے فارغ البال لوگوں نے پیدا کر رکھا تھا۔ یہاں بھی روسا کا ایک طبقہ تھا جس نے عوام الناس کو اقتصادی لحاظ سے اور "پروہتوں" کے گروہ نے ذھنی لحاظ سے غلام بنا رکھا تھا۔

دنیا کی یہ حالت تھی جب حضرت نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ قرآن حکیم نے اس حالت کا نقشہ ان بلیغ الفاظ میں کھینچا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰-۴۱)

(لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد برپا ہو چکا تھا۔)

اس کے متعلق امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ :

فَلَمَّا عَظُمَتْ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةُ وَاشْتَدَّ هٰذَا الْمَرَضُ سَخَطَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَكَانَ رِضَاهُ تَعَالٰى فِي مُعَالَجَةِ هٰذَا الْمَرَضِ بِقَطْعِ مَادَّتِهِ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص ۱۰۶)

(یعنی جب یہ مصیبت یعنی اقتصادی لوٹ کھسوٹ حد کو پہنچ گئی اور مرض نے شدت پکڑی تو خدا تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے سخت ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب اس میں اصلاح حال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔) اس لئے اس مرض سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اس کا مادہ کسریٰ اور قیصر کی حکومت ہی جسم انسانیت سے کاٹ کر پھینک دیا جائے) اس انقلاب عظیم کے برپا کرنے کے لئے :

بَعَثَ نَبِیّاً اُمِّیّاً صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِه وَ سَلَّمَ لَمْ یُخَالِطِ الْعَجْمَ وَ الرُّوْمَ وَلَمْ یَتَرَسَّمْ بِرُسُوْمٍ وجَعَلَهٗ مِیْزَانًا یُعْرَفُ بِهِ الْهُدٰی الصَّالِحُ الْمَرْضِیُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ غَیْرِ الْمَرْضِیِّ۔۔۔۔ وَقَضٰی بِزَوَال دَوْلَتِهِمْ بِدَوْلَتِه وَ رِیَاسَتِهِمْ بِرِیَاسَتِه بِاَنَّهٗ هَلَكَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ (ایضاً)

(اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو مبعوث فرمایا جو ان پڑھ تھا (ﷺ) اور جو ایرانی اور رومی رسم و رواج سے آزاد تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت صالح کے لئے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے معیار مقرر کیا۔ تاکہ اسے دیکھ کر ناپسندیدہ کا علم ہو۔ اور فیصلہ کیا کہ اس نبی ﷺ کی حکومت کے ذریعے سے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں اور اس کی لیڈر شپ کے ذریعہ سے اُن کی لیڈر شپ کو ختم کر دیا جائے تاکہ کسریٰ و قیصر ہلاک ہو جائیں اور پھر انکی کسرویت و قیصریت نہ رہے)

آج یورپ میں اور اس کے سیاسی اور فکری محکوم ملکوں میں چند بالائی طبقوں کی مالی بلندی اور عوام کی معاشی پستی کی جو حالت ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اخروی زندگی سے جو "بے نیازی" اور غفلت ہے وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کے بالکل مشابہ ہے۔ اور ان بالائی طبقوں کی ذہنیت اور عوام سے انتفاع کے اصول وہی ہیں جو ان دو حکومتوں میں تھے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ : وَمَا تَرَاهُ مِنْ مُلُوْكِ بِلَادِكَ یُغْنِیْكَ عَنْ حِکَایَاتِهِمْ (یعنی تمہارے اپنے ملک کے امراء اور حکام کی جو حالت ہے اسے دیکھ لو تو تمہیں دوسرے ملکوں کے امراء اور حکام کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی) یہ فقرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں تھا۔ آج بھی ہندوستان کی وہی حالت ہے کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سرمایہ دار اور سرمایہ پرست طبقہ ہے جس کی آمدنی ہزاروں سے لے کر کروڑوں تک ہے۔ دوسری طرف وسیع مفلس طبقہ ہے، جس کی آمدنی صرف چند آنے ماہانہ ہے! طبقہ بالادست نے زیردست طبقے کو قابو میں کیا ہوا ہے اور زیردست طبقہ اپنے انسانی حقوق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی طاقت رکھنا تو ایک طرف یہ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ اس کے انسانی حقوق کیا ہیں اور اس کے فرائض کیا ہیں؟ قرآن حکیم نے آکر بتایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ بلاامتیاز سب انسانوں کے لئے ہے۔

خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً (۲:۲۹) (جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تم سب کے لئے ہے)

انسانوں کے کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملنا چاہئے۔ جو لوگ ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور محتاجوں کو ان کی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے، وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کر کے کس بلند درجے پر پہنچ سکتے ہیں! اور اب ٹھیک طرح استعمال نہ کر کے کس گڑھے میں

گرے جارہے ہیں! سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کی ضرورتوں سے انسان کس طرح اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اس غفلت سے کس قدر نقصان اٹھاتا ہے!

اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے، ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں۔ لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا۔ یہ ہے اصل میں محتاجوں کی خبر گیری کرنا۔ آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو ٹکڑہ دیا جاتا ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ محتاجوں کی خبر گیری کے لئے جابجا منظّم محتاج خانے ہوں۔ جہاں محتاجوں کو اس طرح کھلایا پلایا جائے کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں ان کے لئے کام بہم پہنچایا جائے، یا ضرورت ہو تو ان کے لئے آلات کار بہم پہنچائے جائیں۔ یہ ہے انکی خبر گیری۔

اس انقلاب کے لئے قرآن حکیم مساکین کی اجتماعی تنظیم کا پروگرام پیش کرتا ہے۔

قرآن حکیم کمزور انسانی افراد کو انسانی اجتماع میں یہ حقوق کیوں دیتا ہے؟ یعنی وہ مرفہ الحال لوگوں کو کیوں مجبور کرتا ہے، کہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ضرور نکالیں جو ان کا حق قرار دیا گیا ہے؟[1] اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ اجتماع ہی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ جلد کمزور اور بے ہمت (Atrophied) ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرد کی حالت انجماد کا اثر اجتماع انسانی کے دوسرے افراد پر خود بخود پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اجتماع کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لئے افراد کی خبر گیری ضروری ہے۔ جو اجتماع محتاجوں کی خبر گیری نہیں کرتا وہ توڑ دینے کے قابل ہے۔ اصل میں اس کا نام "اجتماع" رکھنا ہی ظلم ہے۔ اجتماع فقط افراد کی خبر گیری کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ افراد کی خبر گیری نہیں کرتا تو وہ برباد کر دیئے جانے کے لائق ہے۔

محتاجوں کی خبر گیری کے لئے قرآن حکیم نے زکوۃ مقرر کی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ زکوۃ کا موجودہ نصاب اس زمانے میں مقرر ہوا تھا جب بیت المال عام لوگوں کی خبر گیری کرنے پر قادر تھا۔ اگر مسلمانوں کی زکوۃ کی آمدنی افراد کی خبر گیری کے لئے ناکافی ہو تو ہر ایک سرمایہ دار کا سارے کا سارا سرمایہ لے کر اس کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (یہ اس شخص کا حق ہے جس کی حالت سوال تک پہنچ جائے اور جو اسباب معاش سے محروم ہو گیا ہو (الذاریات: ۵۱:۱۹)

افراد کو اجتماع میں رکھ کر قرآن حکیم ان کے اندر بعض اخلاق[1] کی تکمیل کرنی چاہتا ہے، ان اخلاق کی تکمیل سے انسان کے نفس کے اندر ایسی کیفیات جمع ہو جاتی ہیں، جن کا مجموعہ (Sum total) انسانی معاشرے (Society) کو بلند کر دیتا ہے۔ اور یہی کیفیات اس کے مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

امام ولی اللہؒ، انسان کی زندگی کو ایک اکائی مانتے ہیں جس کا ایک حصہ اس دنیاوی زندگی میں گزارا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے اوپر بھی ترقی جاری رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوسائٹی میں رہتے ہوئے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے جو اثرات اپنے نفس کے اندر جمع کرتا ہے وہی اگلی زندگی میں جا کر اس کے لئے جنت کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اعمال بد اور اخلاق رذیلہ کے جو اثرات جمع کر لیتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ پس قرآنی انقلاب کا منشا صرف یہ ہے کہ معاشرہ انسانی میں اچھے اخلاق کی حکومت ہو۔ یعنی وہ جماعت حکمرانی کرے جو قرآن کے تجویز کردہ مذکورہ بالا اخلاق لوگوں میں پیدا کرے۔ قرآن حکیم یہ اخلاق خارج سے انسانوں کے سر تھوپتا نہیں، بلکہ یہ اخلاق خود فطرت انسانی کے تقاضے ہیں جن کو اسے سوسائٹی میں رہ کر پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہئے۔ قرآن حکیم ان اخلاق کے لئے مشق کے طریقے بھی تجویز کرتا ہے اور مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔ جو جماعت یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گی وہ بدنی اخلاقی اور عملی طہارت کو اپنا شعار بنائے گی۔ وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے گی اور اسباب کو استعمال کرتی ہوئی بھی صرف خدا پر بھروسہ کرے گی۔ اور اس کام سے وہ کوئی ذاتی نفع جوئی نہیں کرے گی بلکہ اس کا مطمح نظر صرف خدمت خلق (محتاجوں کی خدمت) ہوگا۔ کیونکہ یہ خوشنودی خدا کا موجب ہے۔ اس غرض کے حصول کے لئے وہ ایسا عدل قائم کرے گی، جو سوسائٹی کے کسی خاص طبقے کو فائدہ نہیں پہنچائے گا، بلکہ سب طبقات کی ضرورتیں پوری کرنے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ وہ ذی استطاعت لوگوں پر حسب ضرورت ٹیکس لگائے گی اور اس طرح جو آمدنی ہوگی وہ مساکین اور غربا میں تقسیم کرے گی۔

یہ قرآنی انقلابی جماعت جب برسر اقتدار آئے گی تو وہ یقیناً ان لوگوں سے بازپرس کرے گی، جو عدالت کی راہ میں حائل ہوں گے۔ یا جو طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ کی خلاف ورزی کریں گے اور عوام کو خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے چھوٹے سے چھوٹے راستے۔۔۔ صراط مستقیم۔۔۔ سے روکیں گے۔ یہ جماعت ہر ملک میں پہلے قومی پیمانے پر کام کرے گی، لیکن انسانیت کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گی اور بین الاقوامی خلافت کے مقام پر پہنچ کر بھی کسی خاص قوم یا خطے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر کام نہ کرے گی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کی انسانی ضرورتوں کے مطابق

---

[1] امام الائمہ امام ولی اللہ، کے نزدیک قرآن جن اخلاق کی تکمیل چاہتا ہے وہ چار اساسی اخلاق ہیں یعنی (۱) اخبات (۲) طہارت (۳) سماحت (۴) عدالت۔ ان کی تفصیل کے لئے ان کے رسالہ ھمعات (شائع کردہ بیت الحکمت لاہور) کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان کا اجمالی ذکر سورۂ مدثر میں بھی کیا گیا ہے۔

حکم کرے گی۔ اس جماعت کی پیدا کردہ قومیتیں صحیح بین الاقوامی اجتماعیت پیدا کرنے کا باعث بنیں گی۔

یہ ہے وہ بین الاقوامی انقلاب جو قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہی مدعا ہے اس دعا کا جو ہر انسان کو مانگنی چاہئے کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۷۴:۲۵) (ہم کو بین الاقوامی انصاف کرنے والوں کا لیڈر بنا)۔

قرآن حکیم نے جس بین الاقوامی انقلاب کی طرح ڈالی، اس سے پہلے سینکڑوں قومی انقلابات ہر ملک اور ہر قوم میں آئے لیکن قرآن حکیم جس نوعیت کا جامع انقلاب لانا چاہتا ہے، اس نوعیت کا انقلاب اب تک رونما نہ ہوا تھا۔ اس لئے اس کی نوعیت کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ اگر قرآن حکیم کسی خاص ملک یا قوم کے مقامی انقلاب کو عنوان بنا کر اپنے بین الاقوامی انقلاب کا تصور دلاتا تو اس بین الاقوامی انقلاب کے خدوخال پوری طرح ذہن نشین نہ ہو سکتے۔ کیونکہ ایک قوم کے قومی انقلاب کو صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے، جس میں وہ انقلاب آیا۔ دوسری قومیں اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ اس سے عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

ان حالات میں قرآن کے لئے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا اور وہ قیامت کا فکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز یہ کائنات منتشر ہو جائے گی، اس کے بعد خداوند تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کی بازپرس کرے گا۔ یہ فکر بہ ادنیٰ تبدیلی تمام اقوام عالم میں مسلم ہے اور مسلّم رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہودیوں اور عیسائیوں کی بدولت یہ فکر مہذب دنیا کے ایک بہت بڑے طبقے میں روشناس ہو چکا تھا۔ پھر ہندوؤں میں بھی پُرلے، کا مسئلہ اس فکر کے قریب قریب موجود ہے۔ اور اس طرح تمام دیگر اقوام میں یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ قرآن نے اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے اسی فکر کو ذریعہ بنایا۔ اس طرح قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح نوع انسانی پر ایک دن آنے والا ہے، جب اس کے افراد سے اس بارے میں بازپرس کی جائے گی کہ طاقتوروں نے کمزوروں کے حقوق کہاں تک ادا کئے اور کمزوروں کی خدمت کتنی کی۔ اسی طرح دنیا میں قرآن حکیم کی علمبردار جماعت انہی اصولوں پر طاقتوروں سے بازپرس کرے گی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے عہدۂ خلافت پر قائم ہوتے وقت کی۔ فرمایا، "تم میں سے ہر کمزور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق نہ لیا جائے۔" یہ انقلابی جماعت ساری نوع انسانی کے جملہ مفادات کی محافظ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے عالمگیر یا انسانیت گیر انقلاب کی تشبیہ قیامت کے کائنات گیر انقلاب کے سوا اور کس انقلاب سے دی جا سکتی تھی؟ مگر افسوس ہے کہ اس انقلاب اور قیامت کا جو ربط ہے اسے سوچنے والے عالم بہت کم ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے انسانیت گیر حادثے سے پہلے قرآن کے جامع اور کامل انسانیت گیر حادثے کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ انسانی مجامع کے اندر ایک

ایسی بین الاقوامیت پیدا ہو، جس میں تمام اقوام عالم شامل ہوں۔ اور اس مرکزی ادارے کے اوپر، جو اقوام کو کنٹرول کرے، قرآن حاکم ہو۔ دنیا نے ایک مرتبہ یہ نظارہ حجاز میں دیکھ لیا ہے اور دوبارہ پھر دیکھے گی، جب اسے قائم کرنا اپنا فرض بنالے گی! اور اب کے اس تحریک کا آغاز اس جگہ سے ہوگا جہاں قرآن کا علم و فہم سب سے زیادہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں، تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کرکے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں، چنانچہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے، ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے شخصی واقعات ہی کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ :

''خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے صرف بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیونکہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے، جو قصے کی تفصیل معلوم کئے بغیر دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ فقط خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ (فوز الکبیر فی اصول التفسیر)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر ۸۔۲۵ میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کرکے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کرکے دیکھا جائے۔ اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امراء نے، عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی بعض علماء نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کرکے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہو سکتا، اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ : مَا اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ فَادْفَعُوْاھَا اِلَیْھِمْ (یعنی جب تک امراء اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں، ان کو زکوۃ ادا کرتے رہو) ان کو معلوم نہیں کہ : جو امیر محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکواۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بنایا گیا۔ اس کے لئے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہئے۔ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے، اس کے واسطے بندگی، ابراہیمؑ کی راہ پر، اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکواۃ اور یہ ہے راہ

مضبوط لوگوں کی) (۹۸: ۵)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء تو اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا باز آتے عوام کو ٹیکس ادا کرتے رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جن سے امراء عیش بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کرتے رہے، اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں سے انقلاب کا تصور اور امراء سے جواب طلبی کا وہم تک جاتا رہا۔ حالانکہ بقول علامہ جصاص الرازی الحنفی، حضرت نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ ضرورت ہے کہ آج پھر مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کر لیں کہ ہمارے ملک کے امراء اور حکام ہمارے آگے جوابدہ ہیں۔ یہ وہ کلمہ حکمت ہے جسے اہل امریکہ نے ایک حد تک سمجھا اور اعلان کیا کہ (No taxation without represntation) جو لوگ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ کوئی ٹیکس وصول کریں)۔ شہریت (Citizenship) کا یہ وہ ابتدائی اصول ہے، جس کی معقول ترین صورت اسلام نے پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کی شکل میں پیش کی ہے اور جس کی عملی شکل خلافت راشدہ کا عہد مبارک تھا۔ [1]

الغرض قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ اس انقلاب کا مطمح نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھی اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے جن کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں رہ گیا ہے تو اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہئے، جو نہ صرف جامع ہو گا بلکہ عالمگیر بھی ہو گا۔ اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصولوں پر ہو گا۔ ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصہ حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض پہچانیں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دور حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے۔

عبیداللہ سندھی

دارالرشاد، گوٹھ پیر جھنڈہ
ضلع حیدرآباد (سندھ)
944 ہندی

[1] بقول امام الائمہ امام ولی اللہؒ، یہ زمانہ شہادت عثمانؓ تک ہے۔ (ازالۃ الخفاء، ص ۱۲۱)

تفسیر سورہ المزمل

رفقاء انقلاب کی تیاری

پیرایہ آغاز: انقلاب! انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

فطرت انسانی کے تقاضے۔۔۔ خدا پرستی۔۔۔۔۔۔ سے انکار کرنے والے سرکشوں کی گردن توڑنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ فطرت انسانی کی تکمیل کرنے والی کمزور قوموں کو سربلند کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ ظالموں سے باز پرس کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ اجتماع انسانی کی مادی اور روحانی امراض سے پاک کرنے والا انقلاب! ۔۔۔۔ فطرت انسانی کا وہ گوہر نایاب انقلاب جسے وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی!

معاشرۂ انسانی اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا کہ، نباض فطرت انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام، نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی اصولوں پر کام کیا، جس کی طرح، انبیاء کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈال گئے تھے۔

صدیاں گزر گئیں! ابراہیمی انقلاب کے اصول، تجربے میں آتے آتے انسانیت میں مسلم ہو گئے اور ترقی یافتہ نوع انسانی نے ان کے مطابق فطرت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اب انسانی رہنمائی کے لئے آخری اور دائمی ہدایت نامے کی ضرورت تھی۔ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی شکل میں لائے۔ اس میں وہ تمام اصول حیات اور ضوابط جمع کر دیئے گئے ہیں، جن پر انسانی فطرت قائم ہے۔ ان کو بروئے کار لانے اور روئے زمین پر مستحکم طور پر قائم کرنے کے لئے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت ہے ان میں سے چند قواعد سورۂ مزمل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں پر پہلے جزیرہ عرب میں اور پھر اہل عرب کی مدد سے دنیا کے باقی حصوں میں انقلاب برپا ہوا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

(ا) یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ (اے مزمل!)

لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کے معنی کئے ہیں۔[1] اَلْمُزَمِّلُ فِیْ ثَوْبِهٖ وَذٰلِكَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِعَارَةِ ...(یعنی "کپڑوں میں لپٹا ہوا" جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے۔ اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴿۳﴾ (۲۶:۳)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا، بوجھ اٹھائے اس کی کمر دُہری ہوئی جاتی تھی۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴿۳﴾ (۹۴:۳)

(اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا)

اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لئے بے قرار تھا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی﴿۷﴾ (۹۳:۷) (اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی)

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں!!

پس لفظ مزمل کے وہ معنی لئے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

المزمل کی پہلی تشریح :

(الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ :

---

[1] المفردات القرآن للراغب الاصفہانی

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِيْ الَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ

(یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (۴۸:۲۹) اور: يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (۶۱:۶) میں۔

الحاشر کی معنی:

الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: قیل معنی قوله علی قدمی انه امامهم یوم الحشر یحتاجون الی شفاعته (المسویٰ جلد ۲ ص ۵۱۶ باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی کہ "میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے" کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور لوگ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (النمل: ۲۷:۱۷) (یعنی سلیمانؑ کے لئے اس کے لشکر جمع کئے گئے)

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام کی ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (۵۹:۲)

حضرت امام الائمہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اوست آنکہ برآورد آنان راکہ کافر شدند از اہل کتاب از خانہاے ایشاں در اول جمع کردن لشکر (فتح الرحمان)

(یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی مرتبہ لشکر جمع کرنے کے وقت میں گھر سے نکالا)

یہاں اول الحشر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا جارحانہ حملہ ہے جو آپ نے ۴ھ میں بنی نضیر [1] پر کیا۔ گویا

[1] عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں جارحانہ نہ تھیں۔ عیسائی مشینری (Missionaries) یہ پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام وحشیانہ مذہب ہے جس میں قتل و خونریزی اور غارتگیری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہوکر مسلمان علمانے بیسویں صدی عیسوی

الحاشر کے معنی ہیں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اسی طرح المزمل کے معنی ہیں زمیلوں کو جمع کرنے والا، یعنی قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے انقلابی عناصر کو جمع کرنے والا، یا اس تحریک کے لئے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا۔ [1]

نبی اکرم ﷺ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے :

(ب) اب لفظ 'المزمل' پر ایک اور نقطہ نگاہ سے نظر ڈالئے :

اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں، ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسری طرف، تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے ہیں۔ اور مزاملہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کا زمیل بننا۔ پس لغوی اعتبار سے بھی مزمل کے معنی ہوئے زمیل یعنی رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپ ﷺ سمجھتے ہیں اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی محنت و مشقت سے آپ ﷺ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔ لفظ مزمل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے، جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، یعنی کثرت سے زمیل۔ رفقاء راہ۔۔۔ تیار کرنے والا۔ گویا جو شخص آپ سے ایک آیت [2] بھی سیکھ لیتا ہے، وہ اسی حد تک آپ کا زمیل بن جاتا ہے۔

یہ جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپ کے بعد آپ کی نیابت کریں گے۔ اور خلافت چلائیں گے اس تزمیل سے اجتماع (یعنی الحشر) پیدا ہوگا۔

انقلاب کے شروع میں رفقاء ہی تیار کئے جاتے ہیں :

جب حکومت منظم ہو جاتی ہے تو آدمی دو قسم کے ہو جاتے ہیں یعنی حکم دینے والے اور حکم ماننے والے۔ لیکن نئی حکومت پیدا کرنے کے لئے جو انقلاب پیدا کیا جاتا ہے اس میں شروع شروع میں اس قسم کی تمیز نہیں ہو سکتی پہلی

کے شروع میں یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں، اس نے کبھی کوئی اقدامی حملہ نہیں کیا مگر درحقیقت یہ رکیک عذرداری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سوا یہ ہے کہ اسلام میں جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسلام جنگ کو جائز قرار دیتا ہے (اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ وہ جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے) تو اس کے بعد یہ افسر جنگ کے اختیار تمیزی (Siscretion) پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملہ کرے یا غنیم کے حملے کی محض مدافعت کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا قرآن کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

[1] الماحی کے لئے دیکھو سورۃ المدثر میں لفظ مدثر کی تشریح اور العاقب کے معنی حضرت امام الائمہ نے بیان کئے ہیں کہ آپ آخری نبی یعنی خاتم النبیین ہیں۔

[2] ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً یعنی ایک آیت بھی مجھ سے سیکھ جاؤ تو اسی کی آگے تبلیغ کرو)

منزلیں صرف رفیق (Collegues) تیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی اپنے اپنے گھر سے کسی سمت کو سفر کرنے کے لئے نکلتے ہیں دونوں راستے میں مل جاتے ہیں یہ ایک دوسرے کے رفیق راہ ہیں۔ ان میں حقیقی معنوں میں کوئی افسری ماتحتی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انقلاب کی ابتدا میں صرف رفقاء راہ تیار کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سب کے سامنے ایک نصب العین (Ideal) کھلے لفظوں میں پیش کردیا جاتا ہے، اس کو کامیاب بنانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے، وہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ سوسائٹی ان کے نصب العین کو پسند نہیں کرتی۔ ان کے گھر کے عزیز واقارب تک اس کے دشمن ہوجاتے ہیں، محلے والے دشمن ہوجاتے ہیں۔ گاؤں اور شہر والے دشمن ہوجاتے ہیں، پھر سارا ملک دشمن ہوجاتا ہے۔ اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے نصب العین کی کامیابی کے لئے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لئے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرسکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنا مال، اپنی جان، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز واقارب اپنا تمام مال ومتاع۔۔ غرضیکہ سب کچھ قربان کردیں گے تو ان کا کام آسان ہوجاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے، لیکن وہ کیا کرسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دے دے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مصری جادوگر آئے لیکن جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہ ہی

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾

(۲۰:۷۲)

(یعنی اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل وبراہین کے مقابلے میں جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالاتر سمجھنے لگیں، جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرگزر، اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کرسکتا ہے، تو جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کرگزر)

الغرض ایک انقلابی، گھر میں بیٹھ کر ایک بلند مقصد کے حصول کے لئے فیصلہ کرتا ہے اور پھر اس نصب العین کو لے کر گھر سے نکلتا ہے، وہ تلاش کرتا ہے تو اس نصب العین کے شیدائی کئی اور بھی مل جاتے ہیں، یہ اس کے رفقاء کار ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو ہم خیال پاکر اجتماعی طور پر کام کرنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ایک سوسائٹی (Society) پیدا ہوجاتی ہے۔

رفاقت کی پہلی منزل :

اس مرحلے پر سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ ایک صاف تخیل (Ideal) پیش کر کے فیصلہ کرنا اور پھر اسے قبول کر کے چل نکلیں، تو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا۔ یعنی رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لئے جذبے کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں۔ انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل :

اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ کہ تخیل (Ideal) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرلیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا، میں تو یہ سمجھا تھا۔۔۔۔۔ مگر یہ تو بات ہی اور نکلی، تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ :

اس نقطہ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں :

(۱) آپ نبی ہیں : آپ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کرلیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی بات فرما رہے ہیں۔ پھر آپ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں یہ آپ کی ذاتی حیثیت ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کر سکتے، نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے، اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین مکتوبی سے لے گی آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(۲) آپ معلم شفیق ہیں : آپ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں بیان کیا گیا ہے : وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْحِكْمَةَ (الجمعہ۔ ۲) (یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت سکھاتا ہے) آپ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (الحدیث) (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سکھانے کا جو طبعی فرق ہے وہ تو ہمیشہ

قائم رہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت پیدا ہوتی ہے اس میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جب تک استاد کی تعلیم میں یہ طاقت نہ ہو اسے صحیح معنوں میں معلم نہیں کہا جاتا۔

ہم نے یہ مضمون خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ہے جن کے پاس دربار دہلی کا ایک امیر آ گیا۔ شاہی کارندوں نے اسے طلب کیا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کیا آپ اسے بھی اپنے جیسا (یعنی تارک الدنیا) بنادیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ یہ آپ ﷺ کی شان معلمی ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی محبت آپ کے صحابہ کے دلوں میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بات کسی حاکم کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

الغرض المزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

الحاشر کی تشریح فلسفہ ولی اللّٰہی کے مطابق :

حجۃ الاسلام امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے، یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے، یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی اور اس زندگی میں انسان کے پہلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لئے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت امام الائمہ فرماتے ہیں کہ :

فالتشبحات الْحَشْرِيَّةُ فِيْ حَقِّه اَتَمَّ وَاَوْفَرَ وَلِذَالِكَ اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَكْثَرَ عَذَابَ اُمَّتِه فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَهُنَالِكَ اُمُوْرٌ مُتَمَثَّلَةٌ تَتَسَاوِىَ النُّفُوْسُ فِيْ مَشَاهِدَتِهَا كَالْهِدَايَةِ الْمَبْسُوْطَةِ بِبَعْثَتِه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَتَشَبَّحُ حَوْضًا وَتَتَشَبَّحُ اَعْمَالَهَا الْمُحصاة عَلَيْهَا وَزنًا اِلَى غَيْرِ ذَالِكَ وَتَتَشَبَّحُ النَّعْمَةَ بِمَطْعَمٍ هَنِيٍّ وَمَشْرَبٍ مَرِئٍ مَنْكَحٍ شَهِيٍّ وَمَلْبَسٍ رَضِيٍّ وَمَسْكَنٍ بَهِيٍّ۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۳۷)

(یعنی حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے، وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی، اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ، میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے اس لئے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلدی سمجھ جائیں گے)۔ حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جن کو تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے

بڑھانے میں جو جد و جہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی جس میں پانی ہو گا۔ یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے)۔ ایک اور جگہ عالم مثال کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

وَسِرُّ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَمَثُّلَ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ وَالْحَسَنَتِةِ فِي الْمِثَالِ وَتَنَعُّمُ النَّفْسِ وَتَوَجُّعُهَا بِالْحَقَائِقِ الْمِثَالِيَّةِ

(البدور والبازغہ ص ۱۵۴)

یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ایک جگہ واقعات حشر کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

درچوں ازیں موطن درگزرد عالمے دیگر پیش آید ورا درلسان شرع یوم المحشر گویند۔ وحقیقت آں موطن آنست کہ دریں نفوس ارضیہ بسیارے از احکام فردیہ کہ از اختلاط عناصر و زجہت مادہ ظلمانیہ پیدا شدہ برہم خورد۔ وایں نفس بمنزلہ جسم شفاف محاکات صورت نوعیہ نماید۔ واحکام صورت نوعیہ بطریق ظہور و غلبہ پدیدار شود چنانچہ در محسوسات صورت نوعیہ در افراد انسان تقاضا مے کند کہ یدین ور جلین و عینین و اذنین پیدا شوند لیکن گاہے عائقے از عوائق استعداد مادہ ازاں منع کند و چنین ناقص الخلقت اکمہ واقطع واسک پیدا شود اینہمہ از قبیل مادہ است نہ از قبیل صورت نوعیہ۔ ہم چناں درامور معقولہ صورت نوعیہ رامقتضیات است از عقل سلیم کہ از غلاظت اوہام خبیثہ ملوث نہ شدہ و استعداد قبول علوم حقہ از مبدافیاض بروجہ آں داشتہ واز خیال صحیح کہ شئی رابصورت مناسبہ او کہ برطبق شکل عالم مثال است مشبح ساز دپس احکام فردیت فرونشینند و احکام نوعیہ غالب آیند ہمہ مقتضیات نوع در عقل و خیال برروئے کار آید و صورت فردیت قبول ظہور احکام نوع کند و باتم وجوہ محاکات آں نماید چنانکہ درافراد نوع ممکن نشود کہ بہتر از آں احکام نوع ظاہر کند۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ پس دریں موطن وقائع چند ظہور کنند از میزان و حساب و تجلی الٰہی و حضور و تطائر صحف اعمال بطرف یمین و شمال، و شہادت ایدی وارجل، صراط و ابیضاض وجوہ و اسود اداں و شفاعت رسل۔۔۔

میزان کیا ہے؟ :

پس میزان عبارت است از ظہور صورت مقدار اعمال حسنہ و سیئہ و معرفۃ تاثیر ہر یکے از قبیلتین بشکلیکہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین و مانند آں در میان عالم مثال و عالم شہادۃ آں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوامی مثالیہ گردو۔۔۔۔

حوض کوثر کیا ہے؟ :

وحوض صورت ہدایت و رشدے است کہ از تجلی اعظم بر نفس نفیس حضرت پیغامبر ﷺ ریختہ است واز آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ وادنی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آں کردہ اند۔

تسنیم کیا ہے؟

عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات حاصل آید

(تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۲۵۵۔۲۵۳ ملخصاً)

(یعنی "جب اس منزل سے گزر جائے، تو وہ ایک دوسرے عالم میں داخل ہوتا ہے، جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں جاتی رہتی ہیں، اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ ہوتا ہے وہ لنجا، لنگڑا یا کانڑا یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

''ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ صحیح ہو۔ تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

''الغرض اس موطن میں جاکر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں۔ اور

عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی، نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ : فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ (۵۰۔۲۲) (بیشک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لئے آج تیری نگاہ تیز ہے)

''چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں، مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آجانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا، پل صراط پر سے گذرنا، چہروں کا سفید یا سیاہ ہو جانا، اور رسولوں کا شفاعت کرنا''۔

میزان: ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص ''مقدار'' اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہو گی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے ''مادے'' کے مناسب حال ہو گی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہو گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

حوضِ کوثر: ''اور حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہو گی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے، وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہو گی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہو گی۔۔۔

تسنیم: اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہو گا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی۔ جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔ ''

حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض :

و۔ الْحَوْضُ هِدَايَتُهٗ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَسَّدَتْ هُنَاكَ مَاءً بِمُشَابَهَةٍ قَوِيَّةٍ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَاءِ وَأَرَىٰ اَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا غَيْرَ اَنَّ حَوْضَ النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُّ الْحِيَاضِ۔ (الخیر الکثیر ص ۱۱۴)

یعنی حوض کوثر اصل میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے پھیلی ہوئی ہدایت ہے، جو عالم مثال میں جا کر پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے خاص مشابہت ہے۔ میری رائے میں ہر ایک نبی کا جدا جدا حوض ہو گا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہو گا۔''

بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر یا آپ کی تعلیمات اور نمونے کے مطابق انقلاب برپا کریں گے، وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں آپ ﷺ کی امامت میں جمع ہو جائیں گے، ایسے ہی جو لوگ دوسرے انبیاء کرام کی معیت میں کام کر چکے ہیں، وہ اپنے اپنے نبی کی معیت حاصل کریں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ :

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (۴ : ۶۹)

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین پر۔ یہ بہت اچھے رفیق ہیں)

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آسکتا ہے :

حنیفی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام، مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوشش کرتے رہے کہ تمام دنیا میں تورات کو پھیلا کر امامت کبریٰ (بین الاقوامی قیادت) حاصل کریں، لیکن یہ مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپنے مختلف ادوار میں آپ کے اتباع سے باہر نہیں جا سکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے، وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔ اس انقلاب کا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لئے ایک اور قوم ایرانیوں کو ذریعہ بنایا گیا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی "رات" تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے، یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں جب تک انسان روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں، ایک سطح پر آکر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی، مکمل ہو گا۔

پس "المزمل" سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

المزمل کے دوسرے معنی 'امام ائمہ انقلاب'

(۲) اِزْتَمَلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں، حَمَلَ بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھا کر ایک ہی ہچکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَمَلَهٗ اِحْتَمَلَهٗ یعنی بوجھ اٹھالیا۔ (صراح) وَمِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالیٰ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یاایھا المزمل بھی اسی معنی میں ہے۔

رازیؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ مزمل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمّل کے معنی ہیں حَمَلَ[1]

یہ بار کیا ہے؟ : قومی اور بین الاقوامی انقلاب

یہ بار جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا، قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گو اگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کو اس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی انقلاب کو موخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کر لئے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپ نے جوانمردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں امراءِ مدینہ کے ساتھ مل کر کام کر سکیں، وہاں بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کر سکیں۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بار گراں اٹھاتا ہے، وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ المزمل یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ اس آخری درجے کا نام خاتم النبیین رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔

(۲) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (۳) نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ (۴) اَوْزِدْ عَلَيْهِ (رات میں سے کچھ وقت کم کر کے کھڑے رہا کرو۔ آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس پر کچھ بڑھالو)

مثلاً بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

---

[1] قَالَ عِكْرِمَةُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْ زَمَّلَ اِمْرًا عَظِيْمًا اَيْ حَمَلَهٗ وَالزَّمَلَ الْحَمْلُ وَاَزْدَمَلَهٗ اِحْتَمَلَهٗ (تفسیر کبیر للرازی جلد ہشتم ص ۲۳۵ ص ۲)

انقلاب عمومی کے لئے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامان انقلاب تیار کریں۔ جو آپ کے خلیفہ ہو سکیں اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں جو اسے آگے بڑھائیں۔

امامان انقلاب کی تیاری کے لئے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لئے وقت بھی خاص چاہئے اور عوام کی تعلیم کے لئے جداگانہ وقت درکار ہے۔ اس تقسیم اوقات کی اس لئے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت خصوصی (قومی) اور بعثت عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

تہجد کی نماز عوام کے لئے فرض نہیں ہے:

اس آیت میں تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری عمر پڑھتے رہے۔ یہ عام مسلمانوں پر فرض نہیں۔ حنفی، نماز عشاء کے ساتھ جو تین وتر پڑھتے ہیں، وہ اسی نماز تہجد کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ میں فقہ حنفی کے امام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا کہ یَااَهۡلَ الۡقُرۡآن اَوۡتِرُوۡا (اے قرآن کی تعلیمات کے حاملو! وتر پڑھا کرو) ایک بدوی نے بھی یہ بات سن لی اور پوچھا کیا فرمایا آپ نے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ لَيۡسَ لَكَ (تیرے اور تجھ جیسوں کے لئے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ وتر مسلمانوں کی خاص جماعت کے لئے ہیں، عوام کے لئے نہیں۔

یہ آیت منسوخ نہیں:

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے اس کے لئے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کے لئے درجہ اختصاص (Special Qualification) رکھتی ہے۔ اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں کہی جاسکتی۔ جب کبھی وہی حالت پیدا ہو جائے جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ آیت پھر زیر عمل آجائے گی۔

(ب) وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلاً (اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر)

ترتیل کے معنی:

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ: وترتیل کن بواضح خواندن (فتح الرحمٰن) یعنی ایسے پڑھ کہ سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔

(۲) رَتِّلۡ: آرمیدہ وپیدا خواندن (صراح) آرام سے ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا۔

(۳) اَلتَّرْتِيْلُ: اِرْسَالُ كَلِمَةٍ مِنَ الْفَمِ بِسُهُوْلَةٍ وَّاسْتِقَامَةٍ (راغب) (یعنی منہ سے آہستہ آہستہ پختگی کے ساتھ الفاظ نکالنا)

(۴) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً اَیْ اِقْرَءْ عَلٰی تَمَهُّلٍ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ عَوْنًا عَلٰى فَهْمِ الْقُرْاٰنِ وَتَدَبُّرِهٖ وَكَذٰلِكَ كَانَ يَقْرَأُ صَلَوٰتُ اللهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ (ابن کثیر، جلد چہارم ص ۴۳۴) (یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے)

(۵) قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَ يَقْرَأُ السُّوْرَةَ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِّنْهَا (ابن کثیر ایضاً)
(ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی سورتوں کو ایسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی)

(۶) حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اگر انصاف دہی، فائدہ اصلی از نزول قرآن اتعاظ است بمواعظ آں و اہتداست بہ ہدایت آں، نہ صرف تلفظ باآں اگرچہ تلفظ ہم مغتنم است، پس چہ مسلمان بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن نضبط وکدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ را، نداند (دیباچہ قلمی، فتح الرحمٰن)

(یعنی انصاف سے کام لو، تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے! اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی)۔ تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے، وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھ پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کر سکتا ہے؟)

(۷) حضرت شیخ نظام الحق وَالدّین، نظام الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وقت خواندن قرآن باید کہ دل خوانندہ را تعلق بحق باشد و اگر آں میسر نشود باید کہ در حالت قرآن خواندن جلال و عظمت حق بر دل بگزراند۔ یکے از حاضراں سوال کرد ایں معنی ہماں تعلق بحق است کہ در مرتبہ اولیٰ فرسودہ اند؟ گفت کہ تعلق آں بذات حق بود و ایں بصفات حق است و اگر آں ہم میسر نشود باید کہ آنچہ مے خواند معانی آں بر دل گزراند (فوائد الفواد، ص ۱۷)

یعنی قرآن حکیم پڑھتے وقت چاہئے کہ پڑھنے والے کا دل حق سبحانہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور اگر یہ حالت حاصل نہ ہوسکے، تو چاہئے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کا جلال اور عظمت اپنے دل

میں بٹھائے۔

''حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ! یہ دوسری بات وہی نہیں جو پہلے فرمائی ہے ؟

''حضرت نے جواب دیا کہ نہیں، پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہئے کہ کم از کم جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔''

(۸) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ :

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲ : ۱۲) (یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے، تاکہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔)

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جاسکتی ہے ؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ : لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۴۳ : ۴) (یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو، بلکہ اس وقت پڑھو، جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ)

بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے :

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے ! معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے، باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے۔ مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے ! آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے ! کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے !

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے :

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی، جب تک اس کے ارکان اس

تحریک کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو کر انہیں اپنانہ لیں۔اور پھر اپناسب کچھ ان پر قربان نہ کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیاہے۔

(۵) اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝ (ہم تجھ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں)

قول ثقیل کے معنی :

قرآن حکیم کی تعلیم دے کر انقلاب کے لئے تیار کرنا قول ثقیل۔۔۔وزنی بات۔۔۔۔۔ہے۔

انقلاب، کسریٰ و قیصر کے خلاف :

جس زمانے میں قرآن حکیم نازل ہوا قیصر روم اور کسریٰ ایران متمدن دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔ دنیا کی تاریخیں ان دونوں سلطنتوں کی عیاشیوں اور ظلموں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلاطین اور ان کے امرا خود تو داد عیش دیتے تھے مگر انہوں نے اپنے ماتحت عوام میں فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ٹیکسوں کی وہ بھرمار تھی کہ عوام میں سے کوئی شخص کھانے پینے اور ٹیکس ادا کرنے کے واسطے کمانے کے سوااور کسی بات پر غور کرنے کے لئے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ قرآن حکیم ان دونوں بڑی شہنشاہیتوں (Imperial Powers) کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔ یہ آسان چیز نہ تھی۔

عرب کی حالت :

اس مسئلے کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ علم اور صنعت و حرفت ان دونوں طاقتوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے خود ان طاقتوں کے واسطے سے یہ انقلاب کس طرح لایا جاسکتا تھا؟ عرب کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہ تھی کہ ان میں سے قیصر و کسریٰ کے مقابلے کے لئے لشکر تیار ہو سکتے۔ ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت اور صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنیفی ملت کو قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جو، ان کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی، تو انقلاب آسان ہو جائے۔ لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصر و کسریٰ کی طرف مائل تھا۔ اور انہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کیونکہ ان ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی مختصر جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آجائے اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر قیصر و کسریٰ کے ملکوں میں انقلاب کی لہر دوڑائیں اور ان ملکوں کے انقلاب

پسندوں کی مدد سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ کر دیں اور یہی قرآن کا اصلی مقصد تھا۔ لیکن قریش کو ارتجاعی (Reactionary) عناصر سے پاک کر کے عرب کے متفرق قبائل کو انقلاب پر جمع کرنا اور ان کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کے ممالک میں انقلاب بر پا کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ ہے وہ قول ثقیل جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل کسی اور جگہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ : هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (۹: ۳۳) (یعنی خداوند تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھے۔ خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں)

(۲) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝ (رات کا اٹھنا یقیناً بہت روندتا ہے اور بات سیدھی نکلتی ہے) (مولانا محمود حسن شیخ الہند)

حضرت امام الائمہ شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

ہر آئینہ قیام شب زیادہ تراست در موافقت زبان بادل و درست تراست در تلفظ الفاظ (فتح الرحمان)

(یعنی رات کا قیام دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے اور الفاظ منہ سے نکالنے کے لئے بہت بہتر ہے)

جماعت خاصہ کے لئے رات کا وقت کیوں؟ :

رات کا وقت جماعت خاصہ (Special Class) کی تیاری کے لئے مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد محنت کش اور نفس کش لوگ ہی خصوصیت سے جمع ہو سکتے ہیں۔ جو شخص رات کو قرآن حکیم سننے آئے گا اسے اس کی طرف رغبت خاص ہو گی۔ اور اجتماع اور فکر سے روکنے والے امور پر غالب آنے پر قادر ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی (Pscychological) حالت پیدا ہو جائے گی، وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔

آدمی شب بیدار و نیند پر قابو رکھتا ہو، تو وہ رات کو جب بازاری لین دین اور گھر کی ضرورتوں اور تشویشوں سے نسبتاً فارغ ہوتا ہے، تو اچھی طرح سوچ سکتا ہے اور اچھی طرح سوچتا ہے تو اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے۔

رات کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شور و شغب کم ہونے کے باعث بات خوب سمجھی جاسکتی ہے۔

یہ تو ہوئی رات کی بات دن کا ذکر آگے آتا ہے۔

(۷) اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا ۝ (البتہ تیرے لئے دن میں لمبا شغل ہے)۔

عوام سے ربط۔۔ دن میں:

انقلاب عمومی کے لئے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے، بلکہ عوام تک پہنچ ہونی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق (Contact) پیدا کرنے کے لئے دن ہی کا وقت ہو سکتا ہے، جب ان سے واسطہ پڑتا ہے۔

انقلاب کے بنیادی اصول

(۸) (الف) وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ (اور اپنے رب کا نام یاد کر)

اسم سے مراد تجلی الٰہی:

امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں اسم الٰہی سے مراد تجلی الٰہی ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے اقتراب بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟:

قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لئے اور اسے نوع انسانی کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لئے اس تحریک کا تعلق تجلی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے اور ملکیت کا تعلق براہ راست خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی، تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہو گا۔

قرآن کا "نظام نو":

قرآن حکیم جو "نظام نو" پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا

ہے کہ انسان پر حکومت صرف اللہ کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialsim) یعنی چند امراء کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر ان کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے، جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانون الٰہی ہو اور اس کے سوا وہ کسی اور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا، کیونکہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقلمند انسان وضع کر سکیں لیکن بین الاقوامی قانون خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے، جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے، اور نہ کوئی جماعت یہ کام کر سکتی ہے۔ پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون کا نوع انسانی میں قیام ضروری ہے تاکہ نوع انسانی اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فرد انسانی کے لئے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے اور کوئی اجتماع انسانی جس میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔

کام کرنے کے دو اصول:

(ب) وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلاً (اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا)

دنیا میں کام کرنے کے دو اصول اب تک چلے آتے ہیں۔

(۱) مادی اسباب کے بھروسہ پر کام کرنا۔

(۲) مادی اسباب سے کام لینا۔ لیکن ان کو نتائج اور کامیابی میں موثر بالذات نہ ماننا۔ یعنی ان کو صرف آلات کی حیثیت دینا۔

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت:

قرآن کی انقلابی تحریک میں کسی دوسری تحریک کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے، لیکن۔۔۔ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی۔

مادے کا ترقی یافتہ حصہ:

حقیقت یہ ہے کہ کائنات محض مادے اور اس کی خاصیات کے مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس میں ایسی قوتیں بھی موجود ہیں، جو مادے سے قدرے مختلف ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے

کہ اس کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں، جو غیر مادی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس عالم مادی سے علیحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ مادی قوتیں ہی ترقی کر کے مثالی اور روحانی بن گئی ہیں۔ یہ غیر مادی چیزیں ہی حقیقت میں ان مادی اشیاء کی بنیاد ہیں۔ حکمیات جدیدہ (Modern Science) کا رخ بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، چنانچہ سر آمد حکماء یورپ سر جیمز جینز (James Jeans) کہتے ہیں کہ: "یعنی میں اس تخیلی نظریے کی طرف مائل ہوں کہ شعور ذھنی بنیادی چیز ہے اور مادی کائنات اس شعور ذھنی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ شعور مادے سے پیدا ہوا ہو۔"

ایک جرمن حکیم ماکس پلانک (Max Planck) کہتا ہے کہ:

"I regard consciousness as fundamental and regard matter derivative from consciousness."

"یعنی میں شعور ذھنی کو اصلی اور اساسی شے مانتا ہوں اور مادے کو اس سے نکلا ہوا سمجھتا ہوں"۔

عالم مثال:

الغرض امام ولی اللہ اور ان کے اتباع غیر مادی، مادے کو اس عالم مادی۔۔۔۔ عالم شہادی۔۔۔۔ کی اصل مانتے ہیں اور اسے عالم مثال (Non. meterial world) کی اصطلاح سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک کے کارکن مادے کی ہستی اور اس کے خواص وافعال کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک غیر مادی اصل سے خارج شدہ مان کر اس غیر مادی اصل الاصل۔۔۔۔ خداوند تعالیٰ۔۔۔۔۔ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو اس مادی اور غیر مادی عالم سے ماوراء ہے۔ اور جو ان دونوں کی اصل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ مادی اسباب کو اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھو بلکہ خدائے واحدہ لاشریک کو اس ساری مادی اور غیر مادی۔۔ شہادی اور مثالی اور روحانی۔۔۔۔ کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کر کے کام کرو۔

قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے:

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

(ا) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لئے مادی نفع جوئی نہ کریں گے۔ یعنی یہ انقلاب پیدا کر کے وہ اپنی ذات کے لئے کوئی مادی فوائد (Metrial gain) حاصل نہیں کریں گے۔ بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عامہ کے لئے کام کریں گے۔

(۲) وہ ان مادی اسباب سے کام لیں گے جو انہیں حاصل ہوں، لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں گے، یعنی اپنے آپ کو ان مادی اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں، وہ کوئی کام ہی نہ کریں، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کردیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی خداوند تعالیٰ ان کے لئے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

قرآن کے انقلابی نظریے کی ضرورت :

انقلاب کے اس جدید نظریے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ عالم اسباب کی تمام قوتیں جن کے بل بوتے پر انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ ان انقلابیوں کو حاصل نہیں ہیں، بلکہ وہ سب ان کے مخالفین (قیصر و کسریٰ اور رؤسا مکہ اور رؤسا عرب) کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ اپنی کامیابی ان اسباب ظاہری سے وابستہ کرلیں تو وہ کبھی حرکت نہیں کرسکتے۔ اس لئے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو سکھایا گیا کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب صرف مادیات ہی کی سرحد پر ختم نہیں ہوجاتے، بلکہ حقیقی اور موثر اسباب، مادی سرحدوں سے پرے واقع ہیں۔

اگر دنیا میں کامیابی کا آخری انحصار محض اور صرف اسباب مادی پر ہوتا تو جن قوموں کو یہ مادی اسباب کامل طور پر حاصل ہیں، وہ کبھی نہ گرتیں اور محکوم اور غلام اقوام جو ان اسباب سے محروم ہوتی ہیں وہ کبھی ترقی نہ کرسکتیں۔ مگر چڑھی ہوئی قوموں کا گرنا اور گری ہوئی قوموں کا اٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مادی اسباب کے علاوہ بعض غیر مادی اسباب بھی ہیں، جو قوموں کو گرانے اور اٹھانے میں اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم بنی اسرائیل کی گری ہوئی قوم کے متعلق کہتا ہے کہ :

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۵﴾ (القصص: ۵،۴)

(یقیناً، فرعون نے ملک میں بہت سرکشی کی اور اہل ملک میں نفاق ڈال کر تقسیم کردیا، پھر وہ ان میں سے ہر ایک کو کمزور کرنے لگا۔ چنانچہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو جیتی رکھتا تھا۔ یقیناً وہ بڑے مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں، جن کو ملک میں ضعیف بنادیا گیا تھا اور ان کو لیڈر بنادیں اور ملک کے وارث بنادیں)

پس مادی اسباب سے کام لیتے ہوئے بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے، جو ان مادی اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور عوام سے کسی قسم کی مادی اجرت طلب کرنے کے خیال سے قطع نظر کرکے محض خدا کی خاطر کام کرنا

اس قرآنی تحریک کا طغرائے امتیاز ہے۔

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو۔[1] یعنی تمام اسباب کو مان کر اور استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو۔ اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو۔ قرآن مادی اسباب کا انکار نہیں کرتا، بلکہ نظر بلند کر کے اسماء حسنیٰ تک پہنچاتا ہے جو مادے کی اصل ہیں۔

گری ہوئی قوموں، بے بس جماعتوں اور اسباب سے محروم لوگوں کو اٹھانے کے لئے اس بلند فکری سے بہتر اور کیا حوصلہ افزا تعلیم ہو سکتی ہے؟

ع دارو ہے ضعیفوں کا، لا غالب الاھو

اب بتایا جائے گا کہ اس تحریک انقلاب کی کامیابی کے لئے بہترین خطہ کونسا ہے۔

انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق و مغرب میں :

(۹) (الف) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے)

اس انقلابی تحریک کا حلقہ عمل حقیقت میں عرب نہیں ہے۔ وہ قریش کے خلاف عداوت اور قتال کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں اس علاقے کے لئے ہے، جو عرب کے مشرق اور مغرب میں واقع ہے۔ یعنی دراصل کسریٰ ایران (مشرق) اور قیصر روم (مغرب) کو قرآن کے قانون کے ماتحت لا کر اس تحریک کو تمام دنیا میں پھیلانا مقصود ہے، کیونکہ قیصر و کسریٰ کے نظام، انسانیت کے لئے برباد کن ہیں۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی اقتصادی اور ذھنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، کہ کسی انسان کو اپنی اصلی انسانی ضرورتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرنا ضروری ہے اور عرب کو اس انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہ تحریک ایک خاص ذہنیت بھی چاہتی ہے جو نہایت سرد علاقے میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ انقلابی تحریکیں اور مستقل اور پائیدار تہذیبیں کرۂ زمین کے انتہائی شمالی اور انتہائی جنوبی علاقوں میں پیدا نہیں ہوتیں اور نہ وہاں ان کے پنپنے کا سامان ہے بلکہ اس قسم کی تحریکیں ہمیشہ اس منطقہ میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی جو شرقاً غرباً

---

[1] عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ: لِیَسْئَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْئَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ (المشکوۃ المصابیح)
(ہر شخص اپنی ہر ایک حاجت اللہ ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے)

پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقے کے تمدن، غیر طبعی ہیں اس لئے دیر پا نہیں ہوتے۔

(ب) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان!)

اس علاقے میں نہ کسریٰ کی حکومت رہنی چاہیئے نہ قیصر کی "خدائی" ان کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا قانون جاری ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کائنات کا پروردگار یعنی ساری کائنات کو ایک خاص مجموعہ قوانین کے مطابق ترقی دینے والا وہی ہے یہی وہ چیز ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

They will be done on earth as in Heaven (Math 6:10)

(خدا کی مشیت کرۂ زمین پر اسی جامعیت کے ساتھ پوری ہونی چاہیئے جس کاملیت کے ساتھ زمین سے باہر کی ساری کائنات میں پوری ہو رہی ہے)

قرآن کا منشاء مصنوعی "خداؤں" کا خاتمہ:

پس جس طرح خدا کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں ہے، ایسے ہی اس کا قانون "قرآن حکیم" انسانی معاشرے میں جاری کیا جائے اور تمام مصنوعی "خداؤں" کی "خدائی" ختم کر دی جائے اور بندگی صرف خدا کی کی جائے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو اپنے تمام اعمال و افعال اور خیالات میں خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ اس میں لوگوں کے دکھاوے یا حاکم کے فیصلے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ فیصلہ خود ہر ایک انسان کو اپنے دل کے اندر کرنا ہوگا۔ جب تک انسان کا یہ یقین نہ ہو جائے کہ میرا یہ کام خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، اس وقت تک وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھے۔ یہ ہے خدا کی بندگی۔ اس طرح جوابدہ سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ساری نوع کی یکساں خدمت کر سکے گا، کیونکہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس تجلی کے حوالے کر دے گا، جو انسانیت کے قلب پر پڑتی ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا، تو اسے تمام نوع انسانی کی ہمدردی اور خدمت کرنی ہوگی۔ اس سورت میں قرآن کے انقلاب کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ایسا انقلاب برپا کیا جائے جو انسان کے نوعی تقاضے پورے کرے نہ کہ کسی خاص خطے یا قوم کی ضرورتوں ہی کا کفیل ہو۔

جس موطن میں اعمال انسانی کے یہ فیصلے ہوتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس مقدس مقام میں تمام انبیاء اور اعلیٰ طاقتیں جمع ہوتی ہیں، ہر ایک چیز کا فیصلہ کرنے والی طاقت وہاں صرف تجلی الٰہی ہے۔ انسانیت کا نصب العین یہ ہے کہ اس مقدس مقام میں اپنے لئے جگہ حاصل کرے۔ یہ انبیاء کی انقلابی تحریک ہی کے نتیجے کے طور پر انسان کو مل سکتی ہے۔

مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو:

(۱۰)وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا ۝

(جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اس پر صبر کر اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جا!)

قریش جو پہلے قومی عربی انقلاب کا اور پھر بعد میں عمومی بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنیں گے، وہ امی اور ان پڑھ ہیں۔ انہیں قرآنی انقلاب کا مقصد ذہن نشین نہیں ہوا۔ ان کو سمجھانے کے تمام طریقے ابھی استعمال کرنے ضروری ہیں۔ سب کو سمجھانے کا ایک ہی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی ذہنیت کے مطابق سمجھاؤ۔ ابھی ان سے لڑنے بھڑنے اور قتال کرنے کا وقت نہیں آیا۔ اور نہ تم اس کے لئے ابھی تیار ہو۔ اس لئے ابھی مخالفت کرنے والوں کی باتوں پر صبر کرو۔ اور ایسی حالت پیدا نہ ہونے دو کہ وہ ہاتھا پائی پر اتر آئیں۔

تیاری سے پہلے اقدام مضر ہوتا ہے:

اگر تیاری سے پہلے اقدام کر دیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے، چنانچہ ابتداء نبوت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کر لیتے۔ اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کو کسی جگہ جمع ہو جاتے اور اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہتی۔

اب بھی جس ملک میں قرآن حکیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا، اسے پہلے اسی منزل میں سے گزرنا پڑے گا۔ یعنی ذھنی تیاری کی منزل میں سے جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اس تیاری ہی کی برکت تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد ارتجاعوں (Reaction) میں سے گزرنے کے بعد بھی اب تک زندہ ہے۔

سرمایہ پرستوں سے بازپرس

(۱۱)وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ۝ : مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے!)

مکذبین، کسریٰ و قیصر ہیں:

اَلۡمُکَذِّبِیۡنَ (جھٹلانے والے) سے مراد بین الاقوامی حلقے میں کسریٰ و قیصر ہیں۔ اور قومی حلقے میں مجازاً قریش

کے وہ سردار جوان کی راہ چلتے تھے اور جوان ہی کی طرح انقلاب کو برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس انقلاب کے پروگرام (Revelutionary Programme) کو نہیں مانتے۔

سرمایہ پرستوں سے بازپرس ہوگی :

أُولِي النَّعْمَةِ (فارغ البال) وہ لوگ ہیں، جن کے پاس انسانی ضروریات مثلاً کھانے پینے وغیرہ کا سامان وافر موجود ہے، جو ان کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔

اس قسم کے سرمایہ پرست مخالفین سے چند دنوں کے لئے اعراض کرو۔ اور لڑائی سے بچو۔ یہاں تک کہ تمہاری تیاری مکمل ہو جائے۔ اس کے بعد ان سے بازپرس کی جائے گی۔ اس زندگی میں وہ جماعت ان سے بازپرس کرے گی جو قرآنی اصولوں پر خدا کے حکم کے مطابق انقلاب برپا کرے گی۔ یہ دنیا میں خدا کی خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ دوسری زندگی میں خدا تعالیٰ براہ راست ان سے بازپرس کرے گا۔

حضرت مسیحؑ کا ارشاد سرمایہ پرستوں کے بارے میں :

یہ بازپرس تمام مذاہب کا مسلّمہ اصول ہے۔ چنانچہ متی کی انجیل باب ۲۵ آیات ۳۱-۴۶ میں ہے کہ :

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے، تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔ جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ اور پھر بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے داھنی طرف والوں سے کہے گا کہ آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہت، بناء عالم کے وقت سے تمہارے لئے بنادی گئی ہے، اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا" تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا، ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا، بیمار تھا تم نے میری خبر لی۔ قید تھا تم میرے پاس آئے۔ تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے "اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ یا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا؟ ہم نے کب تجھے پردیسی دیکھ کر گھر میں اتارا، یا ننگا دیکھ کر کپڑا پہنایا؟ کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟" بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا "میں تم سے سچ کہتا ہوں، چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا، اس لئے میرے ساتھ کیا۔"

پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا۔ "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ۔ جو

ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے، کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی"۔ تب وہ جواب میں کہیں گے "اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا پیاسا، یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟" اس وقت وہ ان سے کہے گا "میں تم سے سچ کہتا ہوں، چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا۔ اس لئے میرے ساتھ نہ کیا"۔ تو یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان :

انہی معنوں میں ایک روایت مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں بھی ہے :

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: "یَا ابْنَ اٰدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ "قَالَ اَیَارَبِّ كَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ قَالَ: "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فَلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ "یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَطْعَمْتُكَ، فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ "قَالَ: یَارَبِّ! كَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ "قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْاَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِیْ" "!یَاابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ "قَالَ: "یَارَبِّ! كَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ "قَالَ: اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُسْقِهٖ۔ اَمَّا عَلِمتَ لَوْاَنَّكَ لَوْسَقَیْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِیْ"

(یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا۔ لیکن تو نے میری خبر تک نہ لی! انسان کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو ساری اقوام کا رب ہے۔ تیری خبر گیری میں کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی! اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا! اے ابن آدم! میں نے پیاسا ہو کر تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا! انسان کہے گا کہ یااللہ! تو تمام اقوام عالم کا پروردگار ہے تجھے پانی کس طرح دیتا؟ اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اسے دیا نہیں۔ تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس پاتا"۔۔۔۔۔ الغرض قیامت کے دن قوموں کا فیصلہ اسی مسئلے پر ہوگا کہ انہوں نے مسکینوں اور بیکسوں کو کھانا اور کپڑا لتہ وغیرہ دیا یا نہیں۔

بازپرس کیوں ہوگی؟ :

اما الائمہ امام ولی اللہؒ ،نے اپنے ایک رسالے "سطعات" میں اس امر کی تشریح کی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی

تجلیات میں سے ایک تجلی 'تجلی اعظم' کہلاتی ہے، جو ساری کائنات پر اثر انداز ہے۔ اس کا ایک عکس یا نازل 'تجلی عرش' کہلاتی ہے۔ جس کے نیچے ہر ایک نوع حیوانات کا ایک نمونہ موجود ہے۔ ان میں ایک نمونہ نوع انسان کا بھی ہے۔ اسے امام نوع انسانی یا انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اس انسان کبیر کے نمونے ہی پر تمام انسان اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں جو انسان صغیر کہلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر کی جو روح ہے، وہ تمام افراد انسانی کی روح ہے۔ اس انسان کبیر کے قلب پر عرش کی تجلی کا عکس پڑتا ہے۔ یہ گویا تجلی اعظم کا تیسرے درجے کا نازل عکس ہے۔ یا یوں کہو کہ ذات خداوندی کی ایک نازل تجلی ہے۔ یہ تجلی حشر میں ہر ایک فرد انسانی سے مخاطب ہوگی۔ تو گویا حقیقت میں انسانیت ہر ایک فرد سے مخاطب ہو کر ان سے بازپرس کرے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز انسانی افراد اور انسانی جماعتوں کا فیصلہ مجموع انسانی (Humanity as a whole) کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ جو فرد انسان کبیر یا انسانیت جامع کے طبعی تقاضوں کے جتنا قریب ہوگا یعنی ان کو جتنا زیادہ پورا کرنے والا ہوگا اتنا ہی نیک یا صالح قرار دیا جائے گا۔

افراد انسانی اور انسان کبیر کا تعلق:

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم انسانی کے خلیات (Cells) کہ ان میں سے بہترین۔۔۔۔ صالح ترین۔۔۔۔ خلیہ وہ ہے، جو سارے بدن انسانی کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا ہے۔ اور دوسرے خلیات کے ساتھ مل کر بہترین مصالحت (Harmony) کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جو خلیہ اس طرح کام نہیں کرتا وہ بیمار ۔۔۔۔ غیر صالح۔۔۔۔ ہے۔ وہ خلیہ جسم انسانی کی خدمت کرنے سے بلسان حال "منکر" ہے یعنی "کافر" ہے۔ اس خلیے سے "بازپرس" ہوگی اور اس کی اصلاح کے لئے اس کا علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح ہر فرد انسانی کی صالحیت کا امتحان اس نقطہ نگاہ سے ہوگا کہ اس نے دیگر افراد انسانی کی ساتھ مل کر کہاں تک مناسبت (Harmony) پیدا کی۔ جو انسان کبیر کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ اگر کسی فرد کے بدن میں کچھ اجزا خراب یا ناقص ہوں گے، تو اس کی اصلاح کے لئے اسے جہنم کے "شفاخانے" میں جانا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایک انسان کے پاس خوراک کا ذخیرہ اس کی ضرورتوں سے زیادہ ہے، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بدن انسان کے تندرست خلیے میں خون آتا ہے۔ اگر وہ فرد انسانی اس ذخیرہ خوراک میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر دیگر افراد انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے، تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ، خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کا وظیفہ (Function) ہے، اگر وہ فرد انسانی خوراک جمع کر رکھے تو، وہ ایسا ہی ہے جیسے خلیے میں خون "جمع" ہو جائے۔ تو جیسے اس صورت

میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے۔ مثلاً اسے سوجن ہو گئی ہے ایسے ہی فرد انسانی کو بھی غیر صالح۔۔۔۔ ناتندرست، اخلاقی بیمار۔۔۔۔۔ قرار دیا جائے گا۔ اور انسانیت (امام نوع انسان) کے قلب پر جو تجلی الٰہی پڑتی ہے وہ اس سے باز پرس کرے گی۔

صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے:

الغرض اس دنیا کی زندگی میں فرد کی صالحیت موقوف ہے۔ اس بات پر کہ اس نے دوسرے کمزور اور مسکین افراد کے کھانے پینے اور کپڑے لتے سے کتنی مدد کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انقلابی جماعت کی طرف سے، جو انسان کبیر یا انسانیت عامہ کی نمائندگی کرتی ہے اور اس دنیا میں انسان کبیر کے قلب پر پڑنے والی تجلی الٰہی کی طرف سے، گویا براہ راست خداوند تعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہو گی۔ یہ انقلابی جماعت ان انسانیت فراموش افراد سے اس وقت باز پرس کرے گی جب وہ اپنی مرکزی طاقت مضبوط کر لے گی۔

(۱۲) اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ (۱۳) وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ (۱۴) يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ (بیشک ہمارے پاس بیڑیاں، تیز آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے جب زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ پھسلے ریت کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے)

ان آیات میں، آنے والے بہت بڑے خوفناک واقعے کا ذکر ہے اور اس میں "مکذبین" کے لئے جن کا اوپر ذکر آیا ہے ایک بہت بڑا ڈر وا ہے۔

انقلاب اور قیامت:

امام ولی اللہؒ، کی حکمت کے مطابق ان آیات میں آنے والی بڑی قیامت کے علاوہ چھوٹی دنیاوی قیامت۔۔۔۔۔ انقلاب عمومی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قرآن در حقیقت آنے والے انقلاب سے ڈرانا چاہتا ہے، اس کے لئے وہ قیامت کبریٰ کے واقعات کو جو تمام اقوام میں مسلمہ طور پر معلوم ہیں، عنوان بناتا ہے۔ اگر قرآن حکیم محض عربوں کے لئے نازل ہوا ہوتا تو وہ عرب کی گزشتہ تاریخ کے واقعات مثلاً عاد و ثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا، مگر یہ عالمگیر صداقتیں لے کر آیا ہے۔ اس لئے اسے ان عالمگیر صداقتوں کے نہ ماننے والوں کی عبرت انگیزی کے لئے مسلمہ عالمگیر حوادث ہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے ان آیات میں انقلاب عمومی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قیامت کے عالمگیر حادثے کو ذریعہ بنایا ہے۔

کھانے پینے کے نظام کی اہمیت :

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کے پروگرام میں کھانے پینے کے انتظام کو پوری اہمیت دینی چاہئے اور اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے۔ جب اس اصول پر اصلاح شروع کی جائے گی تو اسے اپنے زمین وآسمان بدلے ہوئے نظر آئیں گے، وہ اس گھر میں آرام سے نہ رہ سکے گا جس میں وہ اب تک ظالمانہ انداز سے رہتا تھا۔ وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا اور اس ملک میں نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو۔

فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا :

جب کسی قانون کا کوئی باغی پکڑا ہوا آتا ہے، تو اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے، اسے وہاں بدترین غذا ملتی ہے اور تمام راحتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کے دشمن کو بیڑیوں میں کس کر پہلے دنیاوی قید خانے میں ڈالا جائے گا اور یہاں سے مر کر نکلتے ہی وہ جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا، چونکہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا، اس لئے اسے دنیاوی جیل میں اور اس کے بعد اخروی جیل (جہنم) میں ایسا کھانا دیا جائے گا جسے وہ کھا نہ سکے گا۔ اور جس طرح مساکین اسے دیکھ دیکھ کر ترستے تھے اب وہ کھانے کو ترسے گا۔ البتہ دنیاوی عذاب کا قاعدہ اتنا عام اور ہمہ گیر نہیں جتنا اخروی زندگی کے عذاب کا ہے، کیونکہ جو شخص انقلابی جماعت کی کامیابی سے پہلے مر گیا وہ اس کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ جائے گا۔ جو لوگ ان ایام انقلاب کی پوری سزا سے بچ گئے ان کے لئے آخری باز پرس کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اس روز سب کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اس روز خداوند تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرے گا۔

پس کھاتے پیتے لوگ جو انسانیت کی خدمت کے اصولوں سے انکار کرتے ہیں۔۔۔ مکذبین۔۔۔۔ وہ اس بڑے یوم انقلاب۔۔۔۔ قیامت کبریٰ۔۔۔۔ اور اس آنے والے چھوٹے یوم انقلاب۔۔۔۔ قیامت صغریٰ سے ڈریں! اور ان کے پاس جو نعمت الٰہی ہے، اس میں سے ان کو بھی بقدر ضرورت دیں جو اس سے محروم ہیں۔

فائدہ :

ایک شخص غلطی کرتا ہے اس پر گرفت کا موقعہ آ چکا ہے، مگر اس نے دوسری جماعت میں مل کر ایک اچھا کام بھی کیا ہے، اب یہ جماعتی اچھا کام اگر اس غلطی کو معاف نہیں کرا سکتا تو اسے موخر ضرور کرا دے گا۔ اس اصول پر

انسانوں کا فیصلہ آگے پیچھے ہو سکتا ہے، مگر کوئی جرم بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتا اور جب اس جرم کی سزا پوری ہو جائے گی جو ہمیشہ محدود ہو گی تو اسی وقت سے وہ نجات پا جائے گا۔

انقلاب کی منزل اول : قومی انقلاب

قومی انقلاب کی دعوت :

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾ (ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا)

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا۔ اور قومی انقلاب لانیوالی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں :

حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ عرب کے لئے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں دوسری یہ کہ آپ تمام اقوام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ :

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِىْ يَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰى مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ يَّحْتَاجُ اِلٰى اُصُوْلٍ اُخْرٰى غَيْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ يَّدْعُوَ قَوْماً اِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُصْلِحَ شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِه فَيُجَاهِدُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِى الْاٰفَاقِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ وَذٰلِكَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَا يَتَاَتّٰى مِنْهُ مُجَاهَدَةُ اُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ وَجَبَ اَنْ تَكُوْنَ مَادَّةُ شَرِيْعَتِه هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْهَبِ الطَّبِيْعِيِّ لِاَهْلِ الْاَقَالِيْمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَا عِنْدَ قَوْمِه مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِتِّفَاقَاتِ وَيُرَاعٰى فِيْهِ حَالُهُمْ اَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۱۸)

”اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی

قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا، وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت : كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے ساتھ لڑ بھڑ نہیں سکتا۔ اور چونکہ صورت حال یہ بن جاتی ہے اس لئے ضروری ہے، کہ اس کے قانون شریعت کا جوہر تمام اقوام کے لئے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں بمنزلہ مذہب طبیعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتقاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو)۔

پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کر کے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال :

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی رہین منت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لئے اسی حربے سے کام لیا۔ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ (طٰه)

(یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں اس لئے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو عذاب مت دے! ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے۔)

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور نمائندہ گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ (الاعراف ۷: ۱۰۵)

(میں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آگیا ہوں۔ اس لئے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردو)

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی رنگ میں کرنا شروع کیا اور ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے۔ اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

(۱۶) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّ بِيْلًا ۝ (فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا)

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ :

فرعون کی ملوکیت، بنی اسرائیل اور مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلالت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اہرام مصر (Paramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں، سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں۔

جب حکمران طبقہ اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہیے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے؟ بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے ساتھ جانے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظم کر لیا اور بالآخر ان کو مصر سے نکال لے گئے۔ اب خداوند تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کر دیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ : کسریٰ اور قیصر :

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharoas) کسریٰ ایران اور قیصر روم۔۔۔ کے لئے ایک نبی عظیم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانون۔۔۔ قرآن حکیم۔۔۔ قبول کر کے اسے رائج کریں، اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے، تو کسانوں پر جو ظلم وہ کر رہے ہیں، اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں :

اِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِيكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْيَرِيْسِيْنَ

(الصحیح البخاری باب بدء الوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دگنا اجر بھی دے گا، اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہیں اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں، ان کے تم ذمہ دار ہوں گے)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوتے تلے دبے ہوئے لوگوں خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی، کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھی۔ چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ (ص ۱۰۵) میں اس طبقے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی، نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ کسریٰ و قیصر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)

یہ تھا، بین الاقوامی انقلاب، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

(۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝

(۱۸) (الف) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ : (تم کس طرح بچ سکو گے؟ اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا۔)

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہو گا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لئے خدائے قدیر اور مدبر السموت والارض تدابیر کر رہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لئے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیحؑ "ہلانا") پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لئے تدبیر الٰہی کے طریقے:

تدبیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں:

وَاِذَا تَهَيَّاتْ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللهِ بِعِبَادِهٖ وَلُطْفُهٗ بِهِمْ وعُمُوْمُ قُدْرَتِهٖ عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلُ عِلْمِهٖ بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لَهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةِ والْاِلْهَامِ حَتّٰى تَقْضِى تِلْكَ الْجُمْلَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کر کے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کر دی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرے ذرے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس غرض کے لئے وہ مخلوقات اور ان کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات چار قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں:

(۱) قبض: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)

(۲) بسط: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لئے مفید ہوں مگر کمزور ہوں، ان کو قوای مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنا دیتا ہے)

(۳) احالہ: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے)

(۴) الہام: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

کسریٰ و قیصر اور ان کے متبع میں قریش کو انذار:

الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون حضرت موسیٰؑ کی تحریک انقلاب کی مخالفت کر کے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے ملکی اور حجازی متبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

اس پیشگوئی کی تصدیق:

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابو جہل اور اس کے متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہو گئے۔

(ب) كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلاً: (یہ بات ہو کر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک

نہ سکے گی!

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت:

ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا، اور قرآنی نظام (Quranic Order) کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی، اس لئے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدر اسلام میں پیش آئی تھی اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعۃً زندگی بسر کی۔ اس لئے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں، قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہو گئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔ ہم خود ہندوستان میں اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو یورپین استیلاء سے پیدا ہوا مگر ہم ایک واسطے سے اس انقلاب کے حالات جانتے ہیں۔ جب وہ حالات سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے انقلاب کی قریب ترین مثال روسی انقلاب کی ہے۔ روس میں زار کے خاندان اور دیگر روسی امراء کے خاندانوں پر جو بیتی وہ کچھ وہی خوب جانتے ہیں، جو ان قیامت خیز و حشر زا حوادث سے دوچار ہوئے۔ جو لوگ ۱۹۱۷ء ہندی کے بعد پیدا ہوئے، وہ ان کی حقیقت سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اور صفحات تاریخ وہ خونچکاں مناظر کس طرح دکھا سکتے ہیں، جو آنکھوں نے ۱۹۱۷ء ہندی میں دیکھے؟ اور اس سے تھوڑا سا فرق کر کے عثمانی خلافت (ترکی) میں جو انقلاب آیا ہے اور شاہی خاندان جس طرح بھیک مانگنے اور بری طرح اخلاق بیچنے پر مجبور ہوا، مسلمانوں کا کھاتا پیتا طبقہ، اُن مسلمانوں کو سامنے نہیں آنے دیتا، ورنہ مسلمانوں کے سامنے روس کے انقلاب کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ اور جتنی سزا عثمانیوں کو دی گئی وہ ہمارے عوام سن لیں تو آنکھیں کھلی رہ جائیں!

الغرض قرآن حکیم قیامت کبریٰ کے جس چھوٹے سے نمونے۔۔۔۔ انقلاب۔۔۔۔۔ کی خبر دے رہا ہے، وہ واقع ہو کر رہے گا۔ اور کوئی ارضی و سماوی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

قرآن متنبہ کرتا ہے:

(۱۹) (الف) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ یہ ایک یاددہانی ہے)

جو لوگ قرآن سوچتے ہیں قرآن حکیم ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف ارتجاع (Reaction) سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتا ہے۔

(ب) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۱۹﴾ (اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے(

اب کون بچے گا؟ :

اس انقلاب نے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ جو شخص چاہے یہ راستہ اختیار کرلے۔ اور قرآنی تعلیم کو اپنا پروگرام بنا کر دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ رسول اللہ کا فرض یہ ہوگا کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو یاددہانی کراتے رہیں۔ آپ کے بعد قرآن حکیم کی تعلیم سے صحیح طور پر سوچنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے کارکن انقلاب کے اصولوں کو سمجھ کر اپنالیں اور پھر اپنی ذمہ داری پر کام کریں۔ جب تک کوئی شخص اپنے فیصلے سے انقلابی نہیں بنتا انقلاب میں وہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ کر شامل نہ ہوں، وہ بھی ارتجاعی بن جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن کے اصولوں کو سمجھا کر انقلابی بنانا ضروری ہے۔

نظر بازگشت :

اس رکوع میں مندرجہ ذیل مضامین آگئے ہیں :

(۱) قرآن حکیم کی تحریک عوام اور خواص دونوں میں جاری کی جائے تاکہ یہ اپنے انقلابی اثرات پیدا کرے۔

(۲) اس تحریک کو آگے بڑھانے کے واسطے، صرف خدا پر بھروسہ کر کے کام کرنا ضروری ہے۔

(۳) اس تحریک کا ابتدائی مقابلہ بین الاقوامی میدان میں کسریٰ و قیصر کے سرمایہ پرستانہ نظام سے پیش آئے گا۔ اور قومی میدان میں ان لوگوں سے جن کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہے۔

(۴) ابتدا میں انقلابی جماعت لڑنے سے باز رہے۔ اور صبر کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتی ہوئی تیاری کرے۔

(۵) قرآنی انقلاب کی بنیاد مسکینوں کی خدمت پر ہوگی اور اسی مسئلے پر قیامت کے روز اقوام اور افراد کا فیصلہ ہوگا۔

(۶) عمومی انقلاب برپا کرنے سے پہلے اس کے پیشرو (Pioneers) تیار کرنے کے لئے قومی انقلاب پیدا کیا جائے۔

انقلاب کی منزل دوم : ’’بین الاقوامی انقلاب‘‘

تمہید :

انقلاب کی حقیقت ان کے ذہن نشین ہو گی۔ اب یہ اساتذہ۔۔۔ ائمہ انقلاب۔۔۔ اپنے اپنے گھروں پر لوگوں کو تیار کریں گے، اس لئے شب بیداری کی وہ پابندی جو ایک سال پہلے لگائی گئی تھی کہ ایک تہائی، نصف یا دو تہائی رات گئے تک کھڑے رہا کرو، غیر ضروری قرار دے دی گئی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے قیامت تک کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔ اس ”قول ثقیل“ پر عمل کرنے کی تیاری کے لئے ضرور کم سے کم ایک سال تک بالاستیعاب (Intensive) مطالعے اور گہرے غور و فکر کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بھی جب انہی اصولوں پر انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہو گی پھر یہی اصول قائم ہو جائے گا۔ اور یہ آیت زیر عمل آجائے گی۔ یہ قیام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ساری عمر ضروری رہا، مگر عام لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

(۲۰) (الف) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

(بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ، تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات تک کھڑی رہتی ہے اور اللہ مقدار معین کرتا ہے رات اور دن کی۔ وہ جانتا ہے کہ تم (ہمیشہ) اس حکم کی پیروی نہ کر سکو گے، اس لئے اس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے بری کر دیا، اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکو)

قیام شب کا حکم دائمی نہ تھا :

یہ حکم تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے لئے دائمی حکم نہ تھا کہ وہ ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی رات تہجد میں گزاریں، جس میں وہ قرآن حکیم پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ زمین کے بعض حصوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں، جیسے ناروے کے شمال میں ایک ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اگر اتنی لمبی رات کا آدھا یا تہائی بھی کھڑا رہنا پڑے تو عملی طور پر یہ ناقابل عمل ہو گا ایسی تعلیم جس میں اس قسم کے حکم ہوں عالمگیر نہیں بن سکتی۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورت کے مطابق قرآن حکیم کے اتنے مطالعے کا حکم دیا جس پر عمل ہمیشہ ممکن رہے۔

ترمیم حکم کے دوسرے اسباب

(۱) امراض (۲) سفر (۳) قتال: اس حکم کے بدلنے میں رات دن کی کمی بیشی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً:

(ب) عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ (وہ جانتا ہے کہ تم میں عنقریب بعض لوگ بیمار بھی ہو جائیں گے)

(۱) جو لوگ بیمار ہوں گے وہ اس طویل شبانہ تعلیمی عبادت کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

(ج) وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ

(اور دوسرے لوگ سفر کریں گے، زمین پر اللہ کے فضل کی تلاش میں۔)

(۲) بعض لوگ انقلابی ضرورتوں کے لئے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر خواہ وہ اپنی ذات کے لئے ہو یا جماعت کے لئے راتوں کو سفر کریں گے۔

(د) وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ : (اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے)

(۳) بعض لوگ اس انقلابی پروگرام کو زمین میں قائم کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا کر خدا کی راہ میں لڑیں گے۔

(ہ) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ (اس لئے اتنا پڑھ لو جتنا آسانی سے پڑھا جاسکے)

یہ دائمی قاعدہ ہے، کہ حسب ضرورت جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ مملکت (State) کی تنظیم صرف علم سے نہیں ہوتی، بلکہ تجارت اور تحفظ مملکت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ہر شخص کو کوئی نہ کوئی منفعت بخش کام (Productive Occupation) اختیار کرنا چاہئے۔ جو سوسائٹی کے لئے مفید ہو اور جس کی قانون اجازت دے۔ انقلاب کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب منظّم کر کے عوام کو ارتقائی راستے پر لگا دیا جائے۔ اس وقت ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوگا تاکہ ملکی پیداوار بڑھے اور اس پیداوار کی تنظیم بھی انقلاب کا ایک فریضہ ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انقلابی جماعت اپنے انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ اگر ملک کی پیداوار منظّم نہ ہو گی تو مخالف طاقتوں کے حملوں کو برداشت نہ کیا جاسکے گا۔ اور ارتجاعی طاقتیں فتور مچادیں گی۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا، مگر یہ افراد کے اختیار میں ہو گا کہ کونسا مفید پیشہ اختیار کریں۔ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرلیں گے، وہ نماز تہجد بطریق مذکور رات کو مقررہ طویل گھڑیوں میں نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لئے قانون میں قدرے ترمیم کر دی گئی۔

الغرض اب اپنی سہولت کے مطابق قرآن حکیم پر تدبر جاری رکھو اور دیکھو کہ اس کے مطابق حکومت کس

طرح چلائی جائے گی؟ اس قرآن خوانی کی عملی شکل کیا ہو گی؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے)

ایک اہم نکتہ : قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت :

یہ آیت نہایت اہم تاریخی چیز ہے۔ یہ بعثت کے دوسرے سال میں نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت صاف و صریح اور ناقابل تاویل الفاظ میں اشارہ موجود ہے۔ اس سے قرآنی فکر کے انقلابی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔ انقلاب اگر سوچے سمجھے ہوئے پائیدار اصولوں پر برپا کیا جائے، تو اس کے بنیادی فکر میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر قرآن حکیم انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے، تو ضرور اس میں لڑنے کا فکر شروع ہی سے موجود ہونا چاہئے، گو، لڑنا نہ لڑنا وقتی مصلحت کے مطابق ہو گا۔ یہ آیت اس فکر کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کو ناقابل تردید طور پر انقلابی ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں قتال کا جو فکر پیش کیا گیا ہے، وہ جرثومہ (Germ) ہے، جس نے آگے چل کر سورہ انفال[1] اور سورۃ توبہ، کی ترکیب اور جامعیت حاصل کر لی۔

عدم تشدد طبعی اصول نہیں :

زمانہ حال کا یہ سب سے افسوسناک حادثہ ہے کہ عدم تشدد (Non-violence) کو جو انقلاب کی تیاری کے لئے بہترین ذریعہ ہے، سیاست کا لازمی اور دائمی جز قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ انسانی سیاست کی قطعی غیر طبعی ترجمانی ہے۔ قرآن حکیم اور اس کی بنیاد حکمت امام ولی اللہ، اس سے قطعاً انکار کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ چونکہ انسان بہیمیت (Anima) اور عقلیت یا ملکیت (Persona) سے مرکب ہے۔ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انسان اجتماعی حیثیت سے اپنی ارتقائی زندگی کے کسی دور میں بھی بہیمیت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس لئے جنگ اور قتال ۔۔۔ جہاد۔۔۔ جس کے ذریعے سے ملکیت یا عقلیت، بہیمیت پر غالب آتی رہے گی انسانی معاشرہ (Society) کا لازمی جز رہے گا۔ انسانیت فقط عدم تشدد (Non-violence)، مصالحت (Compromise) سے کبھی ترقی نہیں کر سکتی بلکہ ہمیشہ انقلاب (Revolution) سے آگے بڑھتی ہے، جس کے لئے تشدد اور عدم تشدد دونوں ضروری ہیں۔

---

[1] انفال اور توبہ قرآن حکیم کی دو سورتیں ہیں، جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل سے دیا گیا ہے۔

فائدہ: ہماری شرعی اصطلاح میں جہاد کے لئے امیر، لشکر اور سامان جنگ کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع سے حاصل ہوسکتی ہیں، لیکن اگر اجتماع ٹوٹ چکا ہو اور سامان جہاد میسر نہ ہو تو پھر ہمارے فقہاء ہر مرد اور عورت کو انفرادی طور پر جہاد کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ یہ ہے انقلاب۔ (حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ بات انہیں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے سمجھائی تھی)۔ ہماری قوم میں علی گڑھ پارٹی نے جس طرح جہاد میں سستی برتی ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے اور مزید برآں گاندھی جی کا مستقل عدم تشدد کا نظریہ تباہ کن ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی :

ایک شبہ کا ازالہ : حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا ایک ہی محور تھا۔۔۔ انقلاب جس کے لئے قتال لازم ہے لیکن یورپ کے پراپیگنڈہ کرنے والے ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں کہ آپ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے، مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذ باللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنے شروع کردیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست (State) کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ مشہور اہل قلم مسٹر جوزف ہل (Joseph Hulf) اپنے مقالے "الثقافۃ العربیہ (Die Kultur der Arabes)" مترجمہ جناب صلاح الدین، خدا بخش صاحب ایم۔اے، بی۔ سی۔ ایل، بیرسٹر ایٹ لاء پٹنہ) صف ۲۲۔۲۳ پر لکھتے ہیں کہ :

The man who just left Makkah and the man now entered Medina seem to be two different men. The former man an ideal preacher of a perfect religion who for his convictions، cheerfully endured scorn and persecutions and who sought no other destinction than that of being acknowledged a messenger of God. There is no trace of love of power in him.. nothing to indicate that he was striving to set up a state organisation at the head of which he whished to preside. Of social reform the one thing that he sought to achieve in Mekka-- supported by the doctirne of unity of God and the day of judgment reinforced by the joys and horrors of Heavne and Hell--was the widening of the circle of duties beyond the trible، to all faithfuls alike and to mankind at large in the event of their accepting the true faith.

He left Mekkah as a Prophet but entered Medina as the Chief of a Comminity. The "Fugitives" constituted a tribe by themselves and as a corporate body were described under the name and style of Muhajirin.

This change of position created fresh problems، set new tasks but Mohammad was quite equal to the occasion. The Prophet now retires into the background-- the diplomatist now comes forward. The Prophetship is now only an arnament of the ruler، an effective weapon establishing. extending، maintaining power."

(یعنی جس شخص نے ابھی ابھی مکے سے ہجرت اختیار کی اور جو اس کے بعد مدینے میں داخل ہوا، ایک نہیں دو جداگانہ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کامل اور مکمل مذہب کا مبلغ تھا۔اس نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کے سبب اپنے مخالفین کی طرف سے ہر قسم کا نفرت آمیز سلوک اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ خدا کا پیامبر مانے جانے کے سوااور کسی قسم کے امتیاز کا خواہاں نہ تھا۔ قوت حاصل کرنے کا اسے خواب تک نہ آیا تھااور یہ ہرگز نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے ماتحت کوئی حکومت قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ اہل مکہ سے صرف اتنی اصلاح چاہتا ہے کہ وہ اپنے قبائلی فرائض کے حلقے کو وسیع تر کرکے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کرلیں اور اگر تمام دنیا کے مسلمان اسلام لے آئیں تو ان سب کو اس حلقے میں لے لیں۔ وہ صرف اس غرض سے اہل مکہ کو توحید کا سبق دیتا ہے۔اور یوم آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔اور ثواب کی توقع دلاتا ہے۔

”الغرض اس نے مکہ چھوڑا تو وہ محض ایک نبی تھا اور جب مدینے میں داخل ہوا تو وہ ایک گروہ کا لیڈر تھا۔ جو لوگ ہجرت کرکے اس کے ساتھ آئے تھے ان کا مہاجرین کے نام سے ایک الگ فرقہ بن گیا۔اس تبدیلی نے نئے مسائل اور نئے نئے کام پیدا کردیئے مگر حضرت محمد (ﷺ) ہر ایک مسئلے کو حل کرنے اور ہر ایک کام کو سرانجام دینے کا اہل تھا۔ اب نبی پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ سیاستدان (Diplomatics) آگے آجاتا ہے۔ اب نبوت، حکمران کے زیور کے سوااور کچھ نہیں جسے وہ اپنی ریاست قائم کرکے اسے توسیع دینے اور قائم رکھنے میں استعمال کرتا ہے)

دراصل مشنری لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں اس قسم کی تفریق کرکے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مدینے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا فکر (Idea) بدل گیا تھا۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیم انقلابی (Revolutionary) نہیں ہے جو اصول انقلاب کے مطابق نہیں بلکہ حالات کے تابع تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا ثبوت آیت زیر بحث سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں قرآنی جماعت کو بتادیا گیا تھا کہ آگے چل کر قتال (war) ہوگا۔ چنانچہ اس کے چند سال بعد بدر سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری رہا اور ان کا

تتمہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پیش آیا۔ جب قیصر و کسریٰ کے ممالک پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ جس کا فکر (idea) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تکمیل تک پہنچا۔ مدینہ منورہ کی زندگی در حقیقت اسی فکر کی توسیع تھی۔ چنانچہ امام الائمہ حضرت امام ولی اللہ "فیوض الحرمین" (ص ٦٧) میں خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کی جو تشریح کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ظاہرہ سے مراد سلطنت ہے اور خلافت باطنہ سے مراد وہ پارٹی ہے جو سلطنت پیدا کرتی ہے۔ یہ خلافت باطنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کو قرآن "حزب اللہ" قرار دیتا ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون :

(ھ) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ : (اور نماز کرو اور زکوٰۃ دو)

تہجد کی معافی کے ساتھ، عام نماز معاف نہیں ہو گئی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اس کا لازمی نتیجہ ہے 'مساکین کی خدمت' جس کے لئے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔

مساکین کی خدمت کے لئے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جز ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے، وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے، وغیرہ کا منظّم انتظام اس کا فرض اولین ہو گا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کر کے مساکین پر خرچ کرے گی۔ اگر آمدنی کی اس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے، ورنہ دوسری مدات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اسکی کفیل نہ ہو سکیں، تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ "دارالشوریٰ" میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے ظلم سے لیتی ہے۔

سرمایہ محدود کرنے کا قانون :

(و) وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ : (اور اللہ کو ادھار دو بطریق احسن)

زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس پر اُس سے سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہو گی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری 'بیت المال' میں جمع کرانا ہو گا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر اپنی مرضی سے جس قدر چاہے نفع دے سکتی ہے، جس کی شرح وغیرہ پہلے

سے طے نہ ہو گی۔ یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا یہ سب باتیں حکومت کے اختیار تمیزی پر چھوڑ نا ہو گا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے، ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے، ہمارے بینک امدادی بینکوں (Co-Operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے، جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لئے سوسائٹی اپنا علیحدہ انتظام کرے گی۔

انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم :

(ز) وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ : (تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے)

تم اپنے اجتماعی فائدے کے لئے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے وہ ضائع نہیں جا سکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہو گا وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لئے مفید ثابت ہو گا۔

بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے :

(ح) هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ : (وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے)

بیشک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے جس کا اجر تمہیں اس سے بہت زیادہ اور نہایت شاندار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

قیام ضبط کی ضرورت :

(ط) وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے)۔

اس قومی اور بین الاقوامی کام میں کبھی کبھار غلطی ہو جایا کرے تو اسے اصول بنا کر نہ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اصول وہی ہیں جو قرآن حکیم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غلطی ہو جائے تو اس کو غلطی سمجھ کر اس سے بازگشت کرو۔ از سر نو قرآن کے اصولوں پر قائم ہو جاؤ اور اس طرح اپنی جماعت کا ضبط (Moral Discipline) نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو۔ اس طرح کرتے رہو گے تو غلطیوں کے نتائج سے محفوظ رہو گے۔ جو شخص اعتراف قصور کر کے

بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں چل بسا وہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس سے کوئی قصور سرزد ہی نہیں ہوا اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس قسم کی لغزشیں معاف کر دیا کرتا ہے چنانچہ اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ :

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا (النساء : ۴: ۳۱)

(یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں، تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے، اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں)

خلاصۃ الکلام

اس سورت (المزمل) میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں :

(۱) قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی ہے اس لئے اسے خواص و عوام دونوں تک بیک وقت پھیلایا جائے (آیات ۲۔۷)

(۲) اس تحریک انقلابی میں کام کرنے والے صرف خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کریں۔ غیر قرآنی نظام والوں سے کسی رعایت واعانت کی امید نہ رکھیں۔ (۸۔۹)

(۳) اس تحریک کا مقابلہ قومی اور بین الاقوامی حلقوں میں سرمایہ پرست اور ملوکیت پرست لوگوں سے پیش آئے گا (۱۰)

(۴) انقلابی جماعت شروع شروع میں تشدد اور جنگ سے پرہیز کرے گی۔ البتہ تیاری کے بعد وہ حسب ضرورت لڑ سکتی ہے۔ (نمبر ۱۰۔۱۱)

(۵) انقلابی جماعت ان خوشحال لوگوں سے جواب طلب کرے گی جو مساکین وغیرہ کی خدمت میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اسی اصول پر ہر ایک فرد سے جواب طلبی ہوگی (نمبر ۱۱ تا ۱۴)

(۶) انقلاب عمومی سے پہلے قومی انقلاب لانا ضروری ہے (نمبر ۱۵)

(۷) ابتدائی کارکنوں (Poineers) کو قرآن حکیم کا بالاستیعاب (Intensive) مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ گو بعد میں اس قاعدے میں نرمی کی جاسکتی ہے۔ (آیات نمبر ۲ تا ۴ مع آیت نمبر ۲۰)

(۹) اس انقلاب کی بنیاد تعلق باللہ اور تنظیم مساکین پر ہوگی (نمبر ۲۰)

(۱۰) یہ انقلابی تحریک اصولاً سرمایہ پرستی کی مخالف ہوگی۔ اس لئے سود کو جائز نہ رکھے گی۔ (نمبر ۲۰)

(۱۱) اس تحریک میں کام کرنے والے ہمیشہ اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اس طرح جماعت کا ڈسپلین (Discipline) قائم رکھیں (نمبر ۲۱)

تفسیر سورۂ مدثر

بین الاقوامی انقلاب کے اصول

سورۂ مزمل کے ساتھ ربط :

سورۂ مزمل میں شخصی۔۔۔۔۔ داخلی۔۔۔۔۔ انقلاب کا ذکر تھا۔ اور انفرادی فکر کی اصلاح کی گئی تھی۔ چنانچہ اس میں بالصراحت کہا گیا تھا کہ :

(۱) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

(۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝

(۳) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

اس تعلیم کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ لوگوں سے انفرادی طور پر ملتے رہے اور ان کو قرآنی انقلاب سے روشناس کراتے رہے۔ اس عرصے میں کچھ لوگ اس انقلاب کو قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو گئے، وہ بھی ضمنی طور پر اسی طرح کام کرتے رہے۔ اسکے بعد آپ کو حکم دیا گیا کہ اس انفرادی انقلاب کو اجتماع میں لائیں۔ چنانچہ سورۂ مدثر میں حکم دیا گیا ہے کہ :

(۱) قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (اٹھ اور (لوگوں کو اس آنے والے انقلاب سے) ڈرا)۔

(۲) وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (خدا کی بزرگی کا اعلان کر) اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآنی انقلاب اجتماع انسانی میں آ جائے گا۔

(۳) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝ : یہ انقلاب تاریخ انسانی کے بہت عظیم الشان واقعات میں سے ہے۔ اور یہ ساری نوع بشر کے لئے ڈراوا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس ڈراوے کو عوام تک پہنچانا مقصود ہے۔ چنانچہ اب نبی اکرم ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی اور آپ عوام کو بیش از بیش تیزی کے ساتھ قرآنی انقلاب کی دعوت دینے لگے۔

سورۂ مدثر کا مضمون:

قرآنی انقلاب جامع انسانی انقلاب ہے۔ یعنی انسانیت اعلیٰ کے جملہ تقاضے پورے کرنے والا انقلاب ہے۔ اس لئے اس کی بنیاد جن اخلاق پر ہے، ان کی طرف شروع کی آیات (نمبر ۲-۱۰) میں اشارہ کرنے کے بعد اس انقلاب کے مخالفین کی ذہنیت کا تجزیہ (Psyshological Analysis) نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے۔ (آیات نمبر ۱۱-۲۵) اور پھر دکھایا گیا ہے کہ دنیا میں یہ ذہنیت پیدا ہوجائے تو دوسری زندگی میں اس کا ظہور کس طرح ہوگا (آیات نمبر ۲۶-۳۰)

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ قرآن کا عالمگیر انقلاب قومی اور بین الاقوامی منازل میں سے گزرے گا، تو اس کی کامیابی کے اسباب کیا ہوں گے (۳۶-۴۹) اور جو لوگ اسے مان لیں گے، ان کی ذہنیت کیسی ہوگی اور جو نہ مانیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی، (آیات نمبر ۵۰-۵۶) الغرض اس سورت میں قرآنی انقلاب کے اخلاق اور ابتدائی اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مخالفین کی ذہنیت کی تشریح کی گئی ہے اور اس انقلاب کی انتہائی کامیابی کی پیشگوئی کی گئی ہے۔

(۱) يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ (اے مدثر!)

مدثر کے معنی: لفظ مزمل کی تشریح کے دوران میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موطا امام مالکؒ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام الماحی بھی ہے، جس کے معنی خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بتائے ہیں کہ: "يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ" (یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو محو کرے گا) چنانچہ لغوی طور پر دثر کے معنی اھلك[1] (ہلاک کرنا) بیان کئے گئے ہیں، جو بالکل الماحی کے معنوں کے مترادف ہیں۔ پس مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم وجور مٹانے والا۔ نبی اکرم ﷺ یہ کام ملت حنیفیہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے اصول حیات کے دوبارہ زندہ کرنے سے کریں گے، جو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، اور جس کے نمائندے قریش تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ:

سیرت نبی (علیٰ صاحبھا التحیۃ والسلام) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ ملت حنیفیہ ابراھیمیہ کے قیام کے لئے طبعًا بے تاب تھے، آپ کی تربیت بھی قریش کے اونچے گھرانوں میں ہوئی۔ جن میں اس ملت کی اچھی

[1] المنجد اور الاقرب الموارد

اچھی باتیں باقی تھیں۔ [1] پھر وہ انقلاب کا زمانہ تھا فارس اور روم آپس میں لڑ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا کی اقوام کو اپنے قبضے میں لائیں۔ ان سیاسی اور جنگی حالات کا اثر قریش پر بھی پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ان کے تجارتی تعلقات دونوں ممالک کے ساتھ تھے اور ان ملکوں میں ان کی کافی آمد و رفت تھی۔ چنانچہ قریش کا سمجھدار طبقہ سیاسی میلانات کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہو گیا تھا:

(۱) ایک طبقہ قیصر کی طرف مائل تھا۔
(۲) دوسرا طبقہ کسریٰ ایران کی طرف مائل تھا۔
(۳) تیسرا طبقہ دونوں سے الگ تھا اور حنیفیت پر قائم تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طبعاً اس تیسرے گروہ کے سرگرم رکن تھے۔ یہ گروہ اگرچہ اقلیت میں تھا لیکن عرب پر قریش کی سیادت قائم کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ میں اس قسم کی قیادت کی طبعی خداداد استعداد بھی موجود تھی۔ آپ کو اس انقلاب میں کامیابی کے لئے جس ہدایت کی ضرورت تھی اور جس کے لئے آپ سرگرداں تھے (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا) [2] وہ خداوند تعالیٰ نے فراہم کر دی (فَهَدىٰ) [3]

آپ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں سے ہر قسم کا ظلم خواہ وہ خدا اور بندوں کے تعلقات میں ہو یا فقط بندوں کے باہمی تعلقات میں یعنی روحانی ہو یا اقتصادی سب مٹا دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ خدا کے ساتھ صحیح طریق پر تعلقات قائم کئے جائیں گے اور انسانیت میں معاشیات، معاشرت اور اقتصادیات میں ایک نظم جدید پیدا کیا جائے گا۔ اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا ملک کی خصوصیت نہ ہو گی۔ بلکہ وسیع ترین معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر ہو گا۔

اسلام کا جامع انقلاب:

دنیا میں اب تک جو انقلابات ہوئے ہیں، وہ سب کے سب جزوی انقلابات ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی عالمگیر اور جامع انقلاب نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری امام انقلاب ہیں۔ جن کی دعوت جامع عالمگیر انقلاب

---

[1] یہ خیال غلط ہے کہ قریش اور اہل عرب افریقہ کے وحشیوں کی طرح بالکل وحشی لوگ تھے جن میں کوئی انسانی خوبی باقی نہ رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش اور اکثر اہل عرب میں ملت حنیفہ کا اچھا خاصہ حصہ باقی تھا۔ جیسے آج کل مسلمانوں کی تباہی کے باوجود ان میں اپنے بزرگوں کی بہت سی اچھی باتیں موجود ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۲۴)

[2] (خدا تعالیٰ نے تجھے سرگرداں پایا)۔

[3] (پھر ہدایت دی)

کے لئے ہے اور آپ نے اس جامعیت کا بہترین نمونہ سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھادیا۔ جسے دنیا اب تک اس حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے۔ آپ کے انقلاب میں اس وقت کی مہذب اقوام کا بیشتر حصہ آگیا۔ اور سب کو خدمت انسانیت کے ایک نقطے پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست کر دیئے بلکہ ان کے آپس کے تعلقات بھی درست کر دیئے۔ اب جب کبھی کوئی جماعت جامع بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنا چاہے گی، اسے آپ ہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ جو جماعت اس لائحہ عمل کے خلاف کوئی اور لائحہ عمل لے کر اٹھے گی، وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گی یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہو گی۔ چنانچہ فرانس، جرمنی، ترکی اور روس کے انقلابات اس اصول کی بیّن مثالیں ہیں۔ ان انقلابوں میں وہ جامعیت نہیں، جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیدا کردہ حجازی انقلاب میں تھی۔ جس نے بعد میں قیصر وکسریٰ کو بھی ہضم کر لیا۔

الغرض ہمارے نزدیک المدثر کے معنی ہیں "المھلک الکفر" یعنی انسانیت میں سے ہر قسم کا کفر (انکار) نکالنے والا۔ وہ انکار خواہ خدا کے حقوق کے متعلق ہو یا انسانوں کے حقوق کے متعلق، یہ انقلاب اس کفر کو انسانیت میں سے نکال باہر کرے گا۔

اس لفظ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے، وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا طبعی اور فطرتی عزم واستقلال ظاہر کرتا ہے، جو اس کفر کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔

انقلاب میں اشاعت کی ضرورت :

(۲) قُمۡ : (اٹھ)

یعنی اے وہ کہ تو دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم اور کفر مٹانے کا تہیہ اور پختہ عزم کئے ہوئے ہے، ہم سے ہدایت لے اور محنت سے کام کر۔ اور جن لوگوں تک تیری آواز پہنچ سکتی ہے، ان کو انسانی انقلاب کا یہ پیام سنادے۔ اور ایسے لوگ تیار کر جو یہ انقلابی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچادیں۔ ایسے خاص لوگوں کی مرکزی قوت راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن حکیم کی تعلیم پر تدبر کرنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے، جس کا ذکر سورۂ مزمل میں آچکا ہے۔ چنانچہ تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس شبانہ تعلیم نے وہ لوگ پیدا کر دیئے، جنہوں نے اس انقلاب، کو فارس اور روم تک پہنچادیا۔ اور پھر آگے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسے حبشیوں، ترکوں اور ہندیوں تک پہنچادیا۔ اب پھر یہ انقلاب پہلو بدل رہا ہے اور انشاء اللہ اس کی دعوت ہندوستان سے یورپ کی اقوام تک پہنچے گی۔

فَاَنۡذِرۡ (اور ڈرا)

قسم قسم کے ظلموں کی وجہ سے انسانیت جس تباہی کے غار کی طرف جارہی ہے، اس سے لوگوں کو خبردار کردے۔ وہ غافل ہیں اور بے خبر۔ اگر وہ بیدار نہ ہوئے تو وہ اپنے ظلموں کے آپ ہی شکار ہو جائیں گے۔

انقلاب کا اصول اولین انسانی قانون سے بغاوت :

(۳) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اور اپنے پروردگار کی بڑائی بول)

کوئی شخص اپنے گھر میں یا خاندان میں بڑا۔۔۔۔۔ کبیر۔۔۔۔۔۔ ہوتا ہے۔ کوئی اپنے شہر میں بڑا ہے، کوئی اپنی قوم یا بہت سی اقوام میں بڑا مانا جاتا ہے۔ لیکن تو ان میں سے کسی کو بڑا نہ مان، بلکہ صرف خداوند تعالیٰ کو بڑا مان۔۔۔۔ گھر میں، خاندان میں، قوم میں اور تمام اقوام میں اس کے سوا کسی کو بڑا نہ مان۔ ہر جگہ اسی کی پادشاہی تسلیم کر۔ کوئی ایسی حکومت تسلیم نہ کر جو ،ایسے قانون کے ماتحت نہ ہو جو تمام انسانیت کے لئے یکساں ہو۔ خدا کی بزرگی کا اعلان ان معنوں میں کر کہ اس کے سوا کوئی کائنات کا مالک اور خالق نہیں۔ اس کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے، اسی کا قانون نوع انسان میں جاری ہوگا۔ جب تو لوگوں کے سامنے خدا کی ہمہ گیر پادشاہی کا اعلان کرے تو کسی سے نہ ڈر۔ بلکہ جو لوگ خداوند قدوس کو چھوڑ کر اوروں کو اپنے اوپر حکمران مانتے ہیں۔۔۔ مثلاً بزرگ، خاندان، سوسائٹی، پیر، استاد، حاکم، پادشاہ۔۔۔۔ ان کو خبردار کردے، کہ ان کا یہ فعل انسانیت عامہ کے لئے مضرت رساں ہے۔ صحیح پوزیشن یہ ہے کہ جو شخص خاندان، شہر، قوم یا مجمع اقوام میں بڑا ہے، وہ اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک ہی کا نائب سمجھے اور صرف اسی حیثیت سے کام کرے۔ یہ وہ روح ہے جو حنیفیت، انسانی سوسائٹی میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یعنی وہ چاہتی ہے کہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) میں سے ملوکیت (Imperialism) اور علمی سرمایہ داری (Brahmanism) کا قطعی خاتمہ کردیا جائے اور ہر شخص کا خدا کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کرکے اسے انسانیت کا خادم بنادیا جائے۔

قرآنی سیاست کی تشریح :

قرآن حکیم نے اپنا قانون چلانے کے لئے جو سوسائٹی پیدا کی اس کا نام اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ) رکھا ہے۔ (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سابقین کی خوبی کے ساتھ پیروی کی) یہ جماعت اپنے امور کا انتظام کرنے کے لئے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے۔ اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے۔ یہ امیر ان میں

قانون الٰہی کے ماتحت انتظام کرتا ہے۔ لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے۔ یہ ہے وہ سیاست جو قرآن حکیم نے پیدا کی۔ چنانچہ حج کے موقع پر آج تک مسلمان یہ الفاظ کہتے ہیں کہ : اَلْحَمْدُ وَالنِّعْمَۃُ لَکَ وَالْمُلْکُ لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ (سب تعریف تیرے ہی لئے ہے اور سب نعمت کا تو ہی مالک ہے۔ حکومت صرف تیری ہی ہے اور اس میں تیرا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے)۔ قرآنی سیاست کے مطابق قوت رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے، جو قرآن سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین کی پیروی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے مشورہ واجب تھا :

امیر ان کے مشورے ہی سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ : وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران۔۱۵۹) ''اور ان سے تمام معاملات میں مشورہ کرلیا کر اور جب تو پختہ ارادہ کرلے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر)'' علامہ جصاص الرازی الحنفی، اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ مشاورت نبی اکرم ﷺ کے لئے اختیاری نہ تھی بلکہ واجب تھی۔

حضرت علیؓ کا نظریہ :

عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَۃُ اَھْلِ الرَّاْیِ ثُمَّ اتِّبَاعُھُمْ (حدیث۔ تفسیر ابن کثیر، در منثور عن ابن مردویہ)

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیت قرآنی فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ میں ''عزم'' سے کیا مراد ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورے کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ : وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (شوریٰ۔۳۸) (یعنی مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں)۔

حضرت عمرؓ کا نظریہ :

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ : لَاخِلَافَۃَ اِلاَّ عَنْ مَشْوَرَۃٍ (حدیث۔ کنز العمال) یعنی خلافت بغیر مشورے کے خلافت نہیں رہتی۔

الغرض وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے اوپر حاکم نہ مانے خواہ وہ کوئی ہو۔ یہ حق صرف حق سبحانہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (حديث) (جس بات میں حق سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی کی اطاعت انسان پر واجب نہیں ہے) اس لئے تمام حاکم اس کے نائب بن کر اس کا حکم چلا سکتے ہیں اور بس۔

جو جماعت اب حقیقی مالک کے سوا کسی دوسرے کی غلامی میں مبتلا ہو گئی ہو اور اس کا قانون ماننے پر مجبور ہو گئی ہو، اس کی حالت تبدیل کرنے کے لئے سب سے اصول کار یہ ہے کہ اس کے ذہن میں بٹھایا جائے کہ اس ایک کارساز حقیقی کو تمام کائنات اور تمام انسانیت کو قانون دینے والا مان لے۔ کیونکہ وہی ایسے قوانین دے سکتا ہے جن میں افراد، جماعات اور اقوام بلکہ ساری نوع انسانی کے مفادات اور فطرت کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ جماعت ہر ایسی طاقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو اس منبع قانون کے ماتحت رہ کر ضمنی قواعد (Bye-laws) نہیں بناتی۔

پس انقلاب کا مثبت نظریہ یہ ہے کہ غیر صالح نظام (Unhealthy Social Structure) کی جگہ صالح نظام (Healthy Social Structure) قائم کیا جائے جس کی خشت اولیں یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات اور نوع انسانی کے لئے قانون کا منبع ہے۔

خضوع یا اخبات الی اللہ :

حکمت ولی اللّٰہی میں اسے خصلت خضوع یا اخبات کہتے ہیں، اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد، مرشدین، معلّمین اور صالح حکام کی تعظیم کرتا ہے اور جب ان کے سامنے جاتا ہے تو اپنے قلب میں ایک قسم کا عجز اور ان کے لئے ایک خاص قسم کی محبت اور عزت کے جذبات پاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بزرگ مجھے کوئی حکم دے تو میں فوراً اس کی تعمیل کر کے اسے خوش کروں۔ اس احساس کا نام اخبات ہے۔

اس جذبے کا نفسیاتی تجزیہ :

اگر انسان کائنات کی ساخت پر غور کرے اور اس کے عجائبات پر فکر و تدبر کرے تو وہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنے دل میں خضوع کا جذبہ محسوس کرتا ہے، جس میں وہ کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد، مرشدین و معلّمین اور صالح حکام کی اطاعت کو بھی اسی خضوع کے ماتحت لے آتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ میرے بزرگوں کا حکم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے اور اگر اسے خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف پاتا ہے تو

اطاعت نہیں کرتا۔ ایسے ہی وہ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے حکموں کو جانچتا ہے، ان کی اطاعت اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ وہ اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت اور نافرمانی کو "تقرب الی اللہ" کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

یہ اخبات الی اللہ انسانیت کا ایک طبعی جذب ہے اور انسان کا ایک بنیادی خلق ہے۔

لباس کی پاکیزگی :

(۴) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنا لباس پاک رکھ)

اس انقلاب کے لئے کوئی خاص نشان (Emblem) یا وردی (Uniform) کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے، جو ہر قوم میں ظاہر ہوگا۔ البتہ ایک شرط ہے وہ یہ کہ لباس پاک ہو اور اخلاق کی پاکیزگی میں مدد دینے والا ہو۔

اس کا نتیجہ :

لباس کی پاکیزگی بدن اور بیرونی ماحول کی پاکیزگی کو چاہتی ہے۔ بدن انسانی بعض چیزوں کو طبعًا نجاست میں تبدیل کر دیتا ہے، جیسے بول و براز، اور ان غلاظتوں سے نفرت کرنا بھی انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ انسان ان نجاستوں سے پاک ہو کر ایک قسم کی فرحت اور انبساط اپنے نفس کے اندر پاتا ہے، اس احساس کا نام طہارت ہے جو حکمت ولی اللھی میں انسانیت کا ایک بنیادی خلق ہے۔

نفسیاتی نجاستوں سے اجتناب :

اسی طرح انسانی نفسیاتی غلاظتوں یعنی جوش، غضب، بھوک، پیاس اور دیگر شہوات وغیرہ سے طبیعت کو پاک کرلے تو بھی ایک قسم کا سکون اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا، ایسے ہی برے کلام، برے فکر اور برے فعل سے صحت مند انسان کو طبعی انقباض محسوس ہوتا ہے جسے وہ صحت مزاجی کے لئے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ : انسان خلق اور طہارت میں کمال حاصل کرلے تو وہ عالم مثال کی قوتوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے اس سے اخبات الی اللہ کو تقویت ہوتی ہے۔

انقلاب صالح کی دوسری مد:

لباس کی پاکیزگی جیسے اوپر بیان کیا جاچکا ہے، بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانہ پاکیزگی کو لازم جانے۔ تمام ترقی کن جماعتیں طہارت کی حامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گر جاتی ہیں تو ارتجاع (Reaction) میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

قومی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قومی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔

باطنی پاکیزگی:

(۵) وَالرُّجْزَفَاهْجُرْ (اور گندگی سے دور رہ)

ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھ۔ اس ناپاکی سے بھی نفرت کر۔

امام الائمہ کے نزدیک برائی۔۔۔۔ اثم۔۔۔۔ کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کردے۔ چنانچہ امام ولی اللہ سعادۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ كَمَالاً تَقْتَضِيْهِ الصُّوْرَةُ النَّوْعِيَّةُ وَكَمَالاً يَقْتَضِيْه مَوْضُوْعُ النَّوْعِ مِنَ الْجِنْسِ الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَسَعَادَتُهُ الَّتِيْ يَضُرُّهٗ فَقْدُهَا وَيَقْصُدُهَا اَهْلُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِيْمَةِ قَصْداً مُؤَكَّداً هُوَالْاَوَّلُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۵۰)

(یعنی واضح رہے کہ انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہوئے۔ دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب (یعنی حیوانیت) اور جنس بعید (یعنی جمادیت) تقاضا کرتی ہے، لیکن سعادۃ جس کی عدم موجودگی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جسے ہر صاحب عقل سلیم حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے وہ اول الذکر ہے (یعنی نوعی تقاضے کے مطابق)۔

پس شقاوت (بدبختی اور برائی) وہ ہوگی جو انسان کے نوعی تقاضے کے خلاف ہو۔ اسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں منکر قرار دیا گیا ہے۔ انسانیت کے اندر یہ برائی خواہ شہنشاہیت (Imperialism) کے ذریعے سے آئی ہو، یا نازیت (Nazi-ism) کے ذریعے سے، یا کسی اور ازم (Ism) کے ذریعے سے، اسے قبول کرنے سے یکسر انکار کردینا، انقلاب برپا کرنے والی جماعت کے لئے لازم ہے۔

انقلاب صالح کی تیسری مد:

پس انقلاب برپا کرنے والی پارٹی کے پروگرام کی تیسری مد (Item) یہ ہے کہ وہ غیر صالح نظام کی روح کو

بھی قبول نہ کرے۔ حکمت ولی اللھی کی اصطلاح میں اسے سماحت کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام الائمہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : اصل ایں ہمہ خصلت (یعنی شعبہ ہائے سماحت کہ مذکور شدہ (ناقل) یک چیز است وآں غالب بودن رائے کلی بر دواعی خسیسہ، بہیمیہ واز مباشرت اشباح و شعب ایں خصال۔ الخ (ہمعات : ہمعہ ۱۷)

"یعنی سماحت کے تمام شعبوں کی اصل بنیاد ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ بہیمیت اور اس کی تمام شکلوں پر انسان کے نوعی تقاضے (رائے کلی) غالب رہیں"۔

انتفاع کا امتناع :

(۲) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ زیادہ چاہے)

جب تو کسی پر احسان کرے، تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خُلق عدالت کے منافی ہے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ تو ان کو جو تعلیم دیتا ہے، اس کا اجر طلب کرے اور اپنے لئے مال و دولت جمع کرے۔ اپنے کسی مزدور کو چار آنے دے کر اس سے دس آنے کا کام لینا انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ آج سرمایہ دار طبقہ اپنی آمدنی میں محتاجوں کا حق سمجھتا ہی نہیں، بلکہ وہ مزدوروں کو اسی کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے مزدوروں کو کام پر لگا رکھا ہے اور انہیں بھوکوں مرنے سے بچاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدوروں کو صرف اتنی خوراک دیتا ہے جس سے وہ مریں نہیں اور سرمایہ پرست کے سرمائے میں اضافہ کرنے کے لئے زندہ رہیں۔ کوئی انقلابی جماعت اس قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے دوسرے انسان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور قدر زائد (Surplus Value) پیدا کرنا تو ایک طرف رہا، ایسا احسان کرنے کی بھی ممانعت کر دی جس کا بدلہ زیادہ لینے کی خواہش ہو۔

انقلاب کا بنیادی اصول :

انقلاب صالح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانیت کو ظلم و ستم سے محفوظ کر کے، اس میں رفاہ عامہ کے ادارے قائم کئے جائیں، نہ کہ اپنے انتفاع (Exploitation) کا صیغہ کھول لیا جائے۔ اگر باپ اپنے بیٹے سے یا استاد اپنے شاگرد سے حد سے زیادہ کام لینے لگ جائے گا تو بیٹا یا شاگرد نافرمان ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر حکومت رعایا سے حد سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا شروع کر دے گی تو سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔

سرمایہ پرستانہ نظام کی بربادی کے اسباب

شاہ ولی اللہ کے نظریات :

کسی نظام حکومت کی بربادی کے عموماً دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں یعنی حکام کی عیاشی اور کام سے گریز اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ چنانچہ حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :

وَغَالِبُ سَبَبِ خَرَابِ الْبُلْدَان فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ شَیْئَانِ اَحَدُهُمَا تضییقُهُمْ عَلَی بَیْتِ الْمَالِ بِاَنْ یَّعْتَادُوا التَّکَسُّبَ بِالْاَخْذِ مِنْهُ عَلٰی اَنَّهُمْ مِنَ الْغُزَاةِ اَوْ مِنَ الْعُلَمَاءِ الَّذِیْنَ لَهُمْ حَقٌّ فِیْهِ اَوْ مِنَ الَّذِیْنَ جَرَتْ عَادَةُ الْمُلُوْكِ بِصِلَتِهِمْ كَالزُّهَادِ وَالشُّعَرَاءِ، اَوْ بِوَجْهٍ مِّنْ وَجُوْهِ التَّکَدِّیْ وَیَکُوْنُ الْعُمْدَةُ عِنْدَهُمْ هُوَ التَّکَسُّبُ دُوْنَ الْقِیَامِ بِالْمَصْلِحَةِ فَیَدْخُلُ قَوْمٌ عَلٰی قَوْمٍ فَیَنْغُصُوْنَ عَلَیْهِمْ وَیَصِیْرُوْنَ كَلًّا عَلٰی الْمَدِیْنَةِ وَالثَّانِیْ ضَرْبُ الضَّرَائِبِ الثَّقِیْلَةِ عَلَی الزُّرَّاعِ وَالتُّجَّارِ وَالْمُتَحَرِّفَةِ وَالتَّشْدِیْدِ عَلَیْهِمْ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلٰی اِجْحَافِ الْمُطَاوِعِیْنَ وَاسْتِئْصَالِهِمْ وَاِلٰی تَمَنّعِ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَبَغْیِهِمْ۔ وَاِنَّمَا تَصْلُحُ الْمَدِیْنَةُ بِالْجِبَایَةِ الْیَسِیْرَةِ وَاِقَامَةِ الْحَفَظَةِ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ فَلْیَتَنَبَّهْ اَهْلُ الزَّمَانِ لِهٰذِهِ النُّکْتَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۴۵)

یعنی ''آج کل جو شہر برباد ہو رہے ہیں، تو اس کے دو بڑے سبب ہیں :

(۱) **ناحق مال بٹورنا**: لوگ سرکاری بیت المال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور مختلف بہانوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سپاہی ہیں، ہمیں پنشن ملنی چاہئے۔ یا ہم زمرہ علماء سے ہیں ہمیں کوئی جاگیر وغیرہ ملنی چاہئے، یا وہ لوگ زاہد اور شاعر کی حیثیت سے آتے ہیں جن کو صلہ دینا بادشاہوں کی عادت میں داخل ہے یا اسی قسم کے اور بہانے بناتے ہیں۔ اور اس طرح وہ بیت المال میں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بیت المال سے مشاہرے تو حاصل کرتے ہیں، لیکن اس کے عوض میں کوئی کام نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے لئے تنگی کا باعث ہو جاتے ہیں اور شہر پر بار بن جاتے ہیں۔

(۲) **گراں بار ٹیکس**: شہروں کے برباد ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ اور ان کی وصولی کے لئے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ بخوشی ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کا استیصال کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کر لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر، آسان ٹیکسوں اور ضرورت کے مطابق محافظین کار مقرر کرنے ہی سے اچھا رہ سکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ اس نکتے سے تنبیہہ حاصل کریں۔''

ایک اور جگہ رومی اور ایرانی ملوکیتوں کی حالت قلمبند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

کسریٰ و قیصر کی تباہی کی مثال :

اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قرونا كثيرة وخاضوا فی لذة الدنیا ونسوا الدار الأخرة واستحوذ علیهم الشیطان تعمقوا فی مرافق المعیشة وتباهوا بها وورد علیهم حكماء الأفاق یستنبطون لهم دقائق المعاش و مرافقة فمازالوا یعملون بها ویزید بعضهم علی بعض ویتباهون بها حتی قیل انهم كانوا یعیرون من كان یلبس من صنادیدهم منطقه اوتاجا قیمتها دون مائه الف درهم اولا یكون له قصر شامخ و آبزن وحمام وبساتین ولایكون له دواب فارهه و غلمان حسان ولایكون له توسع فی المطاعم و تجمل فی الملابس و ذكر ذلك یطول و ماتراه من ملوك بلادك یغنیك عن حكایاتهم فدخل كل ذلك فی اصول معاشهم وصار لایخرج من قلوبهم الا ان تمزع۔ وتولد من ذالك داءعضال دخل فی جمیع اعضاء المدینه و آفه عظیمه لم یبق منهم احد من اسواقهم و رستاقهم وغنیهم و فقیرهم الاقد استولت علیه و اخذت بتلابیبه وعجزته فی نفسه و اهاجت علیه غموما وهموما لا ارجاءلها ذلك ان تلك الاشیاءلم تكن لتحصل الاببذل اموال خطیرة ولا تحصل تلك الاموال الابتضعیف الضرائب علی الفلاحین ولتجارو اشباههم والتضییق علیهم فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا اجعلوهم منزلة الحمیر والبقر یستعمل فی النضح والدیاس والحصادو لاتقتنی الالستعان بها فی الحاجات۔ ثم لاتترك ساعه من العناءحتی صاروا لا یرفعون رؤسهم الی السعادہ الاخرویه اصلا و لا یستطیعون ذلك۔ وربما كان اقلیم واسع لیس فیهم احدیهمه دینه۔ ولم یكن لیحصل ایضا الابقوم یكتسبون بتهیئه تلك المطاعم والملابس والابنیه وغیرها ویتركون اصول المكاسب التی علیها بناءنظام العالم۔ وصار عامة من یطوف علیهم یتكلفون محاكة الصنادید فی هٰذہ الاشیآءِ والالم یجدو عندهم حظوة ولا كانوا عندهم علیٰ بال وصار جمهور الناس عیالاً علی الخلیفه یتكففون منه تارة علیٰ انهم من الغزاة والمدبرین للمدینه یترسمون برسومهم ولا یكون المقصود دفع الحاجة ولكن القیام بسیرة سلفهم وتارة علیٰ انهم شعرآءُ جرت عادة الملوك بصلتهم وتارة علیٰ انهم زهاد وفقر آءیقبح من الخلیفة ان لا یتفقد حالهم فیضیق بعضهم بعضاً وتوقف مكاسبهم علیٰ صحبة الملكوك والرفق بهم وحسن المجاورة معهم والتملق منهم وكان ذٰلك هو الفنّ الّذی تتعمّق افكارهم فیه وتضیع اوقاتهم معهٗ

(حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۱۰۵۔۱۰۶)

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیاوی لذتوں میں منہمک ہوگئے اور آخرت کو بھلادیا اور ان پر شیطانیت غالب آگئی تو ان کی زندگی کا مقصد عیش پسندی بن گیا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے علماء اور حکماء ان کے ارد گرد جمع ہونے لگ گئے جو ان کے لئے سامان عیش اور نرمی کے مختلف حیلے تراشنے لگے، اور ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنے لگے اور دنیاوی ساز و سامان پر ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے، حتیٰ کہ ان امراء اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہوگیا کہ جس کے پاس ایک لاکھ درہم کی مالیت کی پگڑی یا ٹوپی ہوتی تو اسے بخیلی کا عار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح عالی شان محل اور

حمام اور باغ، سواری کے نمائشی جانور خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لئے لازم قرار دے دیں۔ اور صبح و شام اسی عیاشی میں ہی گذارنے لگے۔ اب آپ جو اپنے باشاہوں کی حالت دیکھتے ہو ان کا قیاس کرنے کے لئے وہ کافی ہے۔

ان ملوک اور امراء کے طور طریقے عام زندگی میں نظام معاش کے اصول بن گئے اور سوسائٹی سے ان خرابیوں کا نکالنا ناممکن ہو گیا۔ اس کی ایک ہی صورت رہ گئی کہ یہ اطوار کھرچ کھرچ کر لوگوں کے دلوں سے نکال دی جائیں۔ ان کی ان عیاشیوں سے بہت خطرناک بیماریاں پیدا ہو گئیں اور وبا کی طرح پوری معاشرے میں سرایت کر گئیں۔ اور اس سے نہ شہری بچ سکا نہ دیہاتی، نہ امیر بچ سکا اور نہ غریب اور ہر شخص ان خرابیوں کے اصلاح سے عاجز آگیا۔ اور مالی مصائب مبتلا ہو گیا۔

اور حکمرانوں کی وہ عیاشیاں بے تحاشا دولت خرچ کئے بغیر ناممکن تھیں۔ اور وہ مال کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور ٹیکس بڑہانے کے سوائے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اور ان لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے ٹیکس وصول کرتے۔ اگر وہ ٹیکس نہ دیتے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی اور ان پر ظلم کیا جاتا۔ اگر وہ خاموشی سے ٹیکس ادا کرتے تو ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچادیا جاتا، جن سے آب پاشی، فصل کاٹنے اور گھاہنے کا کام لیا جاتا ہے، اور ان کو اپنے ہی نفع کے لئے زندہ رکھا جاتا۔

اس تنگ حالی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنے بچوں کے پیٹ پالنے کے سوائے اور کوئی کام کر ہی نہیں سکتے اور سعادت اخروی کے متعلق سوچ ہی نہیں سکتے۔ اور رفتہ رفتہ ان میں کوئی نہیں رہتا جو مادی اسباب سے اوپر نگاہ اٹھا کر غیر مادی کائنات کے اصول حیات کے مطابق بھی کوئی حرکت کر سکے۔

اس وقت بعض لوگ ان عیش پسند حکمرانوں کے لئے طرح طرح کے کھانے، لباس، فاخرہ اور عیاشی میں ملا دینے والی دوائیں تیار کرنے اور عالیشان محلات بنانے کے پیشے اختیار کرتے ہیں اور کمانے کے پیشوں کو چھوڑ دیتے ہیں، جن پر کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

اور بادشاہوں کے بعد ان کے درباریوں میں بھی یہ عادت آجاتی ہے اور اس کے سوائے ان کو عزت اور احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ ان کی درباریوں میں قدر ہوتی ہے۔ اسی سے رفتہ رفتہ سب لوگوں کا بار کفالت حکمران پر پڑ جاتا ہے اور اسی سے وظیفہ طلب کرنے میں لگ جاتے ہیں، ایک طبقہ جہاد کے بغیر وظیفہ لیتا ہے، دوسرا طبقہ مدبرین مملکت کے نام سے وظیفہ لیتا ہے۔ وہ خود تو اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کر سکتے صرف اپنے سرپرستوں کے نام سے کھاتے ہیں۔

اور ایک طبقہ بادشاہوں کی قصیدہ خوانی کر کے اپنی روزی کماتا ہے۔ کوئی صوفی اور فقیر بن کر لٹتا رہتا ہے، ان لوگوں کا تعداد بڑھنے سے وہ ایک دوسرے کے لئے معاشی تنگی کا سبب بن جاتے ہیں اور کسب معاش کے بہترین ذرائع کے بجائے ان لوگوں کا ذریعہ معاش بادشاہوں کی مصاحبت، چرب زبانی اور چاپلوسی رہ جاتی ہے اور اپنی فکر کے افکار ان فنون لطیفہ میں دقیقہ سنجی کرنے میں وقف ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں ہی اپنے اوقات ضایع کرتے ہیں۔

ایرانیوں اور رومیوں کی عیاشی :

جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنالیا اور آخرت تک بھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت غالب آ گئی، تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں ہر ایک شخص داد عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے گوشے سے علماء اور حکماء ان کے ارد گرد جمع ہونے لگ گئے، جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے کے عجیب عجیب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے۔ اور اس سلسلے میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش اور ان ایجادوں پر فخر کرنے لگے، حتیٰ کہ ان امراء اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہوگیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انہوں نے عالی شان سر بفلک محل، آبزن اور حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لئے لازم قرار دے لیں۔ اور زندگی کی ضرورت اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح و شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں، جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر جمے ہوں اور خود لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہوں۔

اٹھارویں صدی کی دلی کی حالت :

الغرض ان ملوک ایران و روم کی یہ داستان کہاں تک بیان کی جائے ! تم اپنے زمانے کے پادشاہان دہلی کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوک ایران و رومیہ کی حالت کا قیاس کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ ان ملوک و امراء کی زندگی کے یہ طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاش کے اصل اصول بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں سے ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہوگیا۔ اس کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ چیزیں کھرچ کھرچ کر لوگوں کے دلوں میں سے نکال ڈالی جائیں۔ پادشاہوں اور امیروں کی اس طرح عیاشانہ زندگی بسر کرنے سے بہت سے خطرناک امراض پیدا ہوگئے، جو حیات معاشری (Social Life) کے ہر شعبے میں داخل ہوگئے اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہوگئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی اور اس سے نہ بازاری بچا، نہ دہاتی۔ نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب، یہاں تک کہ ہر شخص اس کی خرابیاں دیکھ کر مگر علاج نہ پاکر عاجز آگیا۔ اور بے حد و نہایت مالی مصائب میں مبتلا ہوگیا۔

ٹیکسوں کی بھرمار :

اس ہمہ گیر مالی مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان عیش کثیر دولت صرف کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اور مال

خطیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکس بڑھانے کے سوا حاصل نہ ہو سکتا تھا، پھر ان لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے اور اگر ٹیکس دینے سے انکار کرتے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی اور انہیں گرفتار کر کے طرح طرح سے عذاب دیا جاتا تھا اور اگر وہ اطاعت شعاری کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے رہتے تو ان سے ٹیکس وصول کرتے کرتے ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچا دیا جاتا۔ جن سے آبپاشی، فصل کاٹنے اور گاہنے کا کام لیا جاتا ہے اور جن کو صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے حاجت براری کی جاتی ہے۔

عوام کی حالت :

اس تنگ حالی اور بے سر و سامانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کمانے کے سوا اور کوئی کام کر ہی نہیں سکتے، چہ جائیکہ سعادت اخروی کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اور رفتہ رفتہ ان میں سے اس طرح فکر کرنے اور سوچنے کا مادہ ہی فنا ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بڑے وسیع ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں رہتا کہ وہ مادی اسباب کے حصول سے اوپر نظر اٹھا کر غیر مادی کائنات کے اصول حیات کے مطابق بھی کوئی حرکت کر سکے۔

انسانی معاشرہ پر خطرناک اثر :

اس فاسد معاشی نظام میں سامان عیاشی جہاں مال خطیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، وہاں ان کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان عیاشیوں کے لئے طرح طرح کے کھانے اور عیاشی میں مدد دینے والی دوائیں تیار کرنے اور لباس فاخرہ ایجاد کرنے اور عالیشان محلات بنانے کے پیشے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ پیشے رہ جاتے ہیں۔ جن پر انسانی معاشرے (Human Society) کی ہستی کا مدار ہے۔

یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیروں کے طبقے ہی میں بند نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان امیروں سے پڑتا ہے، اپنے امیر آقاؤں کی ریس کرنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت و احترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے۔

بیکاری کی مصیبت :

اس طرح رفتہ رفتہ امیر و غریب سب لوگوں کا بار کفالت پادشاہ پر آپڑتا ہے اور وہ اس سے روزینہ طلب کرتے

ہیں۔ مثلاً ایک طبقہ تو جہاد کئے بغیر مجاہد باپ دادا کے نام سے وظیفہ خوری کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کرتے صرف اپنے باپ دادا کے نام کو کھاتے ہیں۔ایک گروہ پادشاہ اور امراء کی قصیدہ خوانی کر کے ان کے خوان کرم سے زلہ ربائی کرتا ہے۔ کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے بہانے مالی استحصال کرتا ہے۔

پھر ان لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کے لئے معاشی تنگ حالی کا موجب بن جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین مفید ذرائع کے بجائے ان لوگوں کا ذریعہ معاش امراء کی مصاحبت اور ندیمی چرب زبانی اور چاپلوسی رہ جاتا ہے۔ اور اب اہل فکر کے افکار انہی "فنون لطیفہ" میں دقیقہ سنجی کرنے میں وقف ہو جاتے ہیں اور وہ انہی میں اپنے اوقات عزیز ضائع کرنے لگ جاتے ہیں۔"

یہ وہ حالت ہے جب دنیا میں انقلاب آتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن نے انقلاب کی دعوت دی۔

انقلاب کے لئے استقامت کی ضرورت :

(۷) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب پر صبر کر)

صاحب اقتدار لوگ جن کے مستقل مفادات (Vested Interests) کو اس ''انسانی'' پروگرام سے زک پہنچنے کا اندیشہ ہوگا، وہ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کریں گے کہ تمہیں اس پروگرام سے ہٹادیں، لیکن تم قرآن کے اس بین الاقوامی پروگرام پر ڈٹے رہو۔ ہر مصیبت کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کرو، اور کسی لالچ یا دھمکی میں نہ آؤ۔ اگر مخالفین تمہیں انقلاب کی تعلیم سے باز رکھنے کے لئے مشروط طور پر حاکم بھی بنانے کے لئے تیار ہو جائیں تو بھی یہ 'اعزاز' قبول نہ کرنا اور اگر تمہیں دھمکیاں دیں تو خدا پر بھروسہ رکھ کر کام جاری رکھنا اور اسی کوشش میں لگے رہنا کہ تمہارے رب کا قانون نافذ ہو۔

خلاصہ : حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ "قُمْ فَاَنْذِرْ" (اٹھ کر ان لوگوں کو ڈراؤ) اس کی تفصیل ختم ہو گئی اور "ڈرانے" کا مقصد واضح کر دیا گیا یعنی :

(۱) خداوند تعالیٰ ہی کو تمام طاقتوں سے بالاتر تسلیم کرو۔
(۲) ہر قسم کی ظاہری طہارت (پاکیزگی) اختیار کرو۔
(۳) اخلاق واعمال اور خیالات کی پاکیزگی اختیار کرو۔
(۴) انتفاع پسندی سے باز رہو۔

(۵) اللہ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔

اس انداز کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق اربعہ۔۔۔۔۔ اخبات، طہارت، سماحت اور عدالت۔۔۔۔۔۔ اختیار کرو۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے، جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ بچ نہیں سکتے۔

قرآن کے انذار کا نتیجہ :

اس انذار (ڈراوے) کے اعلان کے بعد دو قسم کے لوگ ہو جائیں گے۔

(۱) انکار کرنے والے۔ (۲) ماننے والے۔

اب پہلے نہ ماننے والوں کا حال بیان کیا جائے گا، اس کے بعد ماننے والوں کی کامیابی کی کیفیت بیان کی جائے گی۔ جو لوگ اس انذار کی مخالفت کرتے ہیں ان کے درجے مختلف ہوں گے۔

(۱) ایک آدمی اسے سن تو لیتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتا نہیں، اگر اسے سمجھایا جائے تو مخالفت ترک کر دے گا۔

(۲) دوسرا شخص اسے سمجھتا ہے مگر دیکھتا ہے کہ اگر میں نے اس مسلک کی پیروی کی تو میرے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ اس لئے وہ پوری کوشش کے ساتھ اس انقلاب کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن اسے کافر قرار دیتا ہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(۸) فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (جب بجایا جائے ناقور (کھوکھلی چیز)

(۹) فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (تو وہ دن مشکل ہے)

(۱۰) عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ (منکروں کے لئے آسان نہیں)

قیامت اور انقلاب :

مفسرین کرام، ان آیات کو قیامت پر محمول کر کے خاموش ہو گئے ہیں۔ مگر جیسے 'المزمل' کی تفسیر میں دکھایا جا چکا ہے کہ قیامت کبریٰ سے پہلے دنیا میں قیامت صغریٰ آئے گی اور وہ یوم انقلاب ہو گا۔ چنانچہ حجاز میں وہ دن آیا تو وہ اس انقلاب کے مخالفوں کے لئے آسان نہ تھا۔ جب ان کے لئے موت کا صور پھونکا گیا تو ابو جہل اور اس کی جماعت کا جو حال ہوا، اس کا اندازہ بدر کی جنگ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی خندق کی جنگ میں مخالفین کو جس طرح راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور جس ذلت و خواری سے پسپائی کی، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس مصیبت میں مبتلا ہوئے (خدا اس مصیبت سے بچائے!)

الغرض وہ یوم انقلاب آنے والا ہے، جب تک وہ آئے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے استقامت اور استقلال کے ساتھ کام کئے جاؤ اور لڑنے بھڑنے کی طرح نہ ڈالو۔ کیونکہ تیاری کے ایام میں لڑنا اس تحریک کے لئے مضر ہوگا۔

ان آیات کے بین السطور میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے، جب اس تحریک کے مخالفین برباد ہوجائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس روز یہ مخالفین مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کرائے جائیں گے، اسی لئے اس سورت میں بھی روز اول ہی سے دبی زبان اور مبہم الفاظ میں آنے والی جنگوں کا ہلکا سا تصور دے دیا گیا ہے۔ اس فکر کی وضاحت اگلے سال نازل ہونے والی سورت۔۔۔۔ المزمل۔۔۔۔۔۔۔ میں کردی گئی اور کہہ دیا گیا کہ : ''وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ'' (علاوہ بریں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں مصروف قتال ہوں گے) اس فکر قتال کی توضیح کے لئے آگے چل کر سورہ انفال اور سورۂ توبہ نازل ہوئیں، جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کے مخالفین

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا تجزیہ :

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب بیان ہے کہ وہ رجعت پسند (Reactionary) مخالفین کی ذھنی کیفیت بیان کرنے کے لئے ایک نمونے کا شخص لے لیتا ہے اور پھر اس کی ذہنیت کا تجزیہ کرتا ہے، اگلی آیتوں میں قرآنی تحریک انقلاب کے مخالف کا اسی طرح نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کرکے دکھایا گیا ہے۔ تاکہ سمجھدار لوگ انقلاب کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ کیونکہ صحیح کیفیت اور غلط ذہنیت پاس پاس لانے سے انقلاب کی اصل حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتی ہے۔

(۱۱) ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (چھوڑ دے مجھے اور اسے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا)

تحریک قرآن کا، ایک مخالف ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، ورثے میں اس کا کوئی شریک نہیں، لیاقت میں بھی وہ منفرد ہے، وہ اپنے گھرانے میں امیرانہ ٹھاٹھ سے پرورش پاتا ہے (وہ جس قسم کی ذہنیت پیدا کرلے گا وہ آگے بیان کی جائے گی) تم اس کی فی الحال پرواہ نہ کرو، اسے میرے حوالے کردو۔

(۱۲) وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (اور میں نے اسے پھیلا کر مال دیا)

وہ جوان ہوتا ہے، تو تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کا مالک ہوتا ہے، وہ مادی ترقی میں لیاقت

سے کام کرتا ہے تو اسے خوب مال و دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

(۱۳) وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا (اور بیٹے جو (آنکھوں کے سامنے) موجود رہتے ہیں)

اس کی اولاد اس کے سامنے رہتی ہے، کیونکہ اس کے کچھ کمیرے کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور کچھ کارخانوں میں لہو پسینہ ایک کر رہے ہیں۔ یہ چوپال یا کلب روم (Club-room) میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ادھر ادھر کی گپوں میں وقت گزارتا ہے۔

(۱۴) وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (اس کے لئے بڑی فراخی پیدا کر دی)

وہ اپنے سرمائے کی ترقی سے مطمئن ہے، اگر کسی موقعے پر فصل میں غلہ کم ہوتا ہے تو کارخانے سے خوب نفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مد کی کمی دوسری مد سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا نفع بڑھتا رہتا ہے۔

ایک شخص ہے جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور ان کا تنہا وارث ہے، مال و منال سے سرفراز ہے۔ صاحب اولاد کثیر ہے بہت سی مدات سے آمدنی کا مالک ہے، ایسے شخص کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہو جانا تعجب انگیز نہیں اور ایسا ہی شخص اپنے قبیلے کا سردار یا برادری کا چوہدری بھی بن جایا کرتا ہے۔

(۱۵) ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ (پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں)

باوجود اتنی دولت ثروت کے وہ ننانویں کے پھیر میں ہے۔ اس کی زر دوستی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر وقت متمنی رہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اور اس کے مناصب میں ترقی ہوتی رہے۔ یہ اس کی سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا صحیح نقشہ ہے۔ وہ صرف اپنے سرمائے اور منصب میں ترقی کا خواہشمند رہتا ہے۔ مزدوروں اور کمیروں کی فلاح کا نام تک نہیں لیتا اور غریب طبقے کو ترقی دینے والی تعلیم کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔

(۱۶) كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (ہرگز نہیں، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے)

لیکن ایسے مخالف سرمایہ پرست کو ہرگز بڑھنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ انقلابی پروگرام (Revolutionary Programme) کا مخالف ہے۔ بلکہ اپنی ارتجاعی جماعت (Reactionary Party) کا رہنما بن کر اس "بین الاقوامی انقلاب" کی تحریک کی مخالفت میں زور لگائے گا۔ لیکن کیا وہ اس انقلاب کے مقابلے میں آکر کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں (کَلَّا) کیونکہ یہ تو اپنے اور اپنی اولاد کے سوا کسی کو لیڈر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ انسانیت کا بھلا اس میں ہے کہ جو بہتر ہو وہ انقلاب کا لیڈر بنے۔ یہ دنیا میں انقلاب کس طرح لائے گا یہ تو اپنے ہی مال و متاع کے بڑھانے کی فکر میں ہے، یہ انسانیت کی بہتری کے لئے کچھ صرف کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ تو بین الاقوامی انقلاب (World Revolution) سے منہ موڑے ہوئے ہے، جس کے نشانات صاف نظر آ رہے ہیں۔ (اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا)

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا انجام:

(۱۷) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (اسے چڑھواؤں گا سخت چڑھائی)

ایسا شخص انقلاب صالح کے رہنما (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کیسے بڑھ سکتا ہے؟ اس کی ہر ایک ترقی، ترقی معکوس ہوگی۔ یہ اپنی ارتجاعی پارٹی (Reactionary Party) کے بل بوتے پر نوع انسانی کے سب سے بڑے بین الاقوامی لیڈر کو گرا کر ابھرنا چاہتا ہے۔ تو یہ ارتجاعی (Reactionary) اپنے خیال میں اونچا بھی جارہا ہوگا تو حقیقت میں گر رہا ہوگا۔ جتنا زیادہ اونچا جائے گا اتنا ہی وہ زیادہ شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں اسے اس الٹی چڑھائی کی مشق کرنی ہوگی۔ وہ جہنم میں ایک پہاڑی پر چڑھے گا، لیکن اس کے پاؤں ترقی کی طرف نہیں جائیں گے، بلکہ اوپر چڑھ کر پھر گرتا جائے گا۔ مگر اپنے ذہن میں خیال کرے گا کہ میں چڑھ رہا ہوں۔ وہ جہنم میں اس خیالی غلطی میں مبتلا رہے گا اور چڑھنے اور گرنے کی مصیبت میں پھنسا رہے گا۔

مخالفانہ جانچ پڑتال:

(۱۸) اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (اس نے سوچا اور دل میں اندازہ لگایا)

یہ مخالف انقلاب، حضرت نبی اکرمؐ کی تحریک کے متعلق سوچتا ہے اور دل میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ تحریک کن کن منازل میں سے گزرے گی اور کہاں تک ترقی کر سکے گی۔

(۱۹) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (کمبخت نے کیا اندازہ لگایا)

اس ارتجاعی نے اس انقلابی تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ چند قبائل عرب میں ایک وقتی ہیجان پیدا کر کے ختم ہو جائے گی۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ یہ محض قبائلی یا قومی تحریک نہیں ہے یہ بین الاقوامی تحریک ہے۔

(۲۰) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (خدا غارت کرے! کیا سوچا اس نے)

اس نے اس تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا، اور اپنی اس غلطی کی وجہ سے اس دنیاوی زندگی میں اور پھر اس کے جزو ثانی ۔۔۔ اخروی زندگی میں ۔۔۔ ناکام ہوگا۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (سورہ بنی اسرائیل: ۷۲) (جو دنیا میں کور باطن رہا۔ وہ دوسری زندگی میں بھی کور چشم ہی اٹھے گا) اور ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوگا۔ اس کی ارتجاعی تحریک (Reactionary Movement) ناکام رہے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(۲۱) ثُمَّ نَظَرَ (اس نے پھر نگاہ ڈالی)

رسول اکرم ﷺ کی انقلابی تحریک کا اندازہ لگانے کے بعد وہ پھر غور سے دیکھتا ہے کہ آیا اس تحریک کا کوئی پہلو میری نظر سے مخفی تو نہیں رہ گیا؟

(۲۲) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ترش رو ہوا)

وہ اس انقلابی تحریک کے ساز و سامان (ظاہری ضعف اور کمی سرمایہ) کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے تیوری چڑھاتا ہے۔ (عَبَسَ) ۔اور جس طرح ابتدا میں ہر انقلابی تحریک پر لوگ ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں یہ بھی اس تحریک پر ترش روئی کا اظہار کرتا ہے۔ (بَسَرَ)

(۲۳) ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا)

پھر اس تحریک کو کمزور سمجھ کر منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے ارتجاعی پروگرام (Reactionary Programme) کی کامیابی کے خیال سے پھولا نہیں سماتا (اسْتَكْبَرَ)

مخالفانہ پراپیگنڈہ :

(۲۴) فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے)

اب وہ اس انقلابی تحریک کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔اور جو لوگ اس تحریک کے پروگرام کو قبول کر کے اس نئی پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں، ان کے متعلق کہتا پھرتا ہے کہ یہ لوگ سحر زدہ ہیں، یہ تحریک چونکہ عوام کو اٹھانا چاہتی ہے اس لئے عوام ہی اس میں زیادہ تر شامل ہوتے ہیں۔ان کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ھلاکت زدہ لوگ ایک خوش آئند مستقبل کے تصور کے سحر میں مبتلا ہیں۔جو کبھی شرمندہ تصدیق نہ ہو گا۔

(۲۵) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (اور کچھ نہیں یہ ایک انسان کی بنائی ہوئی بات ہے۔)

وہ اس انقلابی پروگرام کے خلاف یہ بھی کہتا پھرتا ہے، کہ یہ پروگرام الہامی تھوڑا ہی ہے، جو انسانیت کے لئے مستقلاً مفید ہو،اس کے پیچھے خدائی امداد بھی نہیں ہے کہ یہ ضرور کامیاب ہو، بلکہ یہ تو اس انسان (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کا خود ساختہ پروگرام ہے، جو اسی شخص اور اس کے خاندان ہی کے کام آئے گا۔یعنی یہ شخص اپنے یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے حق میں انقلاب پیدا کر کے بیٹھ جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ عوام کو اس تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے، تا کہ وہ اسے انسانیت عامہ کی تحریک سمجھ کر اس کے ساتھ اپنے مفادات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس انسان کا بتایا ہوا پروگرام ہے اس قسم کا ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعوت تمام اقوام میں پھیل جائے گی اور ان سب پر غالب

آ جائے گی، اور یہی اس دعوت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے، لیکن مخالفین اس تحریک کو ایک عام وقتی تحریک کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عام بات ہے، ایسی تحریکیں اٹھا ہی کرتی ہیں، ہم بھی اس قسم کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔ یہ مخالف جب اس دنیا سے کوچ کرے گا تو سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

ارتجاع کا انجام:

(۲۶) سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (عنقریب اسے آگ میں ڈالوں گا)

اس ارتجاعی (Reactionary) کے لئے اس ظلم اور بداخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے، جو وہ اپنے لئے پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس میں ڈالا جائے گا۔ ایسے ہی انقلاب لانے والی پارٹی اسے دنیا میں سزا دے گی۔ وہ زندہ رہا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔

(۲۷) وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ (اور تو کیا سمجھے کہ آگ کیسی ہے؟)

انسان ابھی اس جہنم کی حقیقت سے واقف نہیں۔

(۲۸) لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ (وہ نہ باقی رکھے۔ نہ چھوڑے)

یہ آگ نہ تو میدان مقابلہ ہی میں رجعت پسندوں (Reactionaries) کو رہنے دے گی، اور نہ آئندہ زندگی میں ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

(۲۹) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (جھلس دینے والی، آدمی کو)

جہنم کی حقیقت:

یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا، عجیب مقام ہے۔ اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے۔ جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سوداء، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں اور انکی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے، ایسے ہی انسان کے نسمی جسم (Nismic Body) میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے، انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں، وہ مختلف قسم کے 'زہریلے مادے' جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں، جب یہ انسان جہنم میں جائے گا، وہاں وہ خاص خاص قسم کے "آگ' کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کا زہر جس قسم کی "آگ' سے متاثر ہو سکتا ہے اس قسم

کی 'آگ' سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا اور اس کی سوزش درونی کا اثر نسمہ انسانی پر ظاہر ہو گا۔ چنانچہ سورۃ 'الھمزۃ' میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

یہ خوفناک حالت ہو گی، جس سے بچنے کے لئے انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہو گا، لیکن وہاں کچھ نہ بن سکے گا اور اسے اپنے کئے کی پوری پوری سزا بھگتنی پڑے گی اور جس طرح بدن انسانی کے اندر سے سارا زہر خارج ہوئے بغیر صحت حاصل نہیں ہو سکتی، ایسے ہی نسمہ انسانی میں سے زہریلے اخلاق کے اثرات خارج ہوئے بغیر صحت روحانی حاصل نہ ہو سکے گی۔

پس انسانیت کے مصالح کلیہ (Human Weal) اور رفاہ عامہ (Public Weal) کے مخالفین کے لئے قوانین انسانیت کی خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہیں۔ جو لوگ فطرت انسانی کی خلاف ورزی کریں گے ان کو یہ آگ جلاتی رہے گی۔

ایک نفسیاتی نکتہ :

(۳۰) عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (اس پر انیس ہیں)

انسان کی روح میں انیس مرکز ہیں [1] جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے۔ جو لوگ روحانی سلوک کے عامل ہیں، وہ انہیں خوب جانتے ہیں، ان انیس مراکز کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے انیس مراکز ہیں اور ہر ایک مرکز کا ایک جداگانہ "محکمہ" سمجھنا چاہیئے۔ ہر روحانی "مرکز" کی خرابی کی جداگانہ سزا ہو گی۔

(۳) (الف) وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (اور ہم نے دوزخ کے جو داروغے رکھے ہیں وہ فرشتے ہیں)

اس "آگ" کے جو انیس مہتمم ہیں وہ انسان نہیں فرشتے ہیں، جن کی قوت کا یہ مخالفین انقلاب، اندازہ نہیں لگا رہے۔ چنانچہ پہلی ہی آگ جو بدر کے مقام پر بھڑکی اس میں انسانوں کے دوش بدوش فرشتوں کی مثالی قوتوں نے بھی مخالفین انقلاب کو فنا کر کے رکھ دیا۔

(ب) وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا (اور ان کی جو گنتی رکھی ہے، تو وہ ان منکروں کے جانچنے کے لئے ہے)

---

[1] انیس مراکز یہ ہیں (۱۔۵) حواس خمسہ ظاہری (۶۔۱۰) حواس خمسہ باطنی یعنی حس مشترک، واہمہ، متخیلہ، حافظہ اور قوت متحرکہ (۱۱) قلب (۱۲) قوت مدرکہ (۱۳) سر یعنی قلب اور عقل کا بطن (۱۴) روح (۱۵) خفی یعنی بطن السر (۱۶) اخفی یعنی بطن الخفی (۱۷) انانیہ کبریٰ (۱۸) نورالقدس (۱۹) الحجر البحت یعنی انانیت کبریٰ اور نورالقدس کا بطن جو تجلی الٰہی کا نمونہ ہے، ان کی تفصیل کے لئے حجۃ الاسلام امام ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اس تعداد کا ذکر منکرین کے فہم کے امتحان کے لئے ہے، کہ آیا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور تحریک انقلاب کو قبول کرتے ہیں، یا مذاق اڑا کر عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔

(ج) لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (تاکہ وہ لوگ جن کو کتاب مل چکی ہے یقین حاصل کریں)

لیکن یہ تورات اور انجیل کو ماننے والی جماعت اور ایسے ہی ہر وہ جماعت جس میں الہامی علوم پائے جاتے ہیں، جن میں مثالی قوتوں کا ذکر آتا ہے، ایسے ہی جو لوگ اس انقلابی تحریک کو دل سے مان چکے ہیں، ان کی عقل و دانش اس کی تائید کرتی ہے وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے، چنانچہ ہندو فلاسفی اور ایرانی حکمت میں بھی ان قوتوں کی طرف اشارے موجود ہیں۔

(د) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَاناً (اور جو لوگ اب (نئی شریعت پر) ایمان لاچکے ہیں وہ اپنے یقین میں بڑھیں)

اور یہ حکیمانہ اشارے قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام پر ایمان کی زیادتی کا باعث ہوں گے اور ان کو اپنے پروگرام کی کامیابی کا اور بھی پختہ یقین ہو جائے گا۔

(ہ) وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (اور وہ لوگ جن کو کتاب دی جاچکی ہے اور وہ لوگ جو اب (اس شریعت پر) ایمان لاچکے ہیں وہ کسی شک میں نہ پڑیں)

پہلی کتابی جماعت کے صحیح علوم رکھنے والوں اور نئی انقلابی جماعت کے ارکان کے دلوں میں اس انقلاب اور دنیوی اور اخروی نتائج کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اہل کتاب ایک انقلابی لیڈر۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔۔۔ کی رہنمائی۔۔۔ کے نتائج دیکھ چکے ہیں اور اہل عرب۔۔۔۔ امی گروہ۔۔۔۔ جو اس رسول انقلاب کے پیرو بن رہے ہیں۔ وہ بھی اس پروگرام کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے۔

(و) وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۔ (اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ منکر ہیں، وہ کہیں گے کہ اس تمثیل کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا منشاء ہے؟)

اس کے برخلاف ایک تو وہ لوگ جن کو اس انقلابی پروگرام کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے اور ان کے دلوں میں اس کی رفتہ رفتہ بڑھی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر حسد کی بیماری پیدا ہو گئی ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس پروگرام کے کھلم کھلا مخالف ہیں، کیونکہ یہ پروگرام ان کے خاص مفادات (Vested Interests) کا مخالف ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ اس انقلابی پروگرام میں کمزوری ثابت کرنے کے لئے اعتراض کرتے ہیں کہ اس انیس کے عدد کی تمثیلی بیان سے کیا غرض ہے؟ حالانکہ انہیں کم سے کم اتنی موٹی سی بات تو معلوم ہونی چاہئے کہ ہمارے

اخلاق اور اعمال کی خرابیوں کے مطابق جہنم میں ان کے علاج کا انتظام ہونا چاہئے اور جب حکیم علی الاطلاق انہیں بتاتا ہے کہ انیس قسم کے محکمہ ہائے علاج جہنم میں موجود ہیں تو انہیں یقین آجانا چاہئے کہ یہ درست ہے، لیکن یہ مخالفین چونکہ انقلابی ذہنیت نہیں رکھتے، اس لئے سوسائٹی کی اصلاح کا فکر ان کے ذہنوں میں آتا ہی نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سوسائٹی کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے اور جو لوگ اس میں انقلاب برپا کرنے کے لئے جان و مال کی قربانی کرنے کے لئے آمادہ ہیں ان کے خلاف صف آرا ہوگئے ہیں۔

(ح) كَذَالِكَ يُضِلُّ اللهُ مَنْ يَّشَآءُ (یوں اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے)

یہ لوگ گمراہ ہوگئے ہیں، یعنی انسانیت کی ترقی کی تدابیر سوچنے کے بجائے ادھر ادھر کی باتوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان کی کج فہمی کا۔ ان کی اس شامت اعمال کے باعث خداوند تعالیٰ اب ان کو کسی نئی حکمت سے سرفراز نہیں کرے گا۔

قرآن کی انقلابی تعلیم سب کے لئے کھلی ہے۔ ہر شخص اسے قبول کر کے اصلاح حال کر سکتا ہے، لیکن جو اس انقلاب میں حصہ نہ لینا چاہے اور انیس بیس کی کج بحثوں میں پڑ جائے، تو خدا کی مشیت اسے مزید روشنی دینا نہیں چاہتی۔ جو روشنی دی گئی ہے اسے استعمال کر کے جو شخص راہ راست پر چل نکلتا ہے، مشیت ایزدی اس کے لئے مزید رہنمائی کا سامان بہم پہنچادیتی ہے۔ ورنہ وہ ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کی طرف نکلتا چلا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ منزل مقصود سے بہت دور جاپڑتا ہے۔

(ط) وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (اور جسے چاہتا ہے راہ دیتا ہے)

جو لوگ اس انقلابی پروگرام کو قبول کرلیں گے، مشیت الٰہی ان کی مزید دستگیری کرے گی۔ چنانچہ ایک اور جگہ فرمادیا ہے کہ

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ ابراہیم) (جو لوگ ہماری طرف آنے کے لئے سرگرم سعی ہو جائیں گے، ہم ان کو اس راہ پر چلنے کے لئے کئی راستے کھول دیں گے)

یعنی جب کوئی انسان خدا کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے، تو مشیت الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہتی ہے، اور جہاں اس کے راستے میں کوئی پتھر آجاتا ہے اس کے ہٹانے یا اس کے ادھر ادھر سے ہو کر گزر جانے کی راہ بتادیتی ہے۔ وہ علم اور عمل کی روشنی میں برابر چلتا رہتا ہے اور ہر مشکل سے بچ نکلنے کے راستے نکالتا رہتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا باعث بنتی رہتی ہے۔

(ی) وَمَآ يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

یہ لوگ خواہ مخواہ انیس کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انیس تو مدیران اعلیٰ ہیں، ان کے علاوہ پروردگار عالم کے لشکروں کی تعداد اس قدر ہے کہ اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ فرشتوں کی کل تعداد غیر متناہی ہے اور یہ سب طاقتیں اس پیغمبر انقلاب کی تائید میں ہیں۔

(ک) وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (اور یہ (جہنم) توانسانوں کے لئے یاددہانی ہے)

انسان اپنی زندگی کو زمانے سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ اگر وہ زندگی چاہتا ہے تو زمانے کا پابند ہو کر رہنا پڑے گا۔ زمانے کے ساتھ وابستگی اس پر کون سے فرائض عائد کرتی ہے؟ نبی کی تعلیم یاد دلاتی ہے کہ انسان پر زمانے کی روح کے مطابق انقلاب میں حصہ لینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کتب الٰہیہ اسے یاد دلاتی ہیں کہ دیکھو اپنی فطرت کو مت بھولو۔ فرد کا ذرا سا تغافل اسے موت میں مبتلا کردیتا ہے۔

آج زمانہ ہم سے ایک نئے قسم کے اجتماع کا مطالبہ کرتا ہے، وہ یہ کہ ہر فرد سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں حصہ لے۔ ہم پرانے زمانے کو لئے بیٹھے ہیں۔ جب ایک آدمی سینکڑوں افراد پر حکومت کرتا تھا، اب زمانہ چاہتا ہے کہ افراد خود فیصلہ کرکے آگے بڑھیں اور مل کر کام کریں۔ جو لوگ زمانے کی اس دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے وہ برباد ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم کی دعوت پہلے ان ہی سے اس قسم کی یاددہانی کراتی ہے۔ چنانچہ وہ ہر مسلمان کے لئے قرآن کا سمجھ کر پڑھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن ہر ایک مسلمان کی بے سمجھ زندگی کو غلط قرار دیتا ہے اور یہی تقاضا آج کے زمانے کا ہے۔

آگے بڑھنے کی دعوت

(۳۲) كَلَّا (ہرگز نہیں)

ارتجاع غالب نہیں آسکتا:

یہ سرمایہ پرست جو تحریک قرآنی کی مخالفت کرتا ہے (اَدْبَرَ)۔ خیال کرتا ہے کہ اس کا مسلک حضرت محمد رسول اللہؐ کی تحریک پر غالب آجائے گا وہ اس پر اینٹھ رہا ہے (اِسْتَكْبَرَ)۔ یہ اس نے غلط سمجھا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہو گا (كَلَّا)۔

انقلاب کی پہلی منزل عرب پر قبضہ :

وَالْقَمَرِ (قسم ہے چاند کی)

قرآنی انقلاب کی تدریجی ترقی کو قمر کی روشنی کے بڑھنے پر قیاس کرنا چاہئے۔ یہ پروگرام مختلف منازل میں سے گزر کر پہلے تو سرزمین عرب میں ہلال سے بدر بن کر چمکے گا اور عرب قوم کو بین الاقوامی انقلاب کی سنٹرل کمیٹی (Central Committee) بنادے گا۔

(۳۳) وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ (اور رات کی، جب وہ پیٹھ پھیر لے)

پھر یہ چاند رات گزر جائے گی یعنی قومی انقلاب پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

(۳۴) وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (اور صبح کی، جب وہ روشن ہو جائے)

بین الاقوامی منزل :

اور اس کے بعد اس عرب پارٹی کی کوششوں سے بین الاقوامی انقلاب کی صبح نمودار ہو گی۔

(۳۵) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ۔ (یہ واقعہ تاریخ انسانی کے عظیم الشان واقعات میں سے ہے)

رفتہ رفتہ آفتاب عالمتاب کی بیدار کن روشنی کی طرح یہ عالمگیر انقلاب بھی ساری انسانیت کو بیدار کردے گا اور ہر ایک اس سے فیضیاب ہوگا۔ یہ انسانیت گیر انقلاب (World Revolution) کوئی معمولی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ تاریخ انسانی کے عظیم الشان انقلابوں میں سے کامیاب ترین انقلاب ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انقلاب کا آغاز پہلے عرب میں ہوا، قریش کی کامیابی سے۔ عرب اس انقلاب میں شامل ہوگئے، اور عرب مل کر بین الاقوامی انقلاب کی ایک منزل کے قافلہ سالار بنے۔

(۳۶) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (یہ نوع انسانی کو ڈرانے والا ہے)

مخالفین کو جنگ میں سزا ملے گی :

یہ بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام کسی خاص خطہ زمین یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں ہے، کہ وہ ملک یا خطہ اس کے ذریعہ سے اپنا تفوق (Imperialism) قائم کرکے دوسرے ممالک یا اقوام سے انتفاع (Exploitation) شروع کردے۔ بلکہ یہ انقلابی تعلیم ساری نوع انسانی کے لئے ہے اور جو انقلاب اس کے مطابق پیدا کیا جائے اس میں تمام انسانوں جو اسے تسلیم کرلیں کے مفادات محفوظ رہنے چاہئیں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے ساتھ بھی

انصاف سے کام لیا جائے لہٰذا ہر زمانے اور ہر ملک کے خود پرست جابر وظالم حکمرانوں کو اس انقلابی تعلیم سے ڈرنا چاہیے۔ اور اپنے آپ کو اس کے ماتحت کرلینا چاہئے۔ تاکہ وہ انقلاب کے دنیاوی خطرناک نتائج اور اخروی عذاب سے بچ جائیں۔

اس آیت میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت لطیف اشارہ بشکل انذار موجود ہے جو اس تعلیم کے انقلابی ہونے کی بین دلیل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اعلان :

چنانچہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان والوں کو اس آنے والے انقلاب کے نتائج سے ڈرائیں تو آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور بلند آواز پکارا:

فَهَتَفَ يَاصَبَاحَاهُ! فَقَالُوْا مَنْ هٰذَا۔ فَاجْتَمَعُوْا اِلَيْهِ فَقَالَ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ۔ قَالُوْا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْباً فَقَالَ اِنِّيْ نَذِيْرٌ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔

آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحاہ (فریاد! فریاد!) لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ کون ہے؟ خیر پھر سب لوگ آپ کے پاس جمع ہوگئے، تو آپ نے فرمایا۔ سنتے ہو۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر نکلے گا تو کیا تم میری بات سچ مان لوگے؟ سب نے کہا ہم نے آج تک تجھے جھوٹ بولتے نہ سنا نہ دیکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ''تو میں تمہیں آنے والے خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں''۔

جن لوگوں نے ''آنے والے خوفناک عذاب'' سے بچنا چاہا وہ آپ کی جماعت میں شامل ہوگئے اور جو اس میں شامل نہ ہوئے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوئے اور دوسری زندگی میں اس عذاب کے زیادہ شدید تسلسل میں جا پھنسے۔

(۳۷) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (اب یہ تم سے ہر ایک کے لئے ہے کہ وہ آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے)

انقلاب میں آگے بڑھو :

اب یہ فیصلہ خود تمہیں کرنا ہے کہ تم اس انقلاب کی صف اول (Vanguard) میں جگہ لینا چاہتے ہو، یا پیچھے رہنے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہو؟ یہ فیصلہ انسان کو خود اپنی رائے سے کرنا چاہئے۔ جو شخص اپنی رائے سے انقلابی نہیں بنتا وہ انقلابی نہیں کہلا سکتا۔ انقلاب سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ اس انقلاب کی صف اول میں جگہ لیں گے ان کو تکالیف پیش آئیں گی، لیکن آخر کار وہ کامیاب ہو جائیں گے، لیکن جو اس تحریک میں حصہ لینے میں پیچھے رہ جائیں گے وہ شکست کھا کر خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ، کے مصداق ٹھہریں گے۔ (یعنی دنیاوی زندگی میں سخت ذلت (غلامی) کا عذاب اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اس سے بھی زیادہ شدت کا احساس عذاب) چنانچہ جن لوگوں نے تقدم اختیار کیا، ان میں سے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ اور حضرت حمزہؓ اور صہیب رومیؓ ہیں۔ ان کی کامیابی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور جو پیچھے رہے ان میں سے ابو جہل اور ابو لہب اور ابو لہب کی بیوی وغیرہ ہیں جو دنیا سے ناکام گئے۔ اور مرنے کے بعد ان کی یہ ناکامی اور ان کے دیگر مظالم ان کے ساتھ گئے جنہوں نے ان کے لئے مکمل عذاب جہنم پیدا کر دیا ہے۔ اب آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ آیت نمبر ۴۸ تک چلا گیا ہے سب سے پہلے، نمبر ۴۸ میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

پیچھے رہنے والے برباد کر دیئے جائیں گے :

(۳۸) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ہر ایک جاندار اپنے کئے میں پھنسا ہے)

انسان کی ساخت ایسی ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کی پوری جوابدہی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا، پس جو شخص پیچھے رہے گا اسے اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کی یہ رجعت پسندی (Reaction) اور انقلاب دشمنی اس کے نفس پر ایسی چھا جائے گی کہ وہ اپنی اس ذہنیت کے نتائج سے کبھی چھٹکارا نہ پا سکے گا۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائی ہیں، وہ اس لئے ہیں کہ ان کو ان کی فطرت کے مطابق کام میں لا کر جِلا دی جائے۔ جو شخص ان قوتوں کو جِلا نہیں دیتا، بلکہ غلط کاریوں کے نیچے دبا کر صالح ترقی سے روکتا ہے، اسے اس کا نقصان پورا کرنا ہو گا اور عذاب برداشت کرنا ہو گا، اس کے یہ ارتجاعی اعمال بے نتیجہ نہ رہیں گے۔

انسان کے اعمال کس طرح محفوظ رہتے ہیں؟

امام ولی اللہ کا نظریہ :

حجۃ اللہ علی الارض امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلوی (انار اللہ برھانہ) فرماتے ہیں کہ :

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَعْمَالَ الَّتِيْ يَقْصُدُهَا الْاِنْسَانُ قَصْدًا مُؤَكَّدًا وَالْاَخْلَاقَ الَّتِيْ هِيَ رَاسِخَةٌ فِيْهِ تَنْبَعِثُ مِنْ اَصْلِ النَّفْسِ

النَّاطِقَةِ ثُمَّ تَعُوْدُ اِلَيْهَا ثُمَّ تَتَشَبَّثُ بِذَيْلِهَا وَتُحْصِیْ عَلَيْهَا (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۸)

(یعنی واضح رہے کہ جس قدر کام انسان اپنے پختہ ارادہ سے کرتا ہے اور جس قدر اخلاق انسان میں پختہ ہو جاتے ہیں، ان کا بیج پہلے تو انسانی روح ہی میں سے نکلتا ہے اور پھر پھیلنے کے بعد انسانی روح ہی کی طرف واپس آ جاتا ہے (چونکہ نکلنے کے وقت وہ بیج چھوٹا ہوتا ہے اور واپس ہونے تک وہ پھیل چکا ہوتا ہے اس لئے وہ واپسی میں) روح کے دامن سے ملحق ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔)

گویا ہر شخص کے اعمال اسکے نسمہ میں محفوظ رہتے ہیں اور مرنے کے بعد جب مادی بدن اتر جائے گا تو یہ اعمال نہایت واضح شکل میں اسے محسوس ہونے لگ جائیں گے پس ہر شخص کو اس انقلاب کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے قویٰ کو فطری ترقی دے سکے اور ایسی سوسائٹی پیدا کر سکے جس میں رہ کر وہ اچھے اعمال اپنے نسمے کے اندر جمع کر سکے۔ اب ان لوگوں کا ذکر آتا ہے جنہوں نے آگے بڑھ کر کام کیا۔

(۳۹) اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (سوائے ان کے جو دائیں طرف والے ہیں)

انقلاب کے پیشرو:

جو لوگ دنیا میں قرآن حکیم کا انقلاب برپا کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ سابقین (Pioneers) تو کامیاب ہوتے ہی ہیں ان کے علاوہ ان کے دست راست بننے والے بھی پھنسے نہیں رہتے۔ وہ بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور سند کامیابی اپنے دائیں ہاتھ میں پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا حق ادا کیا یعنی اللہ نے جو قوتیں عطا کی تھیں ان کو حق کی راہ میں پوری طرح استعمال کیا۔

ان کے مقابلے میں ایک جماعت اصحاب شمال کی ہے جو ناکام رہتی ہے۔ 'السابقین' اور 'اصحاب الیمین' کی کامیابی کا راز معلوم کرنا ہو تو ان ناکام رہنے والوں کی ناکامیوں کے اسباب خود ان کی زبانی سن لیں تاکہ کامیاب انقلابی پروگرام کی مدات۔۔۔۔ واضح ہو جائیں۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا تذکرہ آیت نمبر ۴۸ تک چلا جاتا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کی تفصیل

(۴۰) فِیْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ (وہ باغات میں ہیں، پوچھتے ہیں)

(۴۱) عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ (مجرموں سے)

ارتجاع کا نفسیاتی تجزیہ :

اصحاب یمین، جنت میں پہنچ جاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پالیتے ہیں اور اس کے بعد وہ غور کرتے ہیں کہ اب جو لوگ عذاب میں مبتلا ہیں وہ کیوں عذاب میں مبتلا ہیں؟ چنانچہ وہ جہنمیوں سے ان کی ناکامی کے اسباب دریافت کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ :

(۴۲) مَا سَلَكَكُمْ فِىْ سَقَرَ (تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لاڈالا؟)

تم اس ناکامی کے عذاب میں کس وجہ سے مبتلا ہوئے؟ کچھ سمجھے بھی؟ اس عذاب کو دیکھ کر جس کی خبر تمہیں پہلے دی گئی تھی اب تو سمجھ آ گئی ہو گی؟

فائدہ : جس مجرم کو اس کی سزا ملنے کے وقت یہ علم نہ ہو کہ اسے کس جرم میں سزا مل رہی ہے، اسے اس سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہنم میں پہنچ کر مجرم خود ہی جان لیں گے کہ انہیں کس کس جرم کی سزا مل رہی ہے، سزا اور جرم میں خاص مناسبت ہو گی۔ چنانچہ مجرم اپنے جرائم آپ بتاتے ہیں کہ :

(۴۳) قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (وہ کہنے لگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے)

(۱) **تعلق باللّٰہ کی ضرورت:** وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی سعادت انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے جو اتحاد فکر، اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کا انتہائی معراج تعلق باللہ ہے۔

یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خداشناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے۔ تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے، انسان کبیر ۔۔۔۔ امام نوع انسانی ۔۔۔۔ کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو خدا کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جیسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور اسے خدا کی عبادت کا جزو جانتا ہے۔

اس کی مزید کیفیت سورۃ ماعون میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں فرمایا : فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (سورہ ماعون) (یعنی جو لوگ اپنے یتیموں اور بے کس مسکین ہمسایوں کو (جن کا ذکر ماعون کی ابتدائی آیتوں میں آیا ہے) برتنے کی چیز بھی نہیں دیتے۔ مفت نہیں کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ ادھار ۔۔۔ وہ اپنی صلوٰۃ (تعلق باللہ) کے مقصد سے غافل ہیں، اس لئے اب جو وہ نماز پڑھتے

ہیں تو یہ محض دکھاوے کی نماز ہے)

(۴۴) وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ (اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے) ۔[1]

(۲) **مساکین کی تنظیم کی ضرورت**: جب ہم اپنے نفس کی ضرورت ---- تعلق باللہ---- کو بھلا بیٹھے تو پھر دوسروں کی ضرورت کا بھی احساس ہم میں مردہ ہوگیا۔ نماز کے ذریعے سے اپنے خالق کے ساتھ تعلق نہ جوڑا۔ خدمت خلق کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کیا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرنے کی کوشش نہ کی اور عام لوگوں کی مادی اور عقلی ضرورتیں پوری کرنے کا جتنا سامان ہم کر سکتے تھے وہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس عذاب میں مبتلا ہوگئے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا کے معنی یہ نہیں کہ بھک منگے پیدا کئے جائیں، بلکہ یہ کہ بیکار لوگوں کو تعلیم اور کام اور کام کے ذرائع بہم پہنچا کر سوسائٹی کے مفید رکن بنائے جائیں ۔

(۴۵) وَكُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ (اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے)

بیکار مباحث:

ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دوراز کار بحثوں میں پڑ گئے، اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ بیکاروں (The unemployed) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انہیں علم دیتے۔

(۴۶) وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ (اور ہم جزاء اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے)

(۳) **اعمال کی ذمہ داری سے انکار**: یہ سب کچھ اس لئے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور، محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن کا یقین نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جوابدہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

(۴۷) حَتّٰۤى اَتٰٮنَا الۡيَقِيۡنُ (یہاں تک کہ آگئی یقینی بات)

ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے پنجے میں ہیں ان سے جس طرح چاہیں کام لیں اور ہماری اس حالت میں کبھی

[1] ان دونوں آیتوں کے مضمون ---- نماز اور اطعام مسکین---- کو قرآن حکیم میں اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے جملے کے ذریعے سے سینکڑوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

انقلاب نہ آئے گا، لیکن انقلاب تو یقینی تھا مگر ہم اسے یقینی نہ جانتے تھے، آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں!

(۴۸) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ: (ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی)

چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لئے جب تک وہ تمام زہر جو نسمے میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے ترقی محال ہے۔ اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔

دوبارہ انذار:

اب پھر انقلاب کے مخالفوں کو غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے، کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور اس انقلاب کو قبول کریں۔

(۴۹) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس یاددہانی (قرآن حکیم) سے روگردانی کررہے ہیں)

پہلی آیت میں جو آیا تھا کہ "قُمْ فَاَنْذِرْ" اس کے مطابق یہ انذار (ڈراوا) ہے، اور انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن حکیم کا انقلاب ٹل جائے گا، یہ ہو کر رہے گا! اور مخالفین کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی، ان کو چاہئے کہ اسے فوراً قبول کرلیں اور اس سے اعراض کر کے نقصان نہ اٹھائیں۔

(۵۰) كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (گویا گدھے ہیں بدکنے والے)

انقلاب کی تمثیل:

یہ ارتجاعی لوگ (Reactionaries) آگے بڑھنا شیر کے منہ میں جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔

(۵۱) فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (بھاگتے ہیں شیر سے)

یہ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اس طرح ڈرتے ہیں، جیسے گدھا شیر سے دہشت کھاتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ آخر اس انقلاب سے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو کیا یہ رک سکتا ہے؟ پھر مساکین اور یتامیٰ کی حالت کی اصلاح کرنا انسانیت کا لازمی جزو ہے۔ یہ اس سے کیوں بھاگتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انقلابی تعلیم انسان میں شیری پیدا کر دیتی ہے، وہ ہر چیز سمجھتا ہے اور اپنے فیصلے سے آگے بڑھتا ہے۔

نہ خورد شیر نیم خوردۂ سگ ور ز سختی بمیرد اندر غار

(کتے کا بچا ہوا، کبھی بھی شیر نہیں کھاتا، اگرچہ وہ بھوک سے مر ہی جائے۔۔۔)

قرآن حکیم ان کو خود سوچنے کی دعوت دیتا ہے اس سے اعراض کرنا گدھا پن ہے، مگر جو جھوٹا کھانے کی غلاظت میں مبتلا رہنا چاہیں اور خود غور و فکر نہ کریں وہ بھلا قرآن حکیم کی کیا قدر کر سکتے ہیں؟

(۵۲) بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفاً مُّنَشَّرَةً (بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے الگ الگ صحیفہ دے دیا جائے)

نراج پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا:

صحیح عالمگیر انقلاب تو ساری انسانیت کو ایک نظام میں منسلک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم تمام انسانیت کے لئے یکساں مفید ہوتی ہے۔ لیکن یہ سرکش چاہتے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ پروگرام یا چارٹر (Charter) دیا جاتا، تاکہ اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہوتی رہتیں۔ یہ لوگ اجتماعی نظام کے اندر آ کر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہی نہیں، کیونکہ اس انقلاب سے ان کی ذات خاص کو خصوصی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ نراج (Anarchism) ہے اور یہ نراجی (Anarchists) اس اجتماعی پروگرام کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے اور یہ اپنے لئے زراندوزی۔۔۔ اور انتفاع کا چارٹر، (Charter for Exploitation) چاہتے ہیں۔

(۵۳) كَلَّا (ہرگز نہیں)

انہیں کوئی انفرادی پروگرام نہیں دیا جاسکتا، یہ غیر طبعی مطالبہ ہے۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ اس سے نراج (Anarchy) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی منظّم انسانی معاشرہ (Organised Human Society) پیدا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ فرد کی ترقی کا راستہ اجتماع سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لئے تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس سے اجتماعیت (Society) پیدا ہو۔ اور اسے ترقی حاصل ہو۔ ایک ایک انسان کو جداگانہ ہدایت نامہ دے دیا جائے تو، یہ انفرادی اور اجتماعی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پارٹی بنانا چاہتا ہے، وہ ایک ایک انسان کو الگ الگ سمجھانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے نہیں)

یہ لوگ جو انفرادی انتفاع (Individual Exploitation) کا چارٹر (Charter) چاہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نفسی ضروریات (Psychological Necessities) سے غافل ہیں۔ انہیں معلوم

ہونا چاہیئے کہ خدا کے ساتھ تعلق قائم نہ کر کے اور مساکین اور غربا سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر کے اپنے نفس کے اندر ایسے خوفناک زہر جمع کر رہے ہیں، جو مرنے کے بعد پھوٹ نکلیں گے اور انہیں اس طرح عذاب میں مبتلا کر دیں گے جس طرح آتشک یا سوزاک یا جذام کا زہر جسم میں جمع ہو تو حالت سازگار ہوتے ہی جسم میں سے پھوٹ نکلتا ہے اور مریض کی زندگی کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ ایسے ہی یہ اپنے جسموں کے اندر انسانیت کشی کے مختلف اعمال کے ذریعے سے جو زہر جمع کر رہے ہیں وہ جہنم کی موافق "آب و ہوا" میں ان کے جسموں سے پھٹ نکلے گا اور ان کی زندگی ایک دائمی عذاب بن جائے گی۔ جس طرح مرنے کے بعد ان سے فطرت انسانی جواب طلبی کرے گی اور انہیں عذاب میں مبتلا کرے گی۔ اسی طرح اس دنیا میں انقلابی جماعت ان سے جواب طلبی کرے گی اور ان کو مبتلاء عذاب کرے گی۔

انقلاب سوسائٹی کے اندر سے پیدا ہوتا ہے :

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آنے ولا انقلاب بیرونی اثرات کا نتیجہ ہوگا؟ یا آنے والا عذاب جہنم ان کے نفسوں کے باہر کی قوتیں پیدا کریں گی؟

(۵۴) كَلَّآ (ہرگز نہیں)

بلکہ وہ انقلاب خود ان کے اپنے نفسی حالات پیدا کر رہے ہیں، اگر ان کی ذہنیت درست ہوتی اور یہ سب کے ساتھ انصاف کرتے ہوتے تو یہ انقلاب نہ آتا۔

اِنَّه، تَذْكِرَةٌ (اب بھی قرآن حکیم جو آیا ہے تو ان کی یاددہانی کے لئے آیا ہے)

قرآنی انقلاب کے تجربے کی دعوت :

اگر یہ لوگ اپنی خفیہ انسانیت کو بیدار کرلیں اور انقلاب کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں، تو ان کے لئے اچھا ہے۔ قرآن حکیم ان کو ان کی بھولی ہوئی انسانیت یاد دلانے آیا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ انسانیت کے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں۔

(۵۵) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَه، (جو کوئی چاہے اسے یاد کرے)

عیاں راچہ بیان

انسان آج بھی انسانیت کو بروئے کار لا کر دیکھ لے، تو اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کی تعلیم اس کے لئے کس قدر

مفید ہے اور اس کی تعلیم، روح کے کس قدر مناسب حال ہے۔ جب وہ دنیا میں اس تعلیم کے نتائج حاصل کر کے کامران ہو سکتا ہے، تو یہی نتائج زیادہ واضح طور پر حیات مابعد الممات (The Life Hereafter) میں اسے حاصل ہو جائیں گے، اس لئے جو شخص دنیوی اصلاح اور اخروی فلاح حاصل کرنی چاہتا ہے، وہ اس انقلابی پروگرام کو قبول کرلے جو کسی خاص انسان یا خاندان کی ترقی کا کفیل نہیں ہے، بلکہ ساری نوع انسانی کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔

(۵۶) وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (مگر اس سے وہ اسی صورت میں نصیحت پا سکتے ہیں کہ اللہ چاہے)

جو لوگ اس یاددہانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ مشیت الٰہی اور حکمت الٰہی پہلے سے معین کر چکی ہے۔ وہی اس کام کو بجالائیں گے۔ جو لوگ قرآن کی ہدایت سے ہدایت یاب ہوتے ہیں، وہ اتفاقاً نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ طے شدہ فیصلے ہیں کہ جن اشخاص میں فلاں فلاں باتیں ہوں گی وہی ہدایت پائیں گے۔ پس انسان کو اپنے اندر وہ شرطیں پیدا کرنی چاہئیں تب وہ ہدایت پا سکتا ہے۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (وہ تقویٰ کا اہل ہے اور وہ مغفرت کا اہل ہے)

انقلاب عدل قائم کرے گا:

اس کی مشیت اور حکمت کے مطابق یہ دو قسم کے لوگ ہدایت پا سکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی اس آیت میں بیان کی گئی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ۔

(بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، اور یہ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔ اور فحشاء اور منکر سے اور بغاوت سے منع کرتا ہے)

اس آیت کی رو سے تقویٰ میں عدل شامل ہے۔

پس جو لوگ اپنی استعداد کے مطابق عدل کرتے ہیں، وہ جب عدل کامل کی تعلیم پاتے ہیں تو اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم سے انتباہ حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں، مگر اپنے ظلموں پر اصرار نہیں کرتے۔ جب انہیں متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ باز آجاتے ہیں یہ اہل مغفرت ہیں۔

قرآن حکیم ان دو قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو بیدار کرے گا۔

خداوند تعالیٰ سے ہرگز یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ انصاف کو چھوڑ کر کسی انسان کو بخش دے گا، کیونکہ وہ خود اہل تقویٰ یعنی عادل ہے۔ البتہ اگر انسان ایک جگہ غلطی کرے مگر متنبہ ہو کر دوسرے موقع پر اعلیٰ درجے کی

نیکی کرے تو وہ اسے بخش دیتا ہے، یہ اس کی عدالت کے منافی نہیں ہے، پس اللہ سے معافی مانگنے کے لئے انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرے اور کوئی بہتر نیکی کرے تو وہ بخش دیا جاسکتا ہے۔

خلاصۃ الکلام

(۱) صالح انقلاب پسند کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کو ترقی دینے والے قانون کے خلاف جو غیر صالح نظام موجود ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ (نمبر ۱۔۳)

(۲) صالح انقلاب پسند ہر قسم کی پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے اور اس کا آغاز لباس کی پاکیزگی سے کرتا ہے۔ اور وہ اپنے بدن اور ماحول کو بھی پاک رکھتا ہے۔ (نمبر ۴)

(۳) صالح انقلاب پسند کسی قسم کی خیالی اور علمی ناپاکی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ہر غیر صالح نظام کا انکار کر دیتا ہے۔ (نمبر ۵)

(۴) صالح انقلاب پسند ہر قسم کے انتفاع (Exploitation) کا مخالف ہوتا ہے۔ اور کسی انسان پر کسی قسم کا ظلم نہ خود کرتا ہے اور نہ اسے برداشت کرتا ہے۔ (نمبر ۶)

(۵) صالح انقلاب پسند تادم مرگ محض خدا پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے اور مشکلات سے گھبرا کر اپنے لائحہ عمل پر شک کرنے نہیں لگ جاتا۔ (نمبر ۷)

(۶) قرآن کا انقلاب سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ (نمبر ۸ تا نمبر ۲۵)

(۷) اس ذہنیت کا انجام دنیا میں ناکامی ہوگا۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں دردناک عذاب۔ (نمبر ۳۱ تا ۳۶)

(۸) قرآن کی تعلیم بین الاقوامی تعلیم ہے۔ (نمبر ۳۱ تا ۳۶)

(۹) یہ بین الاقوامی تعلیم قومی درجے سے ترقی کر کے بین الاقوامی درجے پر پہنچے گی اور مساکین کی تنظیم کرے گی اور ان کا تعلق اللہ سے قائم کرے گی۔ مخالفین ناکام رہیں گے۔ (نمبر ۳۷ تا ۵۶)

نظر باز گشت
مُزَّمِّل اور مدّثّر کا تقابل

یہ دونوں سورتیں۔۔۔۔۔ المزمل اور المدثر۔۔۔ مکی دور کی ابتدائی سورتیں ہیں۔ اور حضرت نبی اکرمؐ کے منصب نبوت پر قائم ہونے کے پہلے ہی سال میں اتری ہیں۔ ان دونوں کے مضامین باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک

دوسرے کا تتمہ معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو چیزیں مزمل میں مفصل ہیں ان کی طرف مدثر میں اجمالی اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور جو مزمل میں مجمل بیان ہوئی ہیں، ان کو مدثر میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس انقلابی تعلیم کو روئے زمین پر متمکن کرنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ اس لئے مزمل میں آپ کو رفقاء کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لئے نماز تہجد۔۔۔۔ قیام شب۔۔۔۔ مقرر کی گئی، تاکہ ان رفقاء کی تیاری، تعلیم و مصاحبت سے کریں۔ اس کے بعد دوسری سورت میں تنزمیل۔۔۔۔ تیاری رفقاء۔۔۔۔ کی غرض بیان کر دی گئی۔ یعنی یہ کہ آپ دنیائے انسانیت سے ہر قسم کے ظلم کو محو کریں گے اور معاشرہ انسانی کو ہر قسم کی پاکیزگی سے معمور کریں گے۔ انسانی زندگی کو بین الاقوامی معیار پر بلند کرنے کے لئے چار اخلاق انسانوں کے اندر پیدا کئے جائیں گے۔ یعنی

(۱) اللہ کی طرف اخبات (جھکنا) رَبَّكَ فَكَبِّرْ

(۲) طہارت وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

(۳) سماحت وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

(۴) عدالت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ

ان اخلاق اربعہ کے علاوہ شعائر اللہ۔۔۔۔ وہ چیزیں جن میں تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔۔۔۔۔ سے تعلق قائم کرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ جس سے مراد یہ ہے کہ تعلق باللہ اپنے وسیع ترین معنوں میں صرف قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کے آنے والے انقلاب کا مجمل خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔

یہ انقلاب، جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ سورۂ مزمل میں اس کا اجمالی ذکر ''وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ'' میں کیا گیا تھا۔ لیکن سورۃ مدثر میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر آیات نمبر ۱۱ تا نمبر ۲۵ میں کیا گیا ہے اور سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا نہایت باریک نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ اس ذہنیت کا انسان فارغ البال ہونے کے باوجود زراندوزی کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کو اپنے قبضے میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے اور جہاں کسی تحریک سے، جو عوام کے فائدے کے لئے جاری کی جائے اس کے ذاتی مفادات کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اس تحریک کے خلاف عملی اقدامات شروع کر دیتا ہے، جس کا آغاز غلط فہمی پیدا کرنے والے پراپیگنڈا سے ہوتا ہے اور انجام، عملی عناد پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس عوامی تحریک (Mass Movement) کو روکنے کے لئے متوازی تحریک (Parallel Movement) کے پروگرام بھی وضع کرنے کی ٹھان لیتا ہے، لیکن انقلاب صالح کی تحریک صحیح خطوط پر چل رہی ہو تو مخالف تحریک کبھی کامیاب

نہیں ہوتی اور مخالفین مرنے کے بعد اپنے ساتھ داغ ناکامی لے جاتے ہیں، جو ہمیشہ ان کے لئے سوہان روح بنے رہتے ہیں اور دوسری زندگی میں ان کے لئے المناک عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔

کوئی انقلابی تحریک خواہ کتنی بھی عالمگیر نوعیت کی کیوں نہ ہو، اول دور میں بین الاقوامی عناصر کو جمع نہیں کر سکتی۔ اس کی طبعی رفتار یہ ہوتی ہے کہ ایک خطے کے افراد جو ایک زبان بولتے ہیں ایک صاحب فکر کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ مضبوط جماعت بن جاتی ہے۔ یہ بین الاقوامی کام کی مرکزی جماعت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سورۃ مزمل میں ذرا تفصیل کے ساتھ اور سورۃ مدثر میں اجمال کے ساتھ قرآنی تحریک کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ دونوں سورتوں میں اس تحریک کے اصلی رنگ۔۔۔۔۔ بین الاقوامیت۔۔۔۔ کی طرف صریحی اشارے موجود ہیں۔

دونوں سورتوں سے بین الاقوامی تحریک کے جو اصول کار نکلتے ہیں، وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) تبلیغ و تنظیم
(۲) تعلق باللہ کا قیام
(۳) مساکین کی منظم خدمت
(۴) ظاہری پاکیزگی کا التزام
(۵) خیالات و افعال کی پاکیزگی کا استمرار
(۶) سرمایہ پرستی کا ہر شکل و صورت میں استیصال خواہ وہ ذھنی ہو یا صوری
(۷) انفرادیت کی اجتماع کے ساتھ وابستگی
(۸) انسان میں اپنے افعال و اعمال کی ذمہ داری کے احساس کی بیداری۔
(۹) ہر شخص اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں شامل ہو۔
(۱۰) دنیا میں بین الاقوامی انصاف و عدل قائم کرنے کا تہیہ۔

کیا قرآنی انقلابی تحریک کے سوا اور بھی کوئی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ قرآن ہر ایک انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟ کوئی ہے جو خواب غفلت سے بیدار ہو کر، اس انقلاب میں تقدم کرے؟

سورۃ العصر

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

پیش لفظ

انسانی اجتماع (Society) کو ترقی دینے میں جن بلند فکر اور عالی دماغ لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص بلند مقام ہے، آپ اب سے کوئی چار ہزار سال پہلے "اُر" (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔

آپ سے پہلے جن لوگوں نے انسانی اجتماعات کی رہنمائی کی، ان کا فکر اپنے مخصوص اجتماع کی ترقی کو مرکز بنا کر کام کرتا رہا۔ لیکن آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے انسانیت عامہ کو اپنے فکر کا محور بنایا۔ اس حیثیت سے آپ بے شک "امام الناس"[1] (نوع انسانی کے لیڈر) کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر معاشرے کا ہادی اپنے معاشرے والوں کو ذات الٰہی کے تصور دلانے کے لئے ارد گرد کے ماحول کو استعمال کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ ہادی کے گزر جانے کے بعد لوگ ان مظاہر قدرت الٰہی ہی کو "خدا" مان کر پوجنے لگتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ سیدنا ابراہیمؑ پہلے ہادی ہیں جنہوں نے مظاہر طبعی کی بجائے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا شناسی آسان ہو گئی۔ اور نیچر پر قبضہ کر کے اسے انسانی ترقی کے لئے استعمال کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو حنیفیت کہتے ہیں۔ یہ دعوت کیا تھی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ آپ انسانیت کو دو لعنتوں سے، جو آپ کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں، بچانا چاہتے تھے یعنی:

۱۔ شہنشاہیت انسانی (Imperialism)

۲۔ الوہیت انسانی (Brahmanism)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجتماع میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں، جو ملکی سیاست پر قبضہ کر کے اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات (Interests) کو ترقی دینے والے قوانین نافذ کرتے ہیں اور اس طاقت کے

[1] اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (سورۃ بقرہ 2:124)

بل بوتے پر اپنی رعایا سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں اور انہیں ناجائز ٹیکسوں کے بوجھ تلے اتنا دباتے ہیں کہ انہیں ان ٹیکسوں کے ادا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے رہنے کے سوا کوئی وقت ہی نہیں ملتا، کہ انسانیت کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہوں۔[1] یہ حالت انسانیت کے لئے بہت بڑی لعنت ہے۔ سیدنا ابراہیم اس کے خلاف بہت بلند درجے کے باغی تھے۔[2]

ایسے ہی بعض اوقات علمی طبقہ عوام کو علم عامہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اور خود علم کا اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس علمی اجارہ داری کے طفیل عوام پر "خدائی" کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ان سرمایہ دارانہ علم کے محتاج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح علمی طبقہ عوام کو طرح طرح سے لوٹتا ہے۔ وہ جہالت میں مبتلا ہو کر سعادت اخروی پر غور کرنے کی استعداد بھی کھو بیٹھتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔[3] یہ برہمنیت (Brahmanism) بھی انسانیت کے لئے بہت بڑی لعنت ہے اور سیدنا ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ انسانیت کو اس "انسانی اُلوہیّت" سے نجات دلائیں۔

سیدنا ابراہیمؑ نے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنا کر بتادیا کہ :

(۱) تمام انسان اپنے اندر خدا شناسی کا جوہر رکھتے ہیں۔ انبیاء اور ان کے شاگرد اسی کی بیداری کی کوشش کرتے رہے۔

(۲) چونکہ سب، انسانیت کے لحاظ سے برابر ہیں، اس لئے کوئی انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کا خدا نہیں بن سکتا چہ جائیکہ "شہنشاہ" بن کر بیٹھ جائے اور لوگوں کو غلام بنائے رکھے۔

(۳) خدا شناسی ہر ایک انسان کی انسانیت کا، فطری تقاضا ہے، اس لئے معرفت الٰہی کا علم اسے مفت ملنا چاہئے، جیسے ہوا اور پانی سب انسانوں کے لئے ہیں۔

(۴) اجتماع انسانی میں صرف خدا کا قانون چل سکتا ہے، کسی حاکم کا (خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ) قانون نہیں چل سکتا۔ انسانیت کا شرف اس میں ہے کہ انسان صرف خدا کے قانون کے آگے جھکے۔ یہ انسانیت کی آزادی کا

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر جلد اول ص ۱۰۵

[2] قرآن حکیم سیدنا ابراہیمؑ کا قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ایک موقعہ پر فرمایا: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَ بَدَا بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَ الۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗۤ اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔ ہم تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے پروگرام کے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دائمی عداوت اور بیر ظاہر ہو گیا ہے۔ جو اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ (ممتحنہ 4)

[3] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغۃ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر (جلد اول ص 106)۔

اعلان تھا۔ یہ وہ توحید ہے جس کے سید نا ابراہیمؑ داعی تھے اور توحید کا یہی تخیّل ان کی تحریک حنیفیت کا (اور بعد میں اسلام کا جو دعوت حنیفیت ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے) سنگ بنیاد تھا۔

(۵) انسانیت میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہر ایک انسان کا حق ہے۔ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے یا اپنے جیسے خود غرض لوگوں کا اجتماع پیدا کر کے ان کی طاقت کے بل بوتے پر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے لئے مخصوص کر کے کمزور انسانوں کو ان سے محروم کر دے۔

غرض اس عظیم فکر کے ذریعے سے سید نا ابراہیمؑ نے ایک طرف تو انسانی ربوبیت (شہنشاہیّت اور مطلق العنان پادشاہی) کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف خدا شناسی کے علم کو عام کر کے برہمنیت کا خاتمہ کر دیا اور تمام انسانوں کو خدا کی بندگی میں لا کر مساوات کی سٹیج پر لا کھڑا کیا، اس طرح انسان اور انسانیت کا پایہ بہت بلند کر دیا۔

تحریک حنیفیت کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جو لوگ اس تحریک کو قبول کریں گے، وہ کفر، ظلم، شرک، غلامی اور فکری غلامی کے خلاف ایک طاقت ور پارٹی بن جائیں گے اور معاشرے میں سے ظلم کی تمام شکلیں مٹانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ اس عظیم الشان انسانیت گیر تحریک کا انقلابی پہلو ہے، جسے سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں کام کرنے والی جماعت مہاجرین وانصار نے عمل میں لا کر دکھایا اور اب یہ اصول ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لئے بنیادی اصول بن گیا کہ جب معاشرے میں ظلم بڑھ جائے تو ایک حنیفی جماعت اسے انقلاب کے ذریعے دور کرے گی۔

تحریک حنیفی ابراہیمی کا یہ وہ اصول ہے جس کی مکمل تشریح اس "سورۃ العصر" میں کی گئی ہے۔

آپ نے اس فکر کی اشاعت کے لئے ایک طرف عرب کی وادی غیر ذی زرع (بے آب وگیاہ) میں "بیت اللہ الحرام" کا مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے بڑے بیٹے سید نا اسمٰعیل علیہ السلام کو بسایا اور دوسری طرف "کنعان" میں مرکز قائم کیا، جہاں اپنے دوسرے فرزند جلیل سید نا اسحٰقؑ کو بسایا۔

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے "کنعان" کی سرزمین سے اس فکر کی اشاعت شروع ہوئی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اس علم کو بلند کیا جن میں سید نا یوسف، سید نا موسیٰ اور سید نا عیسیٰ علیہم السلام جیسے "الوالعزم" داعی پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کو تورات جیسا بین الاقوامی قانون عطا ہوا، لیکن بد قسمتی سے وہ قبائلیت سے اوپر نہ اٹھ سکے اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہئے تھی نہ ہو سکی!

اسرائیلی شاخ سے حنیفی (ابراہیمی) فکر کی جس قدر خدمت ہو سکتی تھی وہ ہو چکی اور ان میں اس فکر کو آگے

بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تو حکمت الٰہی نے ابراہیمیؑ نسل کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل سے جو عرب میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل کر رہے تھے، یہ خدمت لینی چاہی اور ان کی رہنمائی کی خاطر انہی میں سے بہترین انسان کو منتخب کر کے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اس نبی معظم کا نام محمد (ﷺ) ہے اور اسے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے جو انقلابی لائحہ عمل دیا گیا وہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم وہ کتاب عظیم ہے، جس میں انسانی انقلاب کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔ اس میں انسانیت کے خواص بتائے گئے ہیں اور وہ اقدار معین کی گئی ہیں، جنہیں قائم کرنے ہی سے معاشرہ، انسانی اصولوں پر ترقی کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ اصول انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں، اس لئے غیر متبدل ہیں، یعنی جب تک انسان بحیثیت انسان زندہ ہے، قرآنی اصول حیات اس کے معاشرے کی سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی ترقی و تربیت کا مکمل کورس ثابت ہوتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی اور یہی سبب ہے کہ قرآنی اقدار کو رجعت پسند افراد و اجتماعات کے چنگل سے بچانے کے لئے انقلاب کا نسخہ تجویز کیا گیا۔ یہ وہ نسخہ ہے جسے ہر زمانے میں ہر ایک جماعت، جو ان اقدار کو معاشرے میں قائم کرنا چاہے استعمال میں لاسکتی ہے۔ اب جب کبھی معاشرے میں ارتجاع (Reaction) پیدا ہوگا، انقلابی قوتیں ابھرتی رہیں گی اور ارتجاع کا خاتمہ کرتی رہیں گی۔ اس لئے بھی اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

اس انقلابی پروگرام کو چلانے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت مضبوط، جاں نثار جماعت (پارٹی) پیدا کی، جس کی نظر، بین الاقوامی (Internationalist) بلکہ انسانیت گیر تھی۔ اس بین الاقوامی پارٹی یا حزب اللہ کی تنظیم نہایت مستحکم طبعی اصولوں پر کی گئی، جو رہتی دنیا تک انقلاب کی تکمیل میں مدد دیتی رہیگی۔ اس طرح پارٹی بنا کر کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پروگرام کو چلانے والی حکومت پیدا ہوگئی جس نے انسانیت عامہ کی ترقی میں اقتصادی اور روحانی پہلوؤں کو برابر اپنے سامنے رکھا۔

یہ پارٹی کس طرح بنائی گئی؟ اس کے اساسی قواعد قرآن حکیم کی اس مختصر سورۃ العصر میں منضبط کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944-1872) نے اس سورت کی تفسیر میں یہی اصول واضح کئے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انہیں نہایت غور سے مطالعہ کر کے قرآنی انقلاب کی تکنیک کو سمجھنے میں ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ واللہ المستعان۔

بشیر احمد بی۔اے

تفسیر سورۃ العصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(۱۰۳: ۱۔۳)

(زمانہ کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان کے جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے کام کئے اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر واستقامت کی تقلین کرتے رہے۔)

تمہید

مختلف قوموں میں نبیوں کے ذریعے سے جو شریعتیں آئیں، ان میں بعض اصول ایسے ہیں جو سب الہامی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا علوم متعارفہ (Postulates) ہیں۔ ان کے مجموعے کو دین کہتے ہیں۔

مثلاً یہ عقیدہ کہ خدا ایک ہے، موت کے بعد بھی زندگی ہے۔ انسانوں کو ان کے عملوں کی جزا (یا سزا) ملتی ہے، مختلف قسم کی شخصی نیکیاں (اصول ارتفاقات [1]) مثلاً طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، نفلی عبادات وغیرہ اور مختلف معاشرتی اصول و معاشرتی ارتفاقات [2] مثلاً نکاح، اجتماعی عدل قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرنا، غلط کاروں کو سزا دینا، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا، یہ سب دین کے اصول کہلاتے ہیں۔

ان عقیدوں، شخصی نیکیوں، معاشرتی اور ثقافتی اصولوں نے ہر زمانے میں قوموں کے مزاج اور جغرافیائی اور تاریخی حالات کے مطابق مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان خاص شکلوں کا مجموعہ جو دین کے اصول ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے ہیں، اس زمانے کی شریعت کہلاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص 87-86)

---

[1] اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے طریقے
[2] زندگی کی مشکلوں کو آسان کرنے کے طریقے

قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں، جہاں ان اصولوں کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اشارہ کر دینا، یا ان کے لئے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انہی معنوں میں لیا جائے گا، جو چھوٹی سورتوں میں معیّن کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے: "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ" (جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کئے) اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

"الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اور "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے، جو اس سورت میں معیّن کئے گئے ہیں۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اسلوب بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے، وہ اس کتاب عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور وہ ہر ایک سورت میں اصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں، جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لئے موزون ہوتے ہیں۔ یہ انکی بڑی بھول ہے۔

اب ہم اس سورت پر نظر ڈالتے ہیں۔

وَالْعَصْرِ: قسم ہے زمانے کی۔

اس میں واوٗ قسمیہ ہے۔

قسم کی حقیقت:

شریعت اسلامیہ کا یہ قطعی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ "مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ (حدیث) (جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا) اس حدیث میں شرک سے مراد خواہ اس کا ادنیٰ درجہ ہی لیا جائے، بہر کیف وہ شرک ہی کی مد میں آتا ہے، لیکن تعجّب ہے کہ خود قرآن حکیم میں بہت جگہ غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک یہ مقام 'والعصر' بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی امر کے متعلق دو فریقوں میں جھگڑا ہو جائے، تو ہر ایک فریق سے دلیل یا شہادت طلب کی جاتی ہے۔ دلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اس طرح سے کھول کر بیان کر دینا کہ سننے

والا اسے اچھی طرح سے سمجھ جائے۔ جو شخص اس طرح سمجھنے کا عادی ہو، اسے دلیل ہی دی جانی چاہئے اور اس کے سامنے مفصّل طور پر بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ شہادۃ بھی دلیل ہی کی ذیل میں آتی ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بات کھول کر بیان کی جائے تو اس کا ذہن الجھاؤ میں پڑ جاتا ہے۔ جب وہی بات مختصر طور پر مثال کے ذریعے سے سمجھا دی جائے تو اسے آسانی سے سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا ہے، مثال کے لئے کبھی کلمۂ قسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا طرز بیان اِسی کلمۂ قسم کا ہے وہ کبھی تو دلیل بیان کر دیتا ہے، کبھی مثال سے کام لیتا ہے اور کبھی مثال کے لئے کلمۂ قسم ہی استعمال کر کے ایک حقیقت مخاطب کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔

اسلامی قانون یہ ہے کہ جو فریق دلیل نہ لا سکے وہ قسم کھاتا ہے۔ اس موقع پر قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قسم کھانے والا اپنے سچے ہونے پر اللہ تعالیٰ کو، جو عالم الغیب ہے، بطور گواہ پیش کرتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ اس قسم کی شہادت ایک دیندار مسلمان سے یقیناً قبول کر لی جاتی ہے لیکن اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی معنوں میں علم غیب حاصل ہے اور اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا دے۔ ان معنوں میں بے شک یہ درست ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھاتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جس کی میں قسم کھا رہا ہوں، وہ ہر قسم کا ذاتی علم غیب بھی رکھتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ تمثیل کے لئے ہیں اور جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بطور گواہ یا مثال پیش کی گئی ہیں۔

چنانچہ اس سورت میں "عصر" (زمانے) کو اسی غرض کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

عصر کے معنی ہیں وقت، جس کے ساتھ "گزرنے کا" تصور بھی ہو، یعنی گزرنے والا زمانہ [1]

زمانے کے گزرنے سے معاشرے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ضروری نہیں ہے وہ صالح اور صحیح ہی ہوں۔ بعض غلط کار لوگوں کے اثر سے بڑی تبدیلی (Absolute time) بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی یہ غلطیاں اور غلط کاریاں ملاءِ اعلیٰ کی سکرین (Screen) پر غلط رنگ کا اظہار کرتی رہتی ہیں اور ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے اس رنگ

[1] جب زمانے کے ساتھ گزرنے کا تصور نہ ہو، اور مطلق زمانہ مراد ہو تو اسے دہر کہتے ہیں۔

کے بدلے جانے کے لئے ذات باری سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں انقلاب آئے۔۔۔ اور اس "چاہنے" کے خاص قاعدے اور اصول ہیں،۔۔۔ اس وقت معاشرے میں انقلابی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس شان ربوبیت کے متعلق حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ :

(انسان کی تخلیق کے بعد نوع انسان کی تربیت کا دور شروع ہوا)، اس مرتبے میں ربوبیت الٰہی دو شعبوں میں تقسیم ہوگئی۔

(۱) ربوبیت کے وہ احکام، جن پر زمانے کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں پڑتا، مثلاً احوال و افعال واخلاق جیسے نطق انسانی، اس کی ہنسنے کی عادت، اس کی جرأت اور کیاست اور معاشرہ انسانی کے لئے ضروری ارتفاقات اور بِرّ واِثم کے اصول جو انسانوں کو اسی طرح طبیعی الہام کے ذریعے سے ملتے ہیں، جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو۔

(۲) ربوبیت کے وہ احکام، جو زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان صورت نوعیہ انسانیہ کے ساتھ تَشَبُّہ قائم رکھے، جو ان ادوار و اعصار کے ساتھ مقرون ہے اور بِرّ واِثم کے اصول کو زمانے کے لئے مناسب صورتوں میں پیش کرے۔

مطلب یہ ہے کہ انسانیت کے دو حصے ہیں۔ ا۔ بنیادی انسانیت، جس میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ ۲۔ انسانیت کے وہ پہلو جو ہر دور اور زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلی اگر اچھی ہے توفبِھَا، ورنہ اسے تبدیل کرکے حقیقی انسانی پہلو کی طرف لانا ہوگا۔ روح عصر (Zeitgeist) یعنی ملاءِ اعلیٰ کے فیصلے انسانی معاشرے میں ان انسانوں کے ذریعے سے پھیلتے رہتے ہیں، جو حساس ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں اور جب معاشرتی تبدیلیوں کے خراب پہلو غالب آجاتے ہیں، تو ایک بڑا انقلاب آکر معاشرے کی حالت تبدیل کردیتا ہے۔ جو لوگ معاشرے کے اندر غلط تبدیلیوں کا سدباب کرنے کی جدوجہد نہ کریں، وہ بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور جو غلط تبدیلیاں کرکے اپنے مفادات کو ترقی دیتے ہیں وہ بھی آخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

زمانے میں یہ تبدیلیاں ہمیشہ آتی رہی ہیں اور ہمیشہ آتی رہیں گی۔ ہمارے خیال میں 'عصر' کے اس تصور کا ایک پہلو تاریخ بھی ہے جو گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کے مجموعے کا نام ہے گویا اس آیت میں تاریخ ہی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

تاریخ کی شہادت پیش کرنا، اعلیٰ درجے کا علمی استدلال ہے۔ البتہ جو لوگ تاریخ کی اہمیت نہیں سمجھتے، وہ اس استدلال کی اہمیت کو بھی پوری طرح سے سمجھ نہیں سکتے۔ خود قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے حالات سے بھرا پڑا ہے اور

وہ بار بار کہتا ہے :

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۱﴾ (۱۱:۶)

(یعنی مختلف ممالک میں چل پھر کر دیکھو! کہ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑا، ان کا انجام کیا ہوا؟)۔

وَالۡعَصۡرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ﴿۲﴾

(انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے)۔

روح عصر (Spirit of the Age) کے، ان اثرات کے ظہور کے وقت انسان کی حکمت عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عملی جدوجہد شروع کردیتے ہیں، ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ارتجاع میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے لئے نہیں اٹھتے۔

زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے۔ زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

انقلاب کے عملی اُصول :

قرآن کہتا ہے کہ جب سے انسانی تاریخ لکھی گئی ہے اس پر نظر ڈالو! تم دیکھو گے کہ وہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماع میں چار باتیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے پیدا نہیں ہو گئیں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ ان کے بغیر آئندہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔

وہ چار باتیں یہ ہیں :

۱۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (جنہوں نے ایمان اختیار کیا)۔

"نظریہ" اور "ایمان"

اس آیت میں 'ایمان' سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنی بھی وہی لئے جانے چاہئیں۔ جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں کہ "جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی نیّت یا ارادہ کرتے ہو۔

اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کرلے کہ میں اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا تو یہ جامع نیت ایمان ہے۔"

جن لوگوں نے قرآن حکیم کو مانا یا اس سے پہلے جنہوں نے تورات یا انجیل کو تسلیم کیا انہوں نے ان کتب الٰہیہ میں معیّن اصول پانے اور ان اصولوں کو مان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی اور انہیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لئے اپنا جان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی اور انہیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لئے اپنی جان و مال تک قربان کرنے کا ارادہ کرلیا، اسے ان کا "ایمان" کہا جائے گا۔ لیکن جن انسانی گروہوں میں ایسی الہامی کتابیں موجود نہیں ان کے اندر حکمائے الٰہی کی کوششوں سے جو صحیح علم آیا جس نے انہیں خداپرستی کی راہ پر لگایا اور انہوں نے اسے تسلیم کرکے اس کے مطابق کام کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کی خاطر اپنی جان و مال قربان کرنے کا تہیہ کرلیا تو یہ ان کا ایمان ہوگا۔ اسلام نے ایمان کا جو مختصر اور جامع فارمولا پیش کیا ہے وہ ایمان مجمل میں یہ ہے :

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔

(یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا بھی وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور میں نے زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق سے اس کے تمام کے تمام احکام قبول کرلئے۔)

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں صحیح علم کو اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ کبھی کامیاب ہوسکتی ہے۔

فلسفہ ولی اللّٰہی کی بنیاد :

امام ولی اللہ دہلویؒ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ تمام الہامی شریعتوں کا موضوع انسانیت عامہ ہی رہا ہے۔ یعنی یہ تمام شریعتیں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی تھیں اور اسی کے تزکیے اور ترقی کے لئے آئی تھیں۔ مختلف شریعتوں میں جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے، یہ ان قوموں کے لحاظ سے ہے جن میں وہ آئیں، ورنہ حقیقت میں ان سب شریعتوں کی تہ میں انسانی فطرت ہی کی ترجمانی کی گئی ہے اور سب میں مشترک امر یہی انسانیت عامہ ہے۔

اس لحاظ سے ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے، اسے یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے صحیح عقائد یعنی ترقی بخش نظام معنوی کا مالک نہ ہو، جن کی بنیاد انسانی فطرت پر ہو اور وہ ان عقیدوں کو عمل میں لانے کے لئے اپنا نصب العین اس طرح سے نہ بنالے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو آمادہ ہوجائے، اس وقت تک وہ کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔

چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْاٰرَآئِ الْكُلِّيَةِ فِىْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِه وَاخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّه فَرُبَمَا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِلاَّ بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتَلَاتٍ، فَيُعَدّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ۔ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول ص ۵۰)

"یعنی جو لوگ اجتماعی رنگ میں سوچتے ہیں، ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے چلانے میں اور باطل کو مٹانے اور اسے روکنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کریں، لیکن یہ اکثر ممکن نہیں ہوتا جب تک حق کی حقانیت اور باطل کی غلطی دلائل و براہین کے ذریعے ثابت نہ کر دی جائے، یا باطل کے مٹانے اور حق کے قائم کرنے کے لئے جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے قتال نہ کیا جائے، اس وقت ان میں سے ہر ایک بات بہترین نیکی شمار ہوتی ہے"۔

غرض کامیابی کے لئے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے، جسے ایمان کا درجہ دیا جاسکے۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں، جنہیں خیر القرون (نمونہ کا دور) میں عمل میں لا کر دکھایا جاچکا ہے اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے۔

تاریخ کی شہادت :

کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ "ایمان" اختیار کئے بغیر کامیابی حاصل کی ہو؟

۲۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور صالح اعمال کئے)

عمل صالح کیا ہے؟ بدن انسانی کی ہر وہ حرکت و سکون جو انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس کی تعمیل و تکمیل کے لئے ہو، عمل صالح ہے۔

عمل کی صالحیّت کا مدار :

اصل میں کسی عمل کا اچھا یا برا ہونا، اس کی ظاہری شکل کے اعتبار سے اتنا نہیں ہوتا، جتنا اس کی روح کے لحاظ سے اور کرنے والے کی اس نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اسے عمل پر اکساتی ہے۔ مثلاً دنیا کی تمام قوموں میں یہ مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت اچھا فعل (عمل صالح) ہے۔ گو ہر ایک قوم میں عبادت کی صورت الگ الگ رہی ہو۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا قرب حاصل کرنا انسان کے لئے

ضروری ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کا جذبہ ہی عبادت یا صلوٰۃ کی اصل روح ہے، اب اگر یہی عبادت صرف دکھاوے کے طور پر کی جائے تو سب سے برا عمل تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی پر زور مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (۱۰۷: ۴-۶)

(افسوس ہے، ان نمازیوں پر! جو اپنی نماز سے بے خبر صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔)

ایسے ہی کسی انسان کو مار ڈالنا بظاہر کتنی بری بات معلوم ہوتی ہے! سب قوموں کے عقل مند لوگ اسے برا کہتے ہیں اور کہتے آئے ہیں، لیکن جب حق کی حمایت میں مرنے اور مارنے کی نوبت آجائے یا کمزور انسانوں کو ظلم سے بچانے کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی شخص بھی ظالموں کو قتل کرنے سے انکار نہیں کرتا، بلکہ اس وقت انسانی قتل کو بہت قابل تعریف فعل سمجھا جاتا ہے۔

پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو، اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے وہ عمل صالح ہے۔

"ایمان" اور عمل صالح کا تعلق:

اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی۔ جب تک جڑ زندہ ہے، درخت زندہ ہے۔ جب جڑ مر جاتی ہے درخت خود بخود مرجھا کر گر جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرہ میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:

۱۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۲)

(کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ "ہم ایمان لے آئے" اور ان کی جانچ نہ ہوگی؟)

۲۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (ال عمران: ۱۴۲)

(یا تمہیں خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک معلوم نہیں کیا جو تم میں لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا جو ثابت قدم ہیں)۔

۳۔ سورہ توبہ میں منافقین سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (۹: ۱۰۵)

(اور کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے۔)

۴۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت ان کے اعمال کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ ان کے صرف اقوال کی وجہ سے :
وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٧﴾ (۶ : ۱۲۷)
۵۔ اور اصلی مومنوں کے اعمال یہ بتائے گئے ہیں۔
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (۸ : ۷۴)
(اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔)
۶۔ اجتماعی طور پر اقوام کا امتحان بھی عمل کے مطابق ہوتا ہے محض عقیدوں کی بناء پر نہیں :
وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ (۱۰: ۱۳۔۱۴)
(اور ہم یقیناً تم سے پہلی جماعتوں کو جب انہوں نے ظلم کیا، ہلاک کر چکے ہیں۔ حالانکہ انکے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے، لیکن وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ ہم مجرموں کی قوم کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں، پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت دی۔[1] تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح سے عمل کرتے ہو)۔
آخر میں قرآن حکیم نے یہ قطعی اور حتمی قانون فطرت بیان کر دیا ہے :
لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ (۴: ۱۲۳۔۱۲۴)
(مدار نہ تمہاری امیدوں پر ہے نہ اہل کتاب کی امیدوں پر، جو کوئی برا کام کرے گا سزا پائے گا۔ اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا۔ اور جو کوئی اچھے کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا حق تِل بھر بھی ضائع نہ ہو گا)۔
خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ (۵۳ : ۲۴)
(کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کر لینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟) نہیں بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ : لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۳:۳۹) (انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے، جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے)۔
غرض ایمان، عمل کی بنیاد ہے اور عمل ایمان کا نتیجہ، ایمان ایسا ہونا چاہئے جو عمل پر اکسائے اور عمل وہ ہو جو ایمان کے مطابق ہو۔

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں خلافت سے مراد بین الاقوامی حکومت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ج)

تاریخ کی شہادت :

اب تاریخ پر نظر ڈالو، کیا اس میں ایک بھی شہادت یا مثال ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی اجتماع میں لوگوں نے اچھے عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان تو بنالیا، لیکن انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے ایمان کے مطابق نہ ڈھالی پھر بھی وہ اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگئے؟ تاریخ کے سارے ورق الٹ جاؤ، اس کی ایک مثال بھی نہ پاؤ گے۔ البتہ تاریخ انسانی سے جو حقیقت بلا تردید ثابت ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے مطابق کام کیا اور اسے اجتماع میں غالب کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ پس ایمان کے مطابق کام کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہی اصل میں عمل صالح ہے۔ اور ہمیشہ کامیابی اسی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی سے حاصل ہوگی۔

الحق کیا ہے؟

۳۔ وَتَوَاصَوۡابِالۡحَقِّ (وہ آپس میں حق کی تلقین کرتے ہیں۔)

بنیادی طور پر حق میں پختگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں، جب تک کوئی بات صرف علم کے درجے تک ہے ضروری نہیں کہ وہ عمل پر اکسائے، لیکن جب کسی بات کا علم یقین کے اس درجے تک پہنچ جائے کہ وہ عمل صالح پر بھی اکسائے تو وہ حق بن جاتا ہے۔[1] اسی طرح جب ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد بن جائے اور وہ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہ کرے بلکہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر یہ ایمان کسی طرح میرے دماغ میں سے نکال لیا گیا تو میں مر جاؤں گا؟ اس وقت وہ ایمان، حق کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے ایمان میں امن اور اس کے مطابق عمل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں راحت پاتا ہے۔

پارٹی کی ضرورت

اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنالے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو، تو وہ اجتماع میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو اور پھر وہ سب مل کر اپنے مشترک ایمان کی تکمیل کے لئے پوری پوری اور انتہائی جد و جہد کریں اور اگر اپنے میں سے کسی کے ایمان یا عمل میں کمزوری

[1] کیونکہ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑ جاتی ہے وہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کریں۔ [1]

پروپیگنڈے کی ضرورت :

حقیقت یہ ہے کہ حق کی اشاعت کرنا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ اجتماع میں پھیلتا ہے اس سے پارٹی پیدا ہوتی ہے اور ترقی کرتی ہے جب تک حق کی حمایت میں قربانی دینے والی جماعت (پارٹی) پیدا نہ ہو جائے اجتماع میں حق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تاریخ ایسی مثالیں تو پیش کرتی ہے کہ ایک اولوالعزم نبی جانفروش افراد کی جماعت ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا لیکن وہ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ایک صالح عمل، صاحب ایمان فرد، تن تنہا، جماعت کے بغیر حق کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ [2] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں :

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرِ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوَا قَوْماً اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَانَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِه فَیُجَاهِدُبِهِمْ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقَهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ، اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۳: ۱۱۰) وَذٰلِكَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَایَتَاتّٰی مِنْهُ مُجَاهَدَةُ اُمَمٍ غَیْرِ مَحْصُوْرَةٍ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۱۸)

"یعنی اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے، ان اصولوں کے علاوہ جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، اور اصولوں کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے، انہیں (ان کی غلط کاریوں سے) پاک کرے، پھر ان کی حالت کو درست کرے اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنائے، اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے اور انہیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لئے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت : "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ، اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (۳:۱۱۰) (تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام، تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا۔"

---

[1] یہ عمل تواصی بالحق ہے اس عمل میں کبھی کسی بات کے کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کے کرنے سے روکا جائے گا اس لحاظ سے قرآن حکیم میں اسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

[2] یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ" (۴۸:۲۹) (محمد ﷺ اور ان کے ساتھی) آیا ہے۔ (یعنی آپ کی کامیابی کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے)۔ بلکہ ایک جگہ تو صریح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے کہ "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ" (سورہ کہف ۱۸ : ۲۸) (یعنی تو صرف ان لوگوں کے ساتھ وابستگی رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے رہتے ہیں۔ وہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں اور تیری آنکھیں انہیں چھوڑ کر نہ دوڑیں۔) آنحضرت اکی پوری زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

تاریخ کی شہادت :

اب پھر انسانی تاریخ پر نظر ڈالو اور دیکھو کیا ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ ایک شخص ایمان اور عمل صالح کے باوجود اپنے ساتھ اپنے جیسے ہم خیال لوگوں کو جمع کئے بغیر اکیلا اور تن تنہا اجتماع میں اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا؟ تاریخ اس کی ایک مثال بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔

"صبر" کیا ہے؟ :

۴۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (وہ آپس میں صبر کی تلقین کرتے ہیں۔)

جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں، وہ انہیں جھیلتا ہے، ان کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے۔ یہ صبر ہے۔

کفر کیا ہے؟ :

اگر رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس میں کوئی وجہ نہیں کہ انسان آگے قدم نہ بڑھائے اور ٹائم مارک (Mark Time) کرتا رہے، لیکن مشکلات سے گھبرا کر شکست مان لینا اور اصول سے پیچھے ہٹ جانا ہرگز جائز نہیں۔ ایماندار آدمی کا صرف ایک کام ہے۔ فرض ادا کرتا ہوا جان دے دے، یا ٹائم مارک (Mark Time) کرے اور جب آگے بڑھنے کا موقع پیدا ہو، فوراً قدم آگے بڑھائے۔ اصول سے پیچھے ہٹ جانا اور اپنے ایمان کا انکار کر دینا کفر ہے۔ جو شخص کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹ جانے کو جائز سمجھ لیتا ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایمان والوں کے اجتماع کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنے جس ساتھی کو پھسلتا یا کمزور ہوتا پائیں، اسے سہارا دے کر گرنے سے روکیں۔ صرف اسی صورت میں اجتماع کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہئے کہ کسی اجتماع میں جو ایمان کسی نظریے پر قائم ہوا ہو، اس میں دو وجہ سے کمزوری آسکتی ہے :

(الف) اس میں ضرورت کے مطابق مالی اشتراک نہ ہو اور دولت سارے اجتماع میں چکر لگانے کی بجائے ایک چھوٹے سے طبقے میں بند ہو کر رہ جائے۔ اس حالت میں ایک بہت بڑا طبقہ نادار رہ جاتا ہے۔ اب اگر مالدار لوگ خود داد عیش دیتے رہیں اور اپنے نادار ساتھیوں کو ایمان پر قائم رہنے اور قربانیاں دینے کی تلقین

کرتے رہیں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ بد دلی بڑھتی ہے، جس سے دشمن کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اجتماع کی اندرونی پختگی اور مضبوطی کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ سارے اجتماع کی طبعی بنیادی ضرورتیں، یعنی خوراک، لباس، مکان، تعلیم، صحت وغیرہ پوری ہوتی رہیں، اگر ایسا نہ ہوا تو نادار افراد اپنی ان ضرورتوں کے پورا کرنے میں اتنے پھنس جاتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل سے قاصر رہ جاتے ہیں اور ہوتے ہوتے وہ اس تحریک سے بالکل ہی کٹ جاتے ہیں اس طرح سے تحریک مر جاتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ، ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کی بربادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ان ملکوں کے مالدار طبقے اپنی عیش سامانیوں کے لئے کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتے رہتے تھے :

جَعَلُوْا هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَمِيْرِ وَالْبَقَرِ يُسْتَعْمَلُ فِى النَّضْحِ وَالدِّيَاسِ وَالْحاجَاتِ۔ وَلَا تُقْتَنٰى اِلَّا لِيُسْتَعَانَ بِهَا فِى الْحَاجَاتِ ثُمَّ لَا تُتْرَكُ سَاعَةً مِنَ الْعَنَاءِ حَتّٰى صَارُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ رَؤُسَهُمْ اِلَى السَّعَادَةِ الْاُخْرَوِيَّةِ اَصْلًا وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ذٰلِكَ

(حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۰۵، ۱۰۶)

(انہیں گدھے اور بیل بنا چھوڑتے تھے، جنہیں آبپاشی کرنے، فصل کاٹنے اور گاہنے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے میں استعمال کے لئے زندہ رکھتے تھے، انہیں محنت مشقت سے ایک دم کی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ آخرت کی سعادت پر غور کر سکتے۔ رفتہ رفتہ ان میں ان امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی تھی۔)

(ب) اس میں علمی اشتراک نہ ہو، یعنی جس عقیدے یا صحیح علم کو ایمان بنایا گیا ہے اس کے متعلق اجتماع کے ہر ایک رکن کو کم سے کم ضروری معلومات پوری طرح سے حاصل نہ ہوں، بلکہ چوٹی کے چند لیڈر ہی تحریک کا علم رکھیں اور وہی پالیسی بنائیں اور عوام اس علم سے محروم ہوں اور پارٹی کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ ہو۔ یہ برہمن ازم (Brahmanism) ہے۔ اس صورت میں دشمن کا پروپیگنڈہ سخت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ پہلے تو جاہل لوگوں کے دلوں میں ایمان کے متعلق وسوسہ پیدا کرتا ہے، پھر وسوسہ بڑھتے بڑھتے شک میں بدل جاتا ہے اور پھر ہوتے ہوتے شک انکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کبھی دشمن وھن (کمزور) یقین لوگوں کو اندرونی انتشار پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے، لیکن اگر ہر شخص کو ضروری علم حاصل ہو تو کوئی بھی وسوسے میں مبتلا نہیں ہوتا اور تحریک، دشمن کے فکری حملے سے محفوظ رہتی ہے۔

غرض مشکل حالات میں افراد کو ایمان پر قائم اور عمل پر آمادہ رکھنے کی عملی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں

ہو سکتی کہ اجتماع میں افراد کی ضرورت کے مطابق مالی اشتراک ہو اور ضروری علم عام ہو، کوئی شخص نہ بھوکا ننگا رہے اور نہ جاہل اور بے خبر۔

مساوات :

جب اجتماع میں بقدر ضرورت مالی اور عملی اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، تو اس میں ہر فرد کی بدنی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، کمزوروں کی خبر گیری اور ظالموں کی سرکوبی کا نظام مضبوط ہوتا ہے، اس وقت اس اجتماع میں لیڈر شپ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو عوام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے اور عدل و انصاف قائم رکھنے میں سب سے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں۔

تاریخ کی شہادت :

اب تاریخ انسانی پر ایک نظر ڈالو! کیا اس کے اوراق اپنے اندر اس کی ایک مثال بھی رکھتے ہیں کہ کسی بلند نظریئے پر پارٹی بن جانے اور باوجود اس کے کہ افراد میں ایمان اور عمل صالح بھی موجود ہوں، وہ پارٹی استقامت کے ساتھ کام کرنے اور اندرونی مالی اور عملی اشتراک کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہو؟

انقلابی جماعت اور منافقین :

"لیکن وہ نصب العین یا مقصد جسے ایمان بنالیا گیا ہے، بالکل صاف، واضح اور معین ہونا چاہیئے، کیونکہ اسی صورت میں افراد پارٹی میں شامل ہو کر متحدہ طور پر کام کر سکتے ہیں۔ اگر نصب العین معین نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے مطلب کی معنی لے گا اور وہ نصب العین ہی جماعت (پارٹی) کے انتشار فکر کا باعث بن جائے گا۔ تاریخ اس امر کی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ نصب العین واضح نہ ہونے کے سبب سے پارٹی ہمیشہ اختلافات کی آماجگاہ بنی رہی اور وہ اپنے نصب العین کو عمل میں نہ لا سکی۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثال خوارج کی ہے جن میں نصب العین کی ترجمانی کے اختلافات پیدا ہوتے رہے اور یہ جماعت اپنی مستقل حکومت پیدا نہ کر سکی۔

کوئی نصب العین جتنا واضح اور معین ہو گا، اتنا ہی اس پر ایمان لانے والے اس کی خاطر جان دینے پر زیادہ آمادہ ہو سکیں گے اور جتنا غیر معین اور مبہم ہو گا اتنا ہی فرار کی راہیں کھلیں گی اور لوگوں کو جان و مال بچانے کا موقع ملے گا۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک میں جان و مال بچانے کا موقع مل جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین تو معین ہے، لیکن بعض وہ ارکان، جو اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں، یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ وہ مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ انقلاب کی مرکزی جماعت (سینٹرل کمیٹی) کا فرض ہوتا ہے کہ انقلابی پروگرام کی ترجمانی میں ایسے لوگوں کو داخل نہ کرے، اگر کوئی داخل ہو چکا ہو تو اسے جس طرح بھی ممکن ہو غیر مؤثر بنادے۔

بعض اوقات کم علم یا جاہل ارکان بھی نصب العین کے مبہم بنانے میں حصہ لیتے ہیں، ان کی تعلیم کا پورا پورا بندوبست ہونا چاہئے، تاکہ یہ لوگ نصب العین کے متعلق صحیح علم حاصل کریں اور لاعلمی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نہ پھریں۔

ان دونوں صورتوں میں یعنی منافقوں اور جاہلوں کی موجودگی میں ساری جماعت کی علمی قوتیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے ان دونوں کا انسداد ضروری ہے۔

سورت کا خلاصہ :

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ گواہ ہے کہ انسان اجتماعی تحریک میں چار اصول اختیار کر کے ہی کامیاب ہو سکتا ہے :

(۱) ایسے عقیدے یا علم کو جس سے سارے اجتماع انسانی کو فائدہ پہنچتا ہو، اپنا نظریہ جان کر کام کرنا۔

(۲) اس نظریے کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا۔

(۳) اس نظریے پر ایک مضبوط جماعت پیدا کرنا۔

(۴) اس جماعت یا پارٹی کا انتشار پیدا کرنے والے بیرونی اور اندرونی حملوں سے محفوظ ہونا۔

(الف) بقدر ضرورت مالی اشتراک کے ذریعے سے، اور

(ب) علمی اشتراک کے ذریعے سے۔

ان میں سے پہلی دو باتوں کا تعلق اجتماع کے ہر ایک فرد کی ذات سے ہے۔ جب تک کسی فرد میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں، یعنی وہ ایک مشترک نظریے کو قبول کر کے اسے ایمان نہ بنالے، اپنی جان و مال اس پر قربان کرنے کے لئے وقف نہ کردے اور اپنی پوری زندگی اس نظریے کے مطابق بسر کرنے کا پختہ ارادہ نہ کرلے، اس وقت تک وہ پارٹی میں جگہ نہیں پاسکتا۔

باقی دو باتیں اجتماع کے متعلق ہیں۔ یعنی پارٹی میں اندرونی اشاعت ہو، تاکہ ہر رکن اس نظریے کو جسے سب

نے ایمان بنالیا ہے، اچھی طرح سمجھے اور اس پر قائم رہے۔ اور بیرونی پروپیگنڈا ہو، جس سے پارٹی کے ارکان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔ نیز اس جماعت میں بقدر ضرورت مالی اور علمی اشتراک ہو، تاکہ تمام افراد اطمینان قلب اور روشن دماغی کے ساتھ کام کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو مالی اور علمی مدد دیتے رہیں۔ جس اجتماع میں یہ باتیں نہ ہوں وہ توڑ دینے کے لائق ہے۔

انقلاب :

یہ چھوٹی سی سورت قرآن حکیم کی انقلابیت کو پوری طرح سے واضح کرتی ہے، اس میں انقلاب کے وہ اصول بیان کئے گئے ہیں، جن کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے عمل کر کے قرآن حکیم کی حکومت قائم کر دکھائی۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی پیروی کرنے کا تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ریاضی کے چار ابتدائی قاعدے (یعنی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم) ہیں۔ نہ ریاضی کے ان قاعدوں کے استعمال سے کسی غلط نتیجے کے نکلنے کی توقع ہو سکتی ہے، نہ انقلاب کے ان اصولوں کے استعمال سے کسی خلاف توقع نتیجہ نکلنے کا اندیشہ۔ ایسے ہی ریاضی کے ہر ایک قاعدے کے استعمال سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں، وہ اسی قاعدے کے استعمال سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کسی اور قاعدے کے استعمال سے نہیں۔ ایسے ہی انقلاب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے، وہ کسی اور طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔

حقیقت میں انقلاب ایک طریق کار (Methodology) ہے، جس کے تین حصے ہیں :

۱۔ نصب العین (Ideal)

۲۔ جماعت (Party)

۳۔ لائحہ عمل (Programme)

اس لحاظ سے اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو۔۔۔ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں نصب العین معین کرنے کی ضرورت اور اس کے مطابق عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" میں جماعت کی ضرورت جتائی گئی ہے اور اس کے پیدا کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔

"وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" میں انقلاب کے عملی پروگرام یا لائحہ عمل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

نوع انسانی کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ، ان چار قاعدوں کو عمل میں لائے بغیر انسان کبھی حق کو قائم نہیں کر سکا اور تاریخ کا یہ مسلسل عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان چاروں اصولوں پر عمل کئے بغیر کوئی جماعت کبھی حق کو قائم کرنے میں

کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت یا زیادہ سے زیادہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک جو پچاس برس کا زمانہ ہے، وہ انقلاب کی یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہے۔ اس زمانے میں قرآنی نظام سیاست، معاشیات اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں کو غالب کرنے کا نصب العین معین شکل میں ان کے سامنے تھا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (۹: ۱۰۰) (مہاجرین اور انصار میں سے ابتدائی مسلمان، وہ مرکزی جماعت تھی جو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کی رہنمائی کرتی تھی)۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق فوجی لائحہ عمل مکمل کیا۔ پہلے، عرب پر قبضہ کر کے قومی انقلاب قائم کیا، پھر ایران اور روم کے علاقوں پر قبضہ کیا اور پھر رفتہ رفتہ مشرق اور مغرب کی طرف بڑھے اور نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ۲: ۱۱۵) (اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں)۔

آج بھی مسلم نوجوان انقلاب کے انہی اصولوں کو اختیار کر کے قومی اور بین الاقوامی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ان اصولوں کو اختیار کئے بغیر وہ قرآن حکیم کو کبھی بھی کامیابی کے ساتھ کامل طور پر قائم نہیں کر سکتا، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآنی اصول حیات کو قائم کئے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم کا بین الاقوامی اور عالمگیر غلبہ ہی وہ مطمح نظر ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پارٹی کے سامنے رکھا اور جس کی کامیابی کی خاطر انہوں نے جان توڑ کوشش کی۔ آج بھی ہمارے نوجوانوں کے سامنے یہی نظریہ، یہی نصب العین اور یہی مقصد حیات ہے۔ ان انقلابی اصولوں کے مطابق دین اسلام کا غلبہ قائم ہو سکتا ہے۔ غلبہ دین کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: دِیْنُ اللّٰه کا غلبہ ادیان پر قائم کرنے کا عمل حضرت رسول اکرم ﷺ نے شروع فرمایا "فَقَهَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِه وَسَلَّمَ الْاُ مِّيِّيْنَ حَتّٰى دَانُوا بِالْاِسْلاَمِ" (یعنی آنحضرت ﷺ نے عرب پر سیاسی غلبہ حاصل کیا، یہاں تک کہ اہل عرب اس دین کے قانون کے مطیع ہو گئے۔)

اس کے بعد بقول امام ولی اللہ دہلویؒ غلبہ اسلام کی دوسری منزل آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں نے طے کی اور اسلام کو ایرانی اور رومی سلطنتوں پر سیاسی غلبہ دیا۔ اب مسلمان نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی پہلے اپنے وطن عزیز میں قرآن کا غلبہ قائم کریں اور اس کے بعد اسے دنیا بھر کی سب سے بڑی سیاسی و معاشی طاقت بنائیں تاکہ وہ انسانی قدریں دنیا میں قائم ہو سکیں، جو وہ غالب کرنی چاہتا ہے۔ واللہ المستعان۔

سورۃ کوثر

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

تفسیر سورہ کوثر

اس چھوٹی سورہ میں انقلابی پارٹی کے تین شرائط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝

(ہم نے تمہیں کوثر یعنی قرآن حکیم دیا ہے۔)

جس کا علمی فیض روزِ قیامت نہر کوثر کی صورت میں امت کو نصیب ہوگا۔ جو آدمی اس دنیا میں جس قدر قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرے گا، اسی قدر اُسے دنیا و آخرت میں اس کا فیض حاصل ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب ہم نے تمہیں قرآن عطا کیا ہے پس تُو ذیل کے مطابق اس پر عمل درآمد کرو۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ

اپنے رب کیلئے نماز قائم کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے ایک ایسی جماعت قائم کرو، جس کے افکار اور ارادے بالکل متحد اور یکساں ہوں۔

نماز کے لازمی اجزا درج ذیل ہیں: قیام، رکوع اور سجدہ۔ دورانِ قیام صرف اور صرف بادشاہوں کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کا قانون یعنی قرآن کی تلاوت کرکے، اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیا جاتا ہے۔ امام تلاوت کرتا ہے اور اس کے پیچھے جماعتی گویا ایک فوج کی صورت میں صف آراء ہیں، وہ اس کی سماعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد امام مع جماعت کے رکوع کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں جو حکم ملا ہے، وہ ہم خوشی سے اپنی پیٹھ پر اٹھانے کیلئے تیار ہیں۔ گویا کہ اس کے ذریعہ قانون کا اقرار کیا جاتا ہے۔ سجدے کی حالت میں گویا کہ اس بات کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ ہمارا سر بھی اس قانون کو رائج کرنے کیلئے حاضر ہے۔

وَانْحَرْ ۝

یعنی قربانی کرو۔ نحر کی عربی لغت میں معنی ہے اونٹ کا ذبح کرنا۔

اس حکم کا مقصد ہے جماعت کیلئے اجتماعی کھانے پینے کا انتظام کرو۔ اجتماعی کھانے پینے کے انتظام سے مالی شرکت سے مساوی نظام کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے نماز کے ذریعے ایک ایسی پارٹی قائم کرو، جس کا کھانا پینا ایک جا ہو، یا مساوی بنیاد پر ہو۔ جب ایسی پارٹی قائم ہو جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

بیشک تمہارا دشمن شکست خوردہ رہے گا۔

غرض کہ اس قسم کے اجتماعی افکار کی حامل منظّم پارٹی کی مخالف پارٹی کبھی میدان میں ٹھہر نہیں سکے گی اور شکست کھا جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مقابل پارٹی جسے جنگ کا الٹیمیٹم دیا گیا تھا، اس کا ذکر سورہ کافروں میں ہے۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورہ منسوخ ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سورہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس میں مخالف پارٹی سے قطع تعلقات کرتے ہوئے اسے جنگ کا چیلنج دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ چھوٹی سی سورہ (سورہ کوثر) گویا مخالفین کو جنگ کا نوٹس دینے کی ہے۔ جس کا تفصیل سورہ مدثر اور سورہ توبہ میں ہے۔ جنگ کے بعد پارٹی کو جو سیاسی کامیابی یا فتح حاصل ہوئی اس کا بیان سورہ نصر (اذا جاء نصر اللہ) میں ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی شکست کا ذکر سورہ تبت یداء میں ہے۔

سورۃ اخلاص
ومعوذتین
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

تفسیر سورہ اخلاص و معوذتین

اسلام بین الاقوامی انقلاب کی عالمگیر تحریک ہے جس کے امام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس انقلاب کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے قریبی صحابہ (ساتھیوں) کی کوششوں سے جو جماعت پیدا ہوئی وہ پہلے عرب پر غالب آئی پھر وہ ایک محدود علاقے میں مرکز اقوام بنی۔ یہ اس کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال کی روداد ہے جن میں وہ نہایت اعلیٰ اصول قائم رکھ سکی۔

اس دور کی تاریخ اور فلسفہ، اسلام کے نام پر انقلاب لانے والوں کے لئے، رہتی دنیا تک نمونہ ہے۔ اس دور کی تاریخ امام ولی اللہ دہلویؒ سے بہتر کسی نے نہیں لکھی۔ اور نہ ان کے سوا کسی اور نے اس دور کا فلسفہ معین کیا ہے۔ عہد حاضر میں یورپ اور اس سے اثر لینے والی دنیا کو علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اسلام کی حقیقت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں سمجھائی جاسکتی اور نہ یورپ کی مرکزیت کو اس کے سوا کسی اور طریقے سے توڑا جاسکتا ہے اور یورپ کی مرکزیت توڑے بغیر قرآن اور اسلام کو قائم کرنا ناممکن ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (اللہ کے رسول محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں (سورۃ الفتح) کے کام کے نمونے پر برِّ عظیم میں اسلام کو جمہوری رنگ میں غالب کرنے کا ایک جامع سائنٹیفک سیاسی معاشی اور اخلاقی انقلاب کا عملی پروگرام کارل مارکس سے ۱۰۰ سو سال پہلے امام ولی اللہ نے بنایا۔ اس کا محور دہلی تھی۔

تمہید

کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے :

(۱) سیاسیات

(۲) اقتصادیات اور

(۳) فلسفہ

اگر کسی معاشرے کو ایک "شخص" (Person) مان لیا جائے تو سیاست اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے، اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ اقتصادیات اسے نشوونما بہم پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔

اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرے پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے، لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ (Economic Structure) اور اس کا نظام فکر (Ideology) محفوظ رہیں، تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا کر کے اپنی ہستی از سر نَو قائم کر سکتا ہے، تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔

لیکن اگر اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن اس کا فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیاسی کمزوری کا مداوا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرے کا فکری نظام بھی ٹوٹ جائے تو پھر اس کے معاشرے کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔

برعظیم میں خود ہماری تاریخ اس تاریخی عمل کی ایک مثال ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں برعظیم ہند پر ہمارا قبضہ تھا۔ اس زمانے میں یورپی قومیں اس برعظیم کی طرف بڑھیں انہوں نے یہاں کی حکمران طاقت کو شکست دینے کے لئے پہلے یہاں سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر فکری حملہ کیا۔

سیاسی میدان میں فرانس اور برطانیہ کی آویزش شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا۔ 1858ء تک سارے ملک پر خود قابض ہوگئے اور مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی اور فوجی شکست تھی۔ اقتصادی میدان میں یورپی قوموں، خصوصاً انگریزوں نے ہماری صنعت و حرفت اور تجارت کو برباد کر دیا۔

ہمارے ملک کی پیداوار، کوڑیوں کے مول خرید کر لے گئے اور اپنی مصنوعات سونے کے بھاؤ ہمارے ملک میں ٹھونس دیں۔ رفتہ رفتہ اس بر عظیم کی ساری آبادی کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا۔ یہ ہماری اقتصادی شکست تھی۔

اس پر اکتفانہ کر کے انگریزوں نے ہم پر فکری حملہ بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے مذہبی افکار میں، جو ہماری زندگی کی بنیاد تھے، وسوسے پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ ان کا منفی فکری حملہ تھا۔ اس کے ذریعے سے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی مذہبی حقائق کے خلاف شکوک پیدا کر کے، ان کے یقین کی جڑیں ہلادیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے افکار ایسے انداز میں پیش کئے کہ ہمارے نوجوان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ یورپی مادہ پرستانہ سائنس اور فلسفے نے ہمارے نوجوانوں کے افکار میں مزید تنزلزل پیدا کر دیا۔ یہ یورپ والوں کا مثبت فکری حملہ تھا۔

اس دوگانہ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغربی افکار سے مرعوب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ یورپی طرز پر سوچنے لگا اور اپنی شخصیت کھو بیٹھا۔ لیکن ہم میں سے ایک اہم اقلیت نے اس فکری حملے کو برداشت کر لیا۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے ڈٹ گئے۔ اور اس نے رفتہ رفتہ محنت کر کے انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔ [1]

اصل میں کسی قوم کا نظام فکر اس کے فلسفۂ حیات (Philosophy of life) پر مشتمل ہوتا ہے، وہ اس کے افکار میں سے تعارض (Antadonism) دور کر کے وحدتِ فکری پیدا کر دیتا ہے، جس سے معاشرے میں وحدتِ عمل ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فکر و عمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشو و نما اور قوت کا موجب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو، اس میں انتشارِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن کا مرکزی فکر:

قرآنی نظام فکر (Ideology) میں توحید الٰہی مرکزی نقطہ ہے جس کا خلاصہ سورۃ اخلاص میں دیا گیا ہے۔ یہ مرکزی فکر کسی خاص محدود معاشرے کی تنظیم کے لئے نہیں بلکہ ساری نوع انسانی کی تنظیم کے لئے ہے۔ یہ فکر ایک اور مقام 'آیت الکرسی' میں بھی دیا گیا ہے لیکن وہاں کا طرز بیان اونچے درجے کے سوچنے والے طبقے کے لئے

---

[1] یہ اقلیت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کام کرنے والوں کی ہے اس جماعت کے کارکنوں نے پہلے 1826ء میں پشاور کو مرکز بنا کر کام کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ سکھوں سے پنجاب چھین کر دہلی پر قبضہ کریں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر جمہوریت قائم کریں۔ لیکن یہ جماعت 1831ء میں بالاکوٹ کے حادثے میں شکست کھا گئی، اس کے بعد اس کے کارکنوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لئے 1915ء میں افغانستان اور ترکی کے فوجی اتحاد کی کوشش کی، لیکن ان کا یہ پروگرام بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا البتہ وہ انگریزوں کو جزوی شکست دینے میں کامیاب ہو گیا، اس کے بعد اس پارٹی کے ایک نامور انقلابی کارکن مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944-1872ء) نے 1926ء میں استنبول (ترکی) سے تقسیم ہند کا پروگرام شائع کیا۔ جسے یورپ میں خوب اشاعت دی گئی۔

ہے۔ "سورۂ اخلاص" میں اسی فکر کو اوسط درجے کے انسانی ذہنوں کی رعایت رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت بے نظیر ہے۔

اعلان بیزاری:

قرآنی انقلاب کی ابتدائی منزل کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس انقلاب کا ظہور ہوا۔ مخالف لوگوں کا فکر شرک پر مبنی تھا، قرآن نے پہلے تو اپنی جماعت کی جداگانہ مستقل شخصیت مخالفین سے منوائی اور اعلان کیا: "اے لوگو! جو میرے نظام فکر کا انکار کرتے ہو میں (کسی) اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس (ذات واحد) کی عبادت کرتے ہو جس کا میں پرستار ہوں۔ (ایسے ہی)، نہ میں (کبھی) ان کی پوجا کروں گا جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس ذات کی عبادت کرو گے جس کی میں کر رہا ہوں (اس لئے) تمہارا مسلک حیات الگ ہے اور میرا مسلک حیات الگ ہے۔" (سورۂ کافرون نمبر ۱۰۹)

جنگ:

اس اعلان مبارزت کے بعد جنگ چھڑ جانی ناگریز تھی۔ چنانچہ اس کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ کے بین الاقوامی، پُرامن شہر) کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا۔ اس میں بہت سے سیاسی اور نفسیاتی فائدے پوشیدہ تھے۔ اس کے بعد جنگ "بدر" (۲ھ) سے جو سلسلہ شروع ہوا وہ آخر فتح مکہ (۸ھ) پر ختم ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

(ا) مخالفین کی سیاسی شکست: "جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی تو، تو نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے" (سورۃ النصر: ۱۱۰) یہ مخالفینِ انقلاب کی فوجی اور سیاسی شکست تھی۔

(ب) مخالفین کی اقتصادی شکست: اس کے بعد مخالفین کو اقتصادی (Economic) اور معاشرتی (Social) شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے: "ابولہب کے (جو اسلام کی مخالف پارٹی کا گویا مہاجن (Prananerer) تھا) دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اس کا مال اور اس کی کمائی کسی کام نہ آئی"۔ (سورۂ لہب)

(ج) مخالفین کی فکری شکست: (ا) سورۂ اخلاص ۱۱۲: قرآنی انقلاب کے مخالفین کی سیاسی اور اقتصادی شکست کے نتائج کی تکمیل کے لئے قرآن حکیم نے اپنے نظریہ توحید کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ عرب کی مشرکانہ ذہنیت بالکل برباد ہو گئی اور قرآنی ذہنیت ان پر غالب آ گئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا مشرکانہ ذہنیت کی طرف لوٹنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ (المائدہ: ۵: ۳) یعنی اب تمہارے نظام حیات

کے منکر (کافر) اس بارے میں قطعاً مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں گے۔
خالق کے متعلق فکر کو اس طرح صاف کرنے کے لئے کہ شرک کی گنجائش مطلق باقی نہ رہے قرآن حکیم کی یہ سورت نہایت جامع ہے۔

(۲) سورۂ فلق (۱۱۳):

سورۂ اخلاص میں جس توحید باری کا ذکر کیا گیا ہے اس کا پھیلاؤ تمام کائنات میں دیکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک عقل مند انسان ساری کائنات کو اپنے نظریۂ توحید پر منطبق کرلے تو وہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ توحید کو کائنات کو ساتھ جمع نہ کر سکے یعنی وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ساری کائنات کے وجود کا ایک ایک ذرہ کس طرح ایک وجود اقصیٰ (Ultimte Being) سے آیا ہے اور ساری کائنات میں ایک ہی ذہن عالی (The Great Mind) کی تدبیر کس طرح کام کر رہی ہے؟ تو اس کی توحید آج ہے تو کل نہیں ہو گی۔

(۳) سورۃ الناس (۱۱۴):

کائنات میں بے شمار اشیاء موجود ہیں۔ بعض اپنی چھوٹائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سالمہ (Atom) اور منفی برقیہ (Electron)۔ بعض اپنی بڑائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سحابے (Nebulae) اور کہکشائیں (Galaxies)۔ خود کائنات اپنی وسعت اور تنظیم و ترتیب کے اعتبار سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے لیکن اس سے بھی اوپر انسان کا ذہن (Mind) ہے جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ حیرت ناک چیز ہے۔ وہ اس کائنات کا تصور کرتا ہے اور اس کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی اَنا (Ego) کو نوع میں منحصر سمجھتا ہے، اس لئے اگر اس کے نوع میں خدا تعالیٰ کی توحید کا اثر و نفوذ پوری طرح سے سمجھ میں آجائے تو یہ عقیدہ مکمل طور پر پختہ ہو جاتا ہے۔

ان سورتوں میں توحید کے نظریے کی تکمیل کی گئی ہے اس لحاظ سے یہ سورتیں سورۂ اخلاص کا تتمہ ہیں۔

وہ فلسفہ توحید جس نے انقلاب کے ذریعہ سے شرک کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں، ان تین سورتوں میں مکمل ہو گیا ہے۔ اب یہ تعلیم ہے اور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا عملی نمونہ۔ جب تک نوع انسانی کرۂ زمین پر قائم ہے اس تعلیم سے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے قریبی ساتھیوں کا نمونہ سامنے رکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

سورۃ الاخلاص

ثَنَوِیّت کارَدّ :

(۱) قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہی ہے)۔ دنیا میں دو قسم کی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند ہیں اور (۲) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند نہیں ہیں۔

جب کوئی قوم اپنے بلند ترین انسانی نصب العین (دین) سے گر جاتی ہے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر مذہبی جماعتوں میں شرک عموماً ثنویت (Dualism) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کوئی فلسفی جماعت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ خیر اور شر ایک ہی مرکز سے نکل سکتے ہیں۔ وہ ان کے لئے جدا جدا مرکز مان لیتی ہے۔ جیسے زرتشت کی جماعت نے جو شروع شروع میں مذہبی جماعت تھی، جب فلسفیانہ مسلک اختیار کر لیا تو اس نے خیر کا ایک مرکز مانا اور اسے 'اہورمزد' یا 'یزدان' کہا اور شر کا دوسرا مرکز قرار دیا اسے اہرمن کہا۔ یہ اہلِ فلسفہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ خیر اور شر ایک مرکز سے کس طرح صادر ہو سکتے ہیں۔

حالانکہ وہ اس مسئلے پر کائنات گیر ذہن سے غور کرتے تو وہ تصور کر سکتے تھے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اپنی جگہ مفید ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک نوع کے لئے مفید ہے اور دوسرے کے لئے غیر مفید یا مُضر۔ کون نہیں جانتا۔

اس لئے کسی شے کو شر مطلق (Absolute Evil) کے ذیل میں لانا غلط ہے اس طرح ہر ایک شے کا وجود ایک مرکز سے ماننا حکمت عالیہ کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا ایک وجود ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرے کا مصدر ہے۔ ایسے ہی کائنات میں جو تدبیر جاری ہے اس کے پس منظر میں بھی اس ذات واحد ہی کا ذہن عظیم کارفرما ہے۔

شفاعت کے غلط پہلو کا ردّ :

(۲) اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (اللہ بے نیاز ہے) مذہبی جماعتیں مرکزی طاقت تو ایک ہی تسلیم کرتی ہیں۔ لیکن جب وہ

شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو بعض ذیلی طاقتیں ایسی بھی مان لیتے ہیں جنہیں مرکزی طاقت چھوڑ نہیں سکتی۔ ان ذیلی طاقتوں کے تقاضوں کو ماننا مرکز کے لئے ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک انسان پیدا کیا اسے اپنے قرب کا درجہ عطا فرمایا۔ اب وہ شفاعت کرے تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی خدا تعالیٰ اسے رد نہیں کر سکتا) اس آیت میں اسی قسم کے مشرکانہ فکر کا رد کیا گیا ہے [1] اور بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے کوئی انسان کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق کام کرنے پر مامور ہے اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات بالجبر منوالے۔

ابنیت کا رد:

(۳) لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾۔ (نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا)۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کام کر رہی ہیں، اس کی تجلیات یوں تو ہر ایک انسان کے قلب پر پڑتی ہیں، لیکن جس انسان کے قلب پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علوم حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ ایسے خاص افراد کو انبیاء کہتے ہیں۔ گری ہوئی مذہبی جماعتیں اس نظام کو نہیں سمجھتیں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو خدا کا "بیٹا" کہنے لگ جاتی ہیں۔ [2] حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔

بت پرستی کا رد:

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۴﴾ (اور نہ اس کے برابر کوئی ہے) ثَنَوِیّت کا ایک درجہ تو وہ تھا جس میں خیر و شر کے الگ الگ مرکز مان لئے گئے تھے۔ اس کا رد پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ کوئی کمزور طاقت ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گئی ہے۔ قدیم یونانیوں کا یہی عقیدہ تھا۔ اور ہندوؤں میں بھی اکثر اسی قسم کے افکار پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں بُت پرستی یا دیوتا پرستی رائج ہو گئی۔ اس آیت میں ان کا رد کیا گیا ہے۔

---

[1] انبیاء کرام خصوصاً حضرت نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا مسئلہ اس سے الگ چیز ہے اس کے متعلق قرآن حکیم میں جگہ جگہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن (اجازت) سے ہو گی۔ (مرتب)

[2] قرآن حکیم میں آیا ہے وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ عُزَیۡرُ ابۡنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ (التوبہ ۹، ۳۰) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ (مرتب)

غرض اس مختصر سورت میں :

(۱) ثنویت (۲) شفاعت مطلقہ (۳) اِبنیّت، اور (۴) بُت پرستی یا دیوتا پرستی

کا پورا پورا رد کر دیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہی وجود کا مصدر مطلق ہے اور اس کی تجلیات کائنات میں کام کر رہی ہیں، ان میں سے ہر ایک امر پر قرآن حکیم کی سورتوں میں مفصل بحثیں آچکی ہیں۔ سورۂ اخلاص گویا ان تمام بحثوں کا خلاصہ (Summary) ہے۔

جن اہل مکہ کا اس سورۃ پر ایمان بن گیا وہ اور کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ قرآن حکیم کے دئے ہوئے توحید کے سبق کو تو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ اب ان میں کسی قسم کی بھی مشرکانہ ذہنیت پیدا نہیں ہو سکتی اور اس مشرکانہ ذہنیت کی خاطر جو اقتصادی طاقت پیدا ہو گی وہ عود نہیں کر سکتی اور یہ اقتصادی طاقت جو سیاسی طاقت کی بحالی کی کوشش کرتی ہے وہ کبھی وجود میں نہیں آسکتی۔ اس طرح سے قرآنی ذہنیت عرب میں مستحکم طور پر قائم ہو گئی۔

سورۃ الفلق

توحید کا پھیلاؤ کائنات میں :

توحید، ایک نظریے کے طور پر بیان کردیئے جانے کے بعد ضروری ہے کہ یہ واضح کردیا جائے کہ یہ اصول توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے؟ چنانچہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔

سورت کی تمثیلی شرح :

حجۃالاسلام مولانا محمد قاسمؒ نے اس سورت کے مضامین کو تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔

(۱) باغبان، ایک پودا لگاتا ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں یہ ان کی طبعی غذا ہے۔ ان کی جو طبیعت ہے اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لئے اس کے گرد باڑ لگادے۔

(۲) پودے کے بڑھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے تو پودا اسی طرح فنا ہوجائے گا، جس طرح جانوروں سے نہ بچائے جانے کی صورت میں فنا ہوجاتا۔

(۳) بیرونی آفتیں مثلاً برف، شدید گرمی، بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کرسکتی ہیں۔ باغبان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بھی بچائے۔ اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا تو وہ جس طرح چارپائے کے حملے سے یا غذا کے بہتر نہ پہنچنے سے ہلاک ہوجاتا ہے اسی طرح وہ ان آفات کا شکار ہوکر بھی ہلاک ہوسکتا ہے۔

(۴) ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے، وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اگر پودے کو اس کی چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے تو بھی پودا اسی

طرح سے فنا ہو جائے گا جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔
یہ پودے کی زندگی کی طبعی منزلیں ہیں۔
انسان کو ایک پودا مان لیا جائے تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہو گی۔ انہیں ذہن میں رکھ کر خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصانات پہنچ سکتے ہیں ان سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔

دفع مضرت کی ضرورت :

انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے اس کے دو رخ مقرر کئے جا سکتے ہیں۔
(۱) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔
(۲) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔
جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے سے ہونی چاہئے۔ دفع مضرت کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں وہ منضبط کر لئے جائیں اور ان میں ہر جگہ خدا تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے اس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی انسان کو ہر ایک قسم کے شر سے بچا سکتا ہے۔
اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔
اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آ جاتا ہے اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی سورۂ فلق کا موضوع ہے۔ اب ہم اس مثال کے مطابق اس سورت پر غور کرتے ہیں۔

عمل انفلاق اور اس کی ہمہ گیری :

(۱) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ۝ - (کہہ دے کہ میں، چیر کر پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں)
تمام مادی اشیاء کی تخلیق میں عمل انفلاق (Fission) کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ عمل ساری کائنات میں جاری

ہے۔ خود کائنات کے متعلق حکماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی ایک بہت بڑے انفلاق (Explosion) سے شروع کی۔ اس کے نتیجے کے طور پر سحابے (Nebulae) وجود میں آئے۔ اور پھر ان کے انفلاقات سے تمام ستارے (سورج) پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہمارے سورج کے انفلاق سے سیارے بنے جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے اس کے بعد زمین کے کسی انفلاق سے ہمارا چاند وجود میں آیا۔

اسی طرح سے اعضاء والے جانداروں (Organisms) میں خلیات (Cells) کے پھٹنے (Fission) سے مرکب ابدان پیدا ہوتے ہیں۔ تمام حیوانات میں خلیات کے پھٹنے سے ہی نشوونما کا عمل ہوتا ہے اور دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے ہی پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا) بتایا گیا ہے۔

عمل انفلاق کے عالمگیر نظام کے خالق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تدبیر اور کائنات گیر قدرت کا اس سے بہتر تصور نہیں دیا جاسکتا، جیسا اس آیت میں دیا گیا ہے۔ پھر یہ عمل انفلاق محض تخریبی نہیں ہے بلکہ تعمیری بھی ہے اور نظام ربوبیت کا مددگار ہے۔ اس حیثیت سے بھی نظام انفلاق کی عظمت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر قسم کے شر سے پناہ کا مرکز بن سکتا ہے۔

(۱) شر: مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾۔ (ہر ایک چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی)۔

جس چیز کی مخلوقیت میں انسان کے لئے شر ہے (جیسے سانپ بچھو وغیرہ) اس کے شر سے بچنے کے لئے رَبِّ الْفَلَقِ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ پودے کی زندگی کی وہی منزل ہے جب اسے ان چیزوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی طبیعت میں پودے کے لئے شر ہے۔

(۲) دوسرا شر: وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾۔ (اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے)۔

جب چاند غروب ہو جاتا ہے اور رات تاریک ہو جاتی ہے۔ اس کی روشنی سے پودے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے ایسے ہی انسانیت کو "غذا" پہنچانے والی جتنی چیزیں ہیں مثلاً صحیح علم، علم کے مطابق عمل کا صحیح نمونہ۔ ان کے فقدان سے جو نقصان انسان کو پہنچ سکتا ہے وہ ہماری اس مثال کے کُلئے میں آجاتا ہے۔

ہمیں تمام ایسی چیزوں اور سامانوں کے نہ ملنے سے جن سے ہماری انفرادی، اجتماعی اور نوعی پرورش ہوتی ہے اور جس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے اس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

(۳) تیسرا شر: وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾۔ (اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے)۔

نفث : پھونک مارنا : نفاثات پھونکیں مارنے والیاں۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے، یہ جماعت کے لئے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہوگئے کہ عورتیں جو پھونکیں مار کر جادو کرتی ہیں۔ یہ اس عمل کی ایک مثال ہے اس کی دوسری مثال جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

عقد :

عقدۃ ،عُقَد (گرہ) کی جمع ہے۔ اگر نفاثات سے مراد عورتیں لی جائیں تو 'عقد' سے مراد "دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں" ہوسکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد جماعتیں لی جائیں تو 'عقد' سے مراد "پختہ خیالات" ہوں گے، جنہیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ یا ایمان ہوتا ہے، جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا۔ اور وہ اتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کرسکے گا۔

پراپیگنڈا کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈا کرتی ہے، وہ ایک فکر لوگوں کے کانوں میں پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈا کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈا کے زور سے انسان کے زندگی بخش پروگراموں کو نکما ثابت کرکے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ و تفنگ کی طاقت سے زیادہ مانی گئی ہے۔ ایام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈہ (Cold war) یا (war of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے اور 1/10 آلات کے ذریعے جنگ (Hot war) کی، جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔

انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لئے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے جو پودے کے لئے برف وغیرہ کا۔

(۴) چوتھا شر : وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے)۔

ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے، اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس وہ نعمت رہے لیکن مجھے اس سے بڑھ کر مل جائے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے وہ نعمت یا اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم، الٰہی قانون کے مطابق ہوتی ہے، اس کی حکمت جسے جو دینا مناسب خیال کرتی ہے عطاء فرمادیتی ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے جسے کوئی نعمت دی گئی ہے، وہ اصل میں نعمت تقسیم

کرنے والے پروردگار "المُعطی" سے دشمنی کرتا ہے۔ محسود کے ساتھ اس کی براہ راست کوئی عداوت نہیں ہوتی۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔
ایسے شخص سے بچنے کے لئے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نتیجہ :
اس مختصر سی سورت میں ان تمام شرور کا ذکر آگیا ہے، جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لئے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آجائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ 'بلکہ ھر قسم کا شر بھی انسان کو پہنچا سکتا ہے لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت سے ہی پہنچ سکتا ہے بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے اس تصور سے ہر ایک بچے، بوڑھے اور مرد و عورت کے دماغ میں قدرت الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔
اتنا بڑا علم اتنے مختصر الفاظ میں ایسے عام فہم انداز اور مقرون اشیاء کے ذریعے سے بیان کرنے کی مثال قرآن حکیم کے سوا اور کسی جگہ تلاش کرنا بے سود ہے!!

سُورۃالناس

توحید کا پھیلاؤ نوع انسانی میں :

کائنات یا شخص اکبر (Macrocosm) کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانے کے بعد ضروری ہے کہ خود نوع انسانی کے اندر اس فکر کا پھیلاؤ دکھایا جائے۔ انسان کو شخص اصغر (Microcosm) کہا جاتا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کائنات کا نمائندہ ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اس کا ذہن کائنات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور حیرت ناک چیز ہے اور اس کا انا (Ego) سب سے زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر ہے۔ اس لئے اس کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانا زیادہ ضروری ہے۔ کائنات کے وسیع دائرے کے اندر انسانیت کا دائرہ چھوٹا سہی، لیکن یہ سب سے اہم دائرہ ہے۔ اس کا مرکز بھی وہی توحید خالص ہے جس کا ذکر سورۂ اخلاص میں آچکا ہے۔ اس انسانی دائرے میں انسانی اجتماعیت کا اہم ترین مقام ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا موضوع (Subject) ہے لیکن اسلام تمام شرائع کو ایک نظام میں جمع کرتا ہے۔ اس لئے اس سورت میں نوع انسانی کے دائرے کے اندر توحید باری کو جس وسعت سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب عظیم کا حصہ ہے۔

تمام ادیان عالم میں سے صرف اسلام اجتماعیت انسانی کے درجہ کمال پر بحث کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی پیش کردہ اجتماعیت تین اہم مرکزی (Concentric) دائروں میں گھومتی ہے۔ یعنی :

(۱) دائرۂ ربوبیت (۲) دائرۂ ملوکیت (۳) دائرۂ الوہیت

(۱) دائرہ ربوبیت :

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ ۔ (کہہ دے کہ میں تمام انسانوں کی ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں)۔
سورۂ فلق کی تشریح میں پودے کی جو تمثیل اختیار کی گئی تھی، اسے آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان

پودے کی طرح پیدا ہوتا ہے اور نشو و نما پا کر اپنے جیسے اور "پودے" پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے آباؤاجداد کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے اس کی تربیت کی پھر وہ خود اپنے آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے پاتا ہے گویا اس کے خاندان کے اندر "ربوبیت" کا ایک نظام موجود ہے، لیکن قرآن حکیم انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ ربوبیت کا یہ عمل کسی ایک خاندان کے اندر محدود نہیں ہے یعنی یہ دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ ہمارے آباؤاجداد ہماری پرورش کر کے ختم ہوگئے اور ہم اپنی اولاد کی پرورش کر کے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ کوئی نظام ایسا ہے جو ساری نوع انسانی کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہ ذات جو ساری نوع انسانی ہی کی نہیں بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت کر رہی ہے حقیقی معنوں میں 'رب' ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤاجداد اپنے آباؤاجداد کی ربوبیت کے محتاج تھے۔ ہم اپنے آباؤاجداد کے دست نگر تھے اور اب ہماری اولاد ہماری ربوبیت کی محتاج ہے۔ یہی سلسلہ دیگر حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کرۂ زمین پر ہر جگہ ربوبیت عامہ کے آثار موجود ہیں، بلکہ نوانسانی کی تخلیق سے بھی پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے، اس سلسلہ ربوبیت کی تخلیق و تدبیر میں نہ ہمارے آباؤاجداد کا ہاتھ ہے نہ خود ہمارا نہ ہماری اولاد کا۔ ربوبیت عامہ کا یہ نظام اتنا وسیع ہے اور اس کی تدبیر اتنی پیچیدہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان بھی ابھی تک ربوبیت کے اس نظام کا پورا اندازہ نہیں لگا سکا اور یہ ربوبیت کسی ایک زمانے یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وہ مکان یا زمان کی پابند نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر انسان کی فطرت سلیمہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک "رب مطلق" کی ہستی کو تسلیم کرے اور پھر اس کا جو تعلق انسانیت عامہ کے ساتھ ہے وہ متعین کر کے اپنی "ربوبیت" کو اس کی ربوبیت عامہ کا پرتو سمجھے اور اپنے آپ کو "رب العالمین"۔ "رَبُّ النَّاس" کا خلیفہ جانے۔ اسی میں انسانیت کا شرف ہے اور یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔

(۲) دائرہ ملوکیت :

(۲) مَلِكِ النَّاسِ ۝ ۔ (لوگوں کے بادشاہ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔)

انسان کی ارتفاقی زندگی (Cultural Life) کی ترقی میں ایک منزل آتی ہے جب وہ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول)[1] اور قصباتی زندگی (ارتفاق دوم)[2] سے بلند تر ہو کر شہری زندگی (ارتفاق سوم)[3] اختیار کرتا ہے اس منزل

[1] (۱)، (۲) اور (۳) امام ولی اللہ دہلوی (۱۷۶۳-۱۷) کی اجتماعیت (Sociology) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جب حیوانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہتا ہے جن میں کاشتکاری، چند برتنوں کا استعمال، زبان کا استعمال، لباس اور مکان کا استعمال کرتا ہے اور تعین

پر پہنچ کر وہ معاشرے میں حکومتی نظام پیدا کرتا ہے تاکہ اس میں عدل قائم کرے۔

یہ عدل جب انسانی زندگی کے معاشی اور اقتصادی شعبوں کا انتظام کرتا ہے تو ربوبیت کی شکل اختیار کرتا ہے اور جب سیاست کے شعبے میں کام کرتا ہے تو ملوکیت بن جاتا ہے۔ یہ دونوں دائرے ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی عدل اور سیاسی عدل انہی بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے جن بنیادوں پر یہ عدل خاندان میں قائم ہوتا ہے یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو غذا بہم پہنچاتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت اور صحت و تفریح کا سامان کرتے ہیں ان کی غلطیوں پر رحم آمیز عدل (Justice tempered with mercy) سے ان کی سیاست کرتے ہیں ایک اچھی حکومت بھی اسی طرح کرتی ہے۔ اس کا نظام ربوبیت اور نظام عدل پورے معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جب حکومت اس بلند معیار سے گر جاتی ہے اور معاشرے میں ظلم و طغیان سر اٹھاتا ہے تو معاشرے میں سے انقلابی قوتیں ابھرتی ہیں اور وہ اس نظام کو برباد کر کے نیا نظام قائم کر لیتی ہیں۔ ❶

ایک عقل مند انسان، اجتماع انسانی میں مرکزی مقام حاصل کر لے تو وہ اپنی "ملوکیت" اور اس کی حد بندیوں پر غور کرے گا تو دیکھے گا کہ ساری کائنات ایک مستقل نظام تدبیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام فطری قوانین پر مشتمل ہے جن کا اثر و عمل نہایت وسیع اور ناقابل تبدیل ہے۔ وہ اس نظام فطرت کو توڑنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا۔ ان قوانین میں ایک مکمل ربط اور انکے عمل میں یکسانیت ایک برتر حکیمانہ قوت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو ساری کائنات کو چلا رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنی ملوکیت کو اس "مَلِكُ الْكُلِّ" کی ملوکیت کا سایہ پاتا ہے اور اپنا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ خود کو اس شہنشاہ مطلق کا خلیفہ قرار دے کر اس کے احکام کو انسانی معاشرے میں نافذ کرے۔ یہ جذبہ ایک دانش مند اجتماعی انسان کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ترقی کرنے والا انسان وہی ہوتا ہے جو اجتماعیت پسند ہو۔ ❷

قرآن حکیم واضح دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حکومت اور ملوکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔

زوجہ کرتا ہے۔ اس منزل میں اس کی تخلیقات میں صفائی اور حسن کم ہوتا ہے اسے امام صاحب ارتفاق اول (The First Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بڑے بڑے قصبات آباد کرتا ہے اور ارتفاق اول کی چیزوں میں صفائی اور حسن کا اضافہ کرتا ہے اسے وہ ارتفاق دوم (The second Stage of Human Culture) جب وہ سیاسی قوموں میں بٹ گیا اور ان میں خونریزیاں ہونے لگیں تو بین الاقوامی حکومتیں قائم ہونے لگیں تاکہ قوموں کو ان خونریزیوں سے روکا جائے۔ یہ بقول امام صاحب انسانی ترقی کی چوتھی اور آخری منزل۔ یا ارتفاق چہارم (The Fourth Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس سے آگے ترقی کر کے وہ معاشرے میں نظام حکومت قائم کرتا ہے۔ یہ ارتفاقات کی تیسری منزل ہے۔

❶ جب کسی معاشرے میں سے انقلابی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ظلم و طغیان کو برداشت کرنے لگ جاتا تو رفتہ رفتہ اسے بربادی کا عذاب آلیتا ہے۔ (مرتب)

❷ ایک انسان اپنی ضرورتیں پوری طرح سے محسوس کرتا ہے لیکن وہ اپنی ذاتی طاقتوں کے استعمال سے یہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جماعت جمع کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کے مطلب پورے ہونے لگتے ہیں ایسا انسان اجتماعی انسان کہلاتا ہے۔ (مرتب)

دوسرے تمام حکمران اس کے محتاج ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بُتان آذری

اس کی ملوکیت کا حلقہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اس کی ربوبیت کا۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اس کا نتیجہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا اور وہ یہ کہ انسان اپنے معاشرے میں اپنی مطلق العنان حکومت قائم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس لئے انسانی معاشرے میں فقط شورائی نظام حکومت ہی قائم ہو سکتا ہے۔

(۳) دائرہ الوہیت:

اِلٰہِ النَّاسِ ۙ ③۔ (میں انسانوں کے معبود حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں)۔ انسانی اجتماع میں یہ تیسرا دائرہ ہے۔ یہ بھی پہلے دو دائروں، ربوبیت اور ملوکیت پر منطبق ہوتا ہے۔

الوہیت، سے مراد دلوں کو کھینچ لینے والی وہ محبوبیت ہے جو عشق تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائے۔

انسان کے اندر حُب کا ایک جذبہ موجود ہے وہ اصل میں علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ انسان کو کسی ذات میں چند خوبیان نظر آتی ہیں جو اسے اپنی طبیعت کے مناسب محسوس ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے دل میں اپنے محبوب کے لئے ایک کشش کا باعث ہوتا ہے۔

جب انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو اس میں ہر جگہ حسن و جمال کا ظہور پاتا ہے اور جب وہ نوع انسانیت کی ترقیات کا جائزہ لیتا ہے، تو وہ ان میں حسن اور احسان دونوں کی وسیع علامات پاتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان کی بپتا کرتا ہوا ایک ایسی ذات تک پہنچ جاتا ہے، جو کائنات اور نوع انسانی کے اندر حسن و احسان کی مرکز ہے۔ وہ اس ذات کے لئے اپنے قلب کے اندر ایک کشش پاتا ہے اور پھر اسی کا ہو رہتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات "رَبِّ النَاس" اور "مَلِکِ النَّاس" کے رنگ میں جا کر معاشرے میں کام کرتا ہے، تو لامحالہ اس کی "ربوبیت" عام ہوتی ہے اور اس کے عدل کا دائرہ اس کی "ربوبیت" کے دائرے کے برابر ہوتا ہے، یعنی وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت نہیں کرتا بلکہ سارے انسانی معاشارے کی "ربوبیت" کا نظام سوچتا ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے اندر عدل قائم کرنا نہیں چاہتا، بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لئے معاشرتی اور معاشی عدل قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے انسانی معاشرے کا مرکز محبت بن جاتا ہے۔ ایسے ہی جو جماعت اس طرح سے کام کرے وہ بھی انسانی معاشرے میں محبوبیت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ سارے انسانی معاشرے کو اپنا خاندان تصور کر کے اس کی خدمت کرتی ہے یہ ہے انسانی فطرت۔

ایک اجتماعیت پسند انسان جس طرح ربوبیت کے عالمگیر نظام کو دیکھ کر اپنی "ربوبیت" کو "رَبُّ العَالَمِین" یا "رَبُّ النَّاس" کی ربوبیت کی ذیل میں لے آتا ہے اور ساری کائنات میں باضابطگی اور نظم و نسق کی وسعت کو دیکھ کر اپنی حکومت کو حاکم عَلَی الْاِطْلَاق (مَلِكِ النَّاس) کی ملوکیت کے تابع کر کے اس کی خلافت قرار دے لیتا ہے، اسی طرح سے وہ اپنی محبوبیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت میں مدغم کر کے صرف اسی کو محبوب حقیقی قرار دے لیتا ہے، جب حب اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان اپنے اختیار کو محبوب کے اختیار کے تابع کر دیتا ہے اسے عبادۃ کہتے ہیں اور محبوب کو "الٰہ" کہتے ہیں۔

ایک اجتماعی انسان حب کے اس درجے پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کو نہ صرف اپنا الٰہ تسلیم کرتا ہے، بلکہ اسے ساری کائنات کا الٰہ مانتا ہے اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز یا انسان سے اعلیٰ درجے کی محبت کرے اور انسانی اختیار کو اس الٰہ واحد کے سوا کسی اور کے تابع کر دے! ۔ اس قسم کی ذہنیت، انسانی ملوکیت یا مطلق العنانی کو کبھی قبول نہیں کر سکتی اور اس ذہنیت کا مالک انسان جہاں اجتماعیت پسند ہوگا وہاں وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت پسند بھی ہوگا۔ غرض انسان سلامتی فطرت کے ساتھ چل رہا ہو تو وہ اپنی ثقافتی اور ارتقاقی ترقی میں ان تین درجوں میں سے گزرے گا:

وہ اپنے آپ کو دوسروں کا "مربی" بنانے کی کوشش کرے گا۔
وہ اپنے آپ کو دوسروں پر "حاکم" بنانے کی کوشش کرے گا اور
وہ اپنے آپ کو دوسروں کا "محبوب" بنانے کی کوشش کرے گا۔

یہ جذبات ہر ایک انسان میں موجود ہیں۔ اگر اسے صلاحیت اور علم حاصل ہو تو وہ اپنے انہی جذبات کی مثالوں کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کر کے یہ بصیرت حاصل کرے گا کہ انسانیت عامہ کے "رَبّ"، "مَلِک" اور "الٰہ" کو پہچان لے اور پھر اس سے بھی اونچا اٹھ کر اس ذات واحد کی ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کی واضح نشانیاں ساری کائنات میں مشاہدہ کر کے اسے ہی ساری انسانیت اور ساری کائنات کا رب، ملک اور اِلٰہ تسلیم کر لے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانیت کی ترقی انہی تین کمالات انسانی کی ترقی پر منحصر ہے یعنی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا نائب بنے۔ اس طرح سے انسانیت کے اندر خدا تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

(۴) مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ۬ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ ۔ (۵) الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ

"وسوسہ پیدا کرنے والے چھپ جانے والے کے شر سے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔"

وسوسے کی حقیقت :

ان انسانی کمالات کی ترقی کی دشمن کیا چیز ہے؟ اس فکر جلیل میں خلل کس طرح پڑتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کی ذہن میں کسی فکر عظیم کے متعلق کوئی کمزور نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اسے وسوسہ کہتے ہیں۔ یہی وسوسہ ترقی کر کے شک بن جاتا ہے، جس کا انجام انکار ہوتا ہے۔

انسانی فکر کو بدلنے والی طاقتوں کے دو حصے کر لیجئے۔

(۱) انسانی جماعتیں : انسان کسی سوسائٹی میں رہنے لگے تو اس سوسائٹی کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا فکر تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اصل میں تو ایک طبقے سے دوسرا طبقہ اثر لیتا ہے، لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے مفادات دو طبقوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ ایسے انسان ایک طبقے میں متاثر ہو کر اس اثر کو دوسرے طبقے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اثرات مختلف طبقوں میں پھیل جاتے ہیں۔

(۲) انسان کے سوا دوسری طاقتیں : ان کے اثر سے بھی انسان کے دماغ کا فکر بدل جاتا ہے۔ یہ ساری طاقتیں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔

''وسواس'' کیا ہے؟

عالم مثال میں انسان کا ایک قرین ہوتا ہے، جو یا تو شیطنت کی طرف مائل ہوتا ہے یا ملکیت کی طرف۔ یہ جنّ (پوشیدہ مخلوق) اگر شیطنت کی طرف مائل ہو تو ہمارے افکار میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی انسانی جماعتیں اپنے مخالف نظام فکر میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں، جس کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان جماعتوں کے کارندے جو بظاہر پراپیگنڈا کرتے ہیں اصل محرک نہیں ہوتے۔ اصل محرک ان کے پیچھے ہوتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ وہ جماعتیں ان کارندوں کو لکھا پڑھا کر ان سے کام لیتی ہیں اور انسان کے فکر میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے ذہن کو ہمارے ذہن کی طرف متوجہ کر کے تاثیر ڈالنا چاہتے ہیں، تو ہم پر اثر ہوتا ہے۔ صوفیا کے ہاں یہ ایک مستقل فن ہے اسے 'توجہ دینا' کہتے ہیں لیکن نہ ہر ایک صوفی 'توجہ' دے سکتا ہے نہ ہر ایک طالب توجہ لے سکتا ہے۔ اس فن کے قواعد و اصول ہیں جن کے تحت 'توجہ' دی جاتی ہے۔ اس سے طالب کے قلب میں افکار پیدا ہوتے ہیں۔

ایسے ہی ہم نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی فکری تاثیر (Suggestion) ڈالنے

کی طاقت رکھتے ہیں۔ پروپیگنڈا کے ذریعے سے عوام کے دلوں میں خیالات پیدا کرنا تو سب جانتے ہیں اس طرح سے عوام کے افکار میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وسوسے ہی سے ہوتا ہے اس طاقت کو جو وسوسہ پیدا کرنے میں مرکزیت کا مقام رکھتی ہے، "وسواس" کہا جاتا ہے۔

(۲) مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۞۔ (جنوں اور انسانوں میں سے)

اس قسم کی وسوسہ پیدا کرنے والی طاقتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ طاقتیں جو نظر آتی ہیں اور

(۲) وہ طاقتیں جو نظر نہیں آتیں۔

اول الذکر میں، انسان داخل ہیں اور آخر الذکر میں جن، سفلی اور علوی ملائکہ شامل ہیں۔

دونوں قسم کی طاقتیں ہمارے دلوں میں افکار پیدا کرتی ہیں۔ امر حق کے خلاف جو انتشار فکر پیدا ہوتا ہے، وہ فکری مرض ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ انکار حق تک پہنچ جاتا ہے۔

باطل افکار کا نتیجہ :

یہ باطل افکار کبھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے متعلق ہوتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی ملوکیت کے متعلق ہوتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے متعلق جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں وہ آخر کار دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) اور پیداوار کے احتکار (Hoarding) پر منتج ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پیدا کرتے ہیں جس سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کے اخلاق کا فساد پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملوکیت کے متعلق جو باطل خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی ملوکیت (Imperialism) پیدا کرتے ہیں، جن میں انسانوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی فساد اخلاق پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں، وہ شرک پیدا کرتے ہیں، جو انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور یہ تپ دق کی مانند ہے۔ اس سے خدا پرست انسان کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں ہر ایک طاقت سے مصالحت (Compromise) کرنے کی طرف جھکنے لگتا ہے اور اس طرح اس میں سے انقلابیت (Revolutiony Spirit) نکل جاتی ہے اور رجعت پسندی (Reactionryism) پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ بلند نصب العین پر قائم نہیں رہتا اور نہ صالح بین الاقوامی نظام پیدا کر سکتا ہے۔

ایسے ہی ربوبیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ تو انسان سماحت[1] کے خُلُق سے عاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حرص اور طمع کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان کوئی اعلیٰ درجے کا اجتماعی نظام نہ پیدا کر سکتا ہے نہ چلا سکتا ہے۔

مُلوکیۃ الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان معاشرے میں خود "ملک الناس" (انسانوں کا خود مختیار مالک) بن بیٹھتا ہے، جس سے سیاسی تغلب پیدا ہو جاتا ہے اور انسان عدل کے خلق سے عاری ہو جاتا ہے۔

الوہیۃ الٰہی کے عقیدے میں خلل پڑ جائے تو انسان علم کا اجارہ دار بن بیٹھتا ہے۔ اور تقدس کا جامہ پہن لیتا ہے۔ عوام جہالت میں مبتلا ہو کر اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اس طرح انسانیت کے دونوں طبقے اخبات کے خلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

انسانیت کی بربادی:

غرض توحید کامل میں وسوسہ پیدا ہو جانے سے انسان سماحت، عدل اور اخبات کے بنیادی اخلاق سے بالکل عاری ہو جاتا ہے اور ان کی بربادی سے طبعی طور پر طہارت کے خلق پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی پوری انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جس معاشرے سے یہ اخلاق نکل جائیں وہ انسانیت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

انسانیت کو اس بربادی سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف خدا تعالیٰ ہی کو "رب الناس"، "ملک الناس" اور "الٰہ الناس' تسلیم کرے اور خود معاشرہ انسانی میں خدا تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بن کر ان صفات الٰہی کا مظاہرہ کرے۔

فکری غلبہ:

جب اللہ تعالیٰ کی توحید کامل یعنی وجود کی وحدت اور تدبیر کی مرکزیت (جس طرح وہ ساری کائنات اور نوع

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں انسانیت کی ترقی کا مدار چار قسم کے اخلاق حاصل کرنے میں ہے۔ یعنی طہارۃ، سماحت، اخبات اور عدالت۔ طہارت سے مراد لباس، ماحول اور افکار کی پاکیزگی ہے۔ سماحت سے مراد ہے دنیاوی لذتوں میں انہماک نہ ہونا۔ تاکہ انسان اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے وقت نکال سکے۔ اخبات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبے کا دل میں ہونا، جس کی وجہ سے وہ اس کے احکام کی پیروی کے لئے ہر وقت تیار رہے اور عدالت سے مراد ہے، معاشرے میں سے ہر قسم کا ظلم و طغیان دور کر کے عدل و انصاف قائم کرنا۔ تفصیل کے لئے دیکھو امام صاحب کا رسالہ "ہمعات" "حجۃ اللہ البالغہ" اور "بدور بازغہ" (مرتب)

انسانی میں جاری و ساری ہے) انسان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اپنے علم اور تجربے سے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا کامل یقین پیدا کرلے تو کوئی مشرکانہ تصور انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اور نہ معاشرے میں ظلم قائم رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظّمہ کی سوسائٹی میں یہ ذھنی انقلاب لاکر اسے شرک اور ظلم سے بالکل پاک کردیا اور پھر مدینہ منورہ کو مرکز فکر و عمل بناکر سارے عرب میں ایک عظیم الشان ذھنی، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی انقلاب مکمل کرلیا۔ جس کا اثر حدود عرب سے نکل کر رب المشرق والمغرب (شرق و غرب کے رب) کی سرزمین میں پھیلنے لگا۔

سورہ فاتحہ کے ساتھ ربط

قرآن حکیم کی پہلی سورت الفاتحہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین بنیادی صفات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۱) ربوبیت (۲) رحمانیت اور رحیمیت (۳) مالکیت

آخری سورہ الناس میں بھی ان کے مقابلے میں تین صفات کا اعادہ کیا گیا ہے

(۱) ربوبیت (رَبِّ النَّاسِ) (۲) ملوکیت (مَلِكَ النَّاسِ) (۳) الوھیت (اِلٰهِ النَّاسِ)

''سورہ فاتحہ'' میں اللہ تعالیٰ کو ''رب العالمین'' کہا گیا ہے۔ تو ''سورۃالناس'' میں اسے رب الناس بتایا گیا ہے۔ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں ربوبیت کو رحمانیت اور رحیمیت سے مربوط کیا گیا ہے، تو سورۃالناس میں خدا تعالیٰ کی الوہیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رحمانیت اور رحیمیت دونوں کا عمل ذات خداوندی کو کائنات کا مرکز بناتا ہے جو الوہیت کا کمال ہے۔

سورۂ فاتحہ میں مالک یوم الدین کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو سورۃالناس میں اللہ تعالیٰ کا بطور ملک الناس اشارہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔ سورۃالناس میں وسواس کے شر سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔ توحید باری تعالیٰ تک پہنچنے کی عملی شکل صراط مستقیم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس راہ میں وسواس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔ تو سورۃالناس میں صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنے والی طاقت "الوسواس الخناس" کے دو مظاہر "الجنة والناس" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس 'وسواس الخناس'

کے اثر سے جب قومیں صراط مستقیم سے ہٹتی ہیں تو یا تو وہ یہود صفت بن کر "مغضوب علیہ" ہوتی ہیں یا نصاریٰ صفت بن کر "ضآلین" میں شمار ہوتی ہیں۔

گویا قرآن حکیم کو ان آخری تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، ملوکیت (یا مالکیت) اور الوہیت کی طرف توجہ دلا کر صراط مستقیم یا توحید کے بنیادی فکر پر استقامت حاصل کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ یہی ایک چیز شرف انسانی کی بنیاد ہے اور اسی سے نوع انسانی کے لئے ہر قسم کی مادی اور معنوی ترقیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی فکر قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر ہے۔ جس پر ساری نوع انسانی کو جمع کرنا انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔